

منطق ایک خاص قسم کی عقلیت ہے جو عقل ہی پر غلبہ حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اور وجدان ایک قدرتی واقعیت ہے جو وہم و صحت کے فریبوں کو مٹاتا ہے منطق عقل کے لئے اہلک ہے۔ اور وجدان عقل کے لئے مجلی۔
۱۰۰۱۹۳

فلسفہ شیان کی حقیقت کا محسوس ہے۔ اور حقائق پر محیط ہے۔ پھر فلسفہ جس کی تلاش میں گم ہے وہ وجدانی دنیا ہے۔ اور وجدانی دنیا ہی کا دوسرا نام فلسفہ ہی ہے۔ اس لئے شاعر جو اپنے فکر کی قوت احساس کی ذکوت اور خیال کی رفعت کے باعث وجدانیاں ہی کی ترجمانی کرتا رہتا ہے۔ ہر حقیقی اور ہر فلسفی سے افضل و اشرف ہے!

ایک فلسفی کی نگاہ کے سامنے جب کوئی چیز آتی ہے۔ تو وہ بالکل اجلی اور جاہل ہوتا ہے۔ اور ایک شاعر کے سامنے جب کوئی چیز آتی ہے۔ تو وہ معلوم شدہ اور پختہ نقاب آتی ہے۔ فلسفی ڈھونڈتا رہتا ہے۔ اور شاعر پہچانتا رہتا ہے۔ اوہ منتشر حقیقتوں میں ربط و ربط دے کر ایک حقیقت الحقائق مان لیتا ہے۔ اور یہ حقیقت الحقائق کے اس نقاب کو اپنے پہلو میں دیکھتا ہے۔ جس کی شعاعوں کو حقائق عالم سے تعبیر کیا جانا چاہئے! اس کا منتہائے نظر ایک نقطہ تاریک و مجہول ہے۔ اور اس کا مطمح نگاہ یکسر نور!!

ہر علم کا موضوع ہوتا ہے۔ شاعری کا موضوع اسلقصاء "حسن و عشق" ہے۔
 حسن موجودات کے ایک ایک ذرہ سے جھانک کر صاعقہ افگنی کر رہا ہے۔
 اور عشق کی خانماں سوزی کے شعلے فضا میں بھڑک رہے ہیں۔ شاعری
 کے مسلمات ہیں۔ جیسے ہر علم کے بعض مسلمات ہوا کرتے ہیں۔ شاعری
 فضا میں پھیلی ہوئی ہے۔ ہوا کے جھونکے اُس کے نعرے سے لبریز ہیں۔
 بادلوں سے برستی اور سبزہ کے ساتھ روئیدہ ہوتی ہے۔ وہ "حسن" سے
 اٹھکھیلیاں کرتی اور محبت بھرے دلوں سے کھیلتی ہے۔ ساری دنیا
 اُس کا نشیمن ہے۔ اور شعرا کی قوت فکر اُس کا مرکب "موسیقی" اور
 "ادب" اُس کےلبوس ہیں۔ اور وہ اکثر انہیں نقابوں میں جلوہ نما
 ہو جایا کرتی ہے، وہ جس کو چاہے ہو مرنے والے۔ اور جس کو چاہے
 شیکسپیر۔ امرام القیس ہو یا ابو نو اس۔ کالی داس ہو یا حافظ شیراز
 جس پر اُس کا پر تو نور پڑ گیا۔ سحر بیانی کا خداوند ہو گیا۔ وہ تقسیم اقوام
 ولسنہ و جغرافیہ سے بے پروا ہے۔ ہندوستان میں بھی عربی و لفظی
 کے بعد اُس نے میر تقی میر سے گزر کر مرزا اسد اللہ خاں غالب کو اپنے
 ظہور کے لئے چنا۔ اور اردو کو نوازا۔

پھر غالب نے بھی اس کی ایسی صیغ اور پرجوش ترجمانی کی، کہ تمام
 دنیا میں کم از کم اپنی صدی کی دوسری آوازوں کو افسردہ کر دیا۔
 گو ساری دنیا کو موقع نہ ملا ہو۔ کہ غالب کی آواز سننے، یہ دنیا کا قصور
 ہے۔ غالب کا نہیں، اُس کے خیالات تو کُہ ارض کے تمام دفاتر

ادب کے لیے رائے تازہ ہو سکتے ہیں۔

مرزا اسد اللہ خاں غالب۔ وہی غالب جن نے آب سے تقریباً
ایک صدی پیشتر اردو شاعری میں، اپنی ندرتِ نخیل و مضامین، اپنی
جدتِ اسلوب و ادا، اپنی نہایت تشبیہات و استعارات اور شوکتِ
تراکیب و الفاظ سے، ایک ایسا باب کھول دیا جس میں گویا ایک
نئی دنیا نظر آنے لگی۔ یہ ارتقاء شعر کی ایسی کڑی تھی، جو اس وقت تک
آخری بھی جا رہی ہے۔

ایسے کلام کی اشاعت کا قدرتی نتیجہ اس طرح ظاہر ہوا۔ کہ اہل
تقدیر نے تنقیدی نگاہیں ڈالیں۔ سطح آشنا آنکھیں مطالب کی گہرائیوں
تک کام نہ کر سکیں۔ انہوں نے جدت کو، مہول، مضمون آفرینی کو،
کوہِ کندن و گاہِ بر آوردن تراکیبِ بلخ کو، گورکھ و مہندرا، شوکت
الفاظ کو اغلاق، کہہ کر پکارا، لیکن ابتداء و مغلجی اذعان ہے۔ چنانچہ
ایک مدت کے بعد ایک بڑا طبقہ ایسا پیدا ہو گیا۔ جس نے تعمقِ فکر سے
کام لیا۔ اور دنیا سے اردو اس کلام کی تحسین و داد کے آوازوں سے
معمور ہو گئی۔ اور آج اس تحسین میں کافی بلند آہنگی پیدا ہو چکی
ہے۔ اور خیال ہے کہ اردو کا ذوقِ شعر جس قدر بلند ہوتا
جائے گا، غالب کی شاعری کے محاسن زیادہ نمایاں اور ششوس
ہوتے جائیں گے۔ اس وقت بھی عام طور پر اس کو غیر معمولی

شاعر سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اس خصوصیت کا عام سبب محض اعترافِ کمال ہی نہیں ہے، بلکہ اس میں بیشتر حصہ صرف اس اعتراف کا ہے۔ کہ وہ بہت مشکل نگار تھا۔ اور چونکہ خصوصیت کا یہ اعتبار اعترافِ کمال کے ساتھ غلط سا ہو گیا ہے۔ اس لئے یہ کہنا پڑتا ہے کہ اُس کی فوقیت محض کو عام طور پر تسلیم کئے جانے کے لئے ابھی کچھ اور وقت درکار ہے۔

اسی مشکل نگاری کے یقین کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے اُس کے کلام کی شرحیں تالیف کیں، اور اکثر یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ اس کے ہر شعر پر، خواہ وہ اشکالِ لفظی اور عقودِ معنوی سے پاک ہی کیوں نہ ہو، تاویلی نظریں ڈالی جاتی ہیں۔ اور طرح طرح کی معنی آفرینیاں کی جاتی ہیں۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو غالب کے سارے مروجہ دیوان میں، مشکل سے پندرہ بیس ہی شعر ایسے ملیں گے۔ جن کو مشکل کہا جاسکتا ہے۔ اور اُس کے دیوان کے بیشتر حصہ کو طلسمِ اشکال قرار دے دینا بڑا ہی ظلم ہے۔

غالب کے کلام کو مشکل قرار دینے جانے کا ذمہ وار غالب کا کلام نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اُس میں مشکل کو دخل ہی نہیں ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ غالب کے دور کی عام اردو اُس اعتلائے خیال اُس رفعتِ فکر، اُس وسعتِ مطالب، اُس کمالِ مطابقتِ تشبیہات اُس بلاغتِ استعارات، اور اُس خاص اسلوبِ ادا و شیوا پر

ایک وہ "انانیت" ہوتی ہے جو راہ میں "سنگ گراں" ہوتی ہے۔
 کیونکہ اس کی بنیاد احساسِ ماسوا پر ہے۔ دوسری وہ "انانیت" ہے
 جو "عینیت" پر منحصر ہوتی ہے۔ اس "انانیت" سے غفلت، گم گشتگی
 ہے۔ اور حق عرفِ نفس۔ فقہ عرفِ فاسرہ میں معرفت
 نفس سے اسی "انانیت" کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ اور اسی
 "انانیت" کا غلبہ منصور سے انا الحق کہلا دیتا ہے۔ تاہم اتنا ضرور
 سمجھ لینا چاہئے کہ :-

اتنا ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بے غور ہے
 جتنا کہ وہم غیر سے ہولناک و تاب میں

لیکن توحید میں کمال، کمالِ اخلاص سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے
 یہی سمجھنا چاہئے کہ :-
 ہر چند ہر ایک شے میں تو ہے پر تجھ سے تو کوئی شے نہیں ہے

معرفتِ نفس سے معرفتِ رب حاصل ہونا تو مسلم تھا ہی، غالب
 نے اسی کے ساتھ ایک صحیح حدتِ فکر سے ایک دوسرا پہلو معرفتِ
 رب کا بیان کیا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ فنا سے
 نفس سے بھی وہی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اور غفلت بھی مبادی
 فنا میں سے ہے :-

اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو آگہی گر نہیں، غفلت ہی سہی

برکے جو عالم خارجی کا وجود داخل نفس میں دیکھتا ہے۔ وہ شاید
اپنے فلسفہ کو اتنا ملخص اور مستدل بیان کرنے پر قابو نہ رکھتا ہو مگر غالب
اپنی حقیقت آگاہی کو اتنی قوت سے بیان کر سکتا ہے :-
باوجود کجیاں ہنگامہ پیدا کی نہیں
ہیں چراغانِ شبستانِ دل پروانہ ہم

ایک شعر میں، اپنی انانیت کے فنا کو کن الفاظ میں ادا
کرتا ہے :-

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی کچھ ہماری خبر نہیں آتی

جس طرح توحید میں کامل اخلاص کی ضرورت ہے۔ اسی طرح
عبادات میں اخلاص کا زبردست معیار ہے۔ حافظ شیرازی نے
ایک شعر میں اس خیال کو اس طرح ادا کیا ہے :-

حافظ و طیفہ تو دعا گفتن ہست و بس

در بندِ این مباحث کہ نشیند یا شنید

غالب اسی خیال کو اس طرح ادا کرتا ہے :-

کیا زہد کو ماتوں کہ نہ ہو گھر رہائی پاداشِ عمل کی طمع خام بہت ہے

اور
طاقت میں تار ہے نہ سے ونگیں کی لاگ
دو تار میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو

آفتاب کی طرف کون دیکھ سکتا ہے۔ جمال کی شدت آنکھوں
کے لئے حجاب ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جلوۂ حلیب کے دیدار میں
برق نظارہ سوز ہی ناکامی دید کا سبب بن جاتی ہے۔ یہی مضمون
ہے جو اس طرح ادا ہوا:-

ناکامی نگاہ ہے برق نظارہ سوز
تو وہ نہیں کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی

اور

نظارہ کیا حریف ہو اس برق حسن کا
جوش بہار جلوہ کو جس کے نقاب ہے

حیات انسانی کی ساری مسترتوں کی بنیاد آرزو پر اور آرزوؤں کا
انحصار اُمید پر ہے۔ اور مایوسی کا ایک سالس بھی ہلاکت نامزدی
سے کم نہیں:-

نفس نہ انجمن آرزو سے باہر کھینچ
اگر شراب نہیں انتظار سا غریب کھینچ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱	نقش فریادی ہے کس کی شوخی و تحریر کا	۱	کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا
۲	کا و کا و سخت جانی ہائے تنہائی نہ پوچھ	۲	صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا
۳	جذبات ہے اختیار شوق دیکھا چاہتے	۳	سیلئے شمشیر سے یا ہر ہے دھم شمشیر کا
۴	آگہی دام شنیدن جقدر چاہے بچھائے	۴	بدعا غنقا ہے اپنے عالم تقریر کا

۵
بکہ ہوں غالب سیری میں آتش نیرا
موسے آتش دید ہے حلقہ مری زنجیر کا

(۱) "نقش" تحریر، تصویر "فریادی" پیکار سے والا، گلہ کہنے والا، زبان حال، دلیل، ثبوت، منظر، شوخی، تحریر، رنگینی، تحریر، عنوت، تحریر، کمال مصوری، "کاغذی پیرہن" بمناسبت فریادی، فریادیوں کا لباس لباس عجز، پابلوس فنا، مودے بود، ہستی بے ثبات، ظہور فانی "پیکر تصویر" تصویر کی ہیئت کذا، نقش و تحریر کی وہ خاص کشمکشیں اور رسمیں جن سے صورت تصویر متشکل ہوتی، قالب، خاکہ، قیود ابغاد نقش، تحریر اور تصویر یا عموم کاغذ پر بنائے جاتے ہیں، نقش و نگار سے کاغذ کی سادگی میں شوخی و رنگینی پیدا ہو جاتی ہے۔ رنگینی و شوخی، مصور و محرر کی ذہنی رنگینی و شوخی کی خارجی پر تو ہوتی ہیں

گویا تصویر ہر زبان حال تحریر اور گویائی ظہور کمال، مصور کا ذکر کرتی ہے یعنی نقش بلباس کاغذی کس کی بیداد تحریر کا فریادی ہے؟ یا تصویر اپنی سادگی (کاغذی پیرہن) میں کس کی رنگینی ظاہر کرتی ہے؟ یا تصویر اپنی سادگی، بے ثباتی، اور کاغذی ہستی پر کس سے داد طلب ہے؟ یا آدمی (نقش)، باوجود حیات مستعار (کاغذی پیرہن) کس کی صحت و اعجازِ خلائی (شوخی تحریر) کا ثبوت (فریادی) ہے؟ یا آدمی، اپنے مصائب گرد و پیش (کاغذی پیرہن) پر کس کا تب تقدیر (شوخی تحریر) سے شاکی (فریادی) ہے؟ یا آدمی باوجود اپنی نمودیہ بود (کاغذی پیرہن) کے کس کرشمہ ایجاد (شوخی تحریر) پر دلالت کرتا اور ثبوت لاتا (فریادی) ہے یا یہ جسم فنا ہوا ہے، یہ ہوا ہے شعیف البیان یہ قالبِ خاکی یہ کالیدِ عنصری (تصویر بہ پیرہن کاغذی) کس کے دستِ رنگین کی صنعتِ طرازی (شوخی تحریر کا) مناسق و مصنوع ہے۔ یا یہ مظهرِ نقش (بایں ظہورِ فانیہ انسانیہ) (کاغذی پیرہن) کس کے جمالِ حیات (شوخی تحریر) سے دست و گریبان (فریادی) ہے؟ اس نقش (پیرہن کاغذی) میں جو عندلیبِ نالائ (نقش) ہے وہ کس گل (شوخی تحریر) کے شکوہ و شکایات (فریادی) کرتی ہے؟ شعر میں جو استقامت ہے وہ اشارہ ہے، جو اب صریح کی جانب، اور اس قسم کے تمام سوالات جن کا جواب ایک ہی بدیہی اور بلندی ہوتا ہے، حسنِ کلام میں داخل ہیں۔ اور اگر غور کیا جائے تو استاد کا یہ شعر

مولانا رومیؒ کی "بشنواز" نے "والی، پوری حکایت کا مرادف ہے اور قطع نظر اس حکیمانہ و متصوفانہ مفاہمت کے اپنے شاعرانہ انداز میں تمام حکایت "نے" کی جامعیت رکھتا ہے جن لوگوں نے قصہ کی وحشت یا کم غوری سے کام لیا ہے وہ اس شعر کو بھل قرار دیتے ہیں۔

(۱۲) "کاڈ کاڈ" کاوش و تلاش، تکرار لفظی سے تلاش و کوشش کا مفہوم پیدا کیا ہے۔ "جوسے شیر" دودھ کی تھری تلچ قندہ فراد۔ فراد کا گوہ کنی سے معروف اور گوہ کن سے ملقب ہے اور تلچ سے "کاڈ کاڈ" "سخت جانی" شب تار یکا یک تنہائی پہاڑ کے کاٹنے "جوسے شیر" (جس میں) سپیدہ سحر یا خط ایض سحر سے تشبیہ ہے) وغیرہ میں شاعرانہ رعایتیں پیدا کر دی ہیں۔ یعنی ہم اپنی کیا کاوشیں بیان کریں کہ شب بھر و تنہائی کی صبح، اس مشکل سے ہوتی ہے گویا صبح کرنا شام کالانا ہے جوسے شیر کا!

(۱۳) شوق شہادت کی پیکشش اور تسخیر بھی قابل دید ہے کہ تلوار خود بڑھ بڑھ کر ہمارے ہاتھ آتی ہے۔

(۱۴) "آگنی" عقل، "سچو" دھرم، "دھم" جہاں، "عقلا" رعایت سے استعمال ہوا ہے "شیدین" شہنا۔ دایم شنیدن۔ پھسانا، غور کر کے سننا، سمجھنے کی بے حد کوشش کرنا۔ "عقلا" پرند ہے جس کا وجود اذان میں فرض کر لیا گیا ہے۔ اور خارج میں کوئی وجود نہیں، معدوم "عالم" دنیا، حالت عقلا

کی رعایت سے، نرا اندر استعمال ہوا ہے۔ "تقریر" گفتگو کا دعاء
مطلب۔ یعنی ہماری گفتگو میں مطالب ہی نہیں، کوئی کتنی
ہی سمجھنے کی کوشش کرے، سمجھ نہیں سکتا، یا ہم جس عالم حال
کی باتیں کرتے ہیں ان کو اہل ظاہر و قال اپنی ان عقلوں سے
سمجھ ہی نہیں سکتے!

(۵) "اسیری" گرفتاری، پابہ زنجیر ہونا۔ "آتش زیر پا" بیقرار یا
بے چینی سے قدم نہ تھمتا۔ "موسے آتش دیدہ" آگ پر تپا ہوا
بال ایک تمثال ہے۔ یعنی کمزور و بچہ۔ "حلقہ زنجیر" زنجیر کی کڑی
کڑی اور موسے آتش دیدہ میں تشبیہ ہے۔ "آتش زیر پا" اور
آتش دیدہ رعایات لفظی ہیں۔ مطلب یہ ہے باوجود اسیر و پابہ
زنجیر ہونے کے، میری بتیابی یا وحشت خراعی کا یہ زور ہے
کہ زنجیر کی کڑیاں ایسی کمزور ہو کر ٹوٹ جاتی ہیں، جس طرح
موسے آتش دیدہ!

۱	عمرانگریہ تنگی چشم سود تھا	۱	جز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار
۲	ظاہر ہوا، کہ داغ کا سرمایہ دور تھا	۲	آتش تنگی نے نقش سویدا کیا درست
۳	جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں تھا نہ سود تھا	۳	تھا خواب میں خیال کو بچہ سے معاملہ
۴	لیکن یہی، کہ رفت گیا، اور لہو تھا	۴	ایسا ہوں کتبہ غم دل میں سبق ہموار
۵	میں ورنہ ہر لباس میں تنگ وجود تھا	۵	تھا نیا کفن نے داغ عیوب پر سنگی
تیشہ بغیر، مرنے کا کوئی حق، اسد		۶	
سرگشتہ خمار و سوم و قیود تھا			
(۱) "بروئے کار نہ آیا" مقابل نہ ہوا۔ یا عشق نہ کیا۔ چشم سود			

حاسدوں کی نظر، جو کسی کو دیکھ ہی نہ سکے۔ بادی النظر میں شعر کے
 معنی صاف ہیں کہ سوائے قیس کے کوئی مرد میدانِ عشق نہ ہو سکا،
 شاید صحرانصرانی (عشق) نگاہِ حود کی طرح تنگ تھا، لیکن
 یہ معنی واقعیت کے اعتبار سے صحیح نہیں ہیں، بلکہ مصرعہ اول میں
 استفہام انکاری ہے، اور صحرانصرانی مراد وادیِ نجد ہے
 مطلب یہ ہے کہ کیا سوائے قیس کے کسی کو عشق ہی نہیں ہوا؟
 (غلط ہے) (۱) (۲) وادیِ نجد چشمِ حود کی طرح تنگ سی
 (کہ وہاں کوئی دوسرا عاشق نہ ہوا)

(۳) "آشنائی پریشانی، الجھن۔ نقش سویرا" نقطہ قلب کے نقوش۔
 یہ تو ظاہر ہے، کہ نالہ و آہ، پریشانی کے آثار ہیں سے ہیں۔
 شعراء آہ کے ساتھ دو آہ لکھا کرتے ہیں مطلب یہ ہے کہ
 پریشانی کی آہوں سے نقطہ قلب (سویرا) کا نشان گہرا ہو گیا
 اور یہ ظاہر ہو گیا کہ وارغ کی ہستی دو پر قائم ہے!

(۴) (۵) ہذا پر تو شعر صاف ہے۔ لیکن "خواب" سے مراد خوابِ ہستی
 ہے، اور خیالِ معنی وہم۔ "جب آنکھ کھل گئی" یعنی جب یہ خوابِ
 زندگی ختم ہوا، یا جب "قبا فی الذات" ہوئے۔ "سود و زیاں"
 معاملہ کے تلامذات میں سے ہیں۔ "تہ زیاں تھا نہ سود تھا" یعنی
 جیسے تھے ویسے ہی رہے۔ شاعر نے معاملہ کے تلامذات میں
 "من و تو" کا مفہوم ادا کیا ہے، معنی یہ ہیں، کہ "من و تو" کا انحصار
 خوابِ ہستی کے احوال پر تھا، جب قبا فی الذات ہوئے، تو جیسے
 تھے ویسے ہی رہے (الآن کہا کان)!

(۴) مکتب "سبق" گرفت و بود (گویا ابتدائی درس) سببِ عیادت
نقطی ہیں، مطلب ہے کہ میں ابھی تک دل ہی کا ماتم کر رہا ہوں
کہ کبھی میرے پاس بھی دل تھا، اور (ماتے) کہیں جا تا رہا
(گویا مدارجِ عشق کی ابتدا ہے)

(۵) کفن نے، انسانیت کے دامن پر جو غیب میرے وجود سے
تھے آن پر پردہ ڈال دیا، ورنہ میں اپنی ہستی کے تمام سیکروں میں
"ہستی مطلق" کے لئے باعثِ ننگ و عار تھا۔ یا ظہورِ ذات کی جو
عریانی تنزلات یا اعتبار میرے تھی، میری موت نے اس ننگ
نمود کو مٹا دیا کہوتک میں بچا ہے خود ہر عالم و حیثیت میں "وجود مطلق"
کے لئے عار و ناموزوں تھا!

(۶) تیشہ "نیچہ کوہین، فریاد" سرکشہ "خمار" سرشارِ مست نشا
سکرے فاترِ العقل، رسوم و قیود "خیر فطری" پابندیاں اور فرائض
آدمیوں کے اختراع و اختیار کئے ہوئے وہ دستور جن کو
اگر ترک کر دیا جائے تو کوئی نقصان نہ ہو، اور جن کی بجا آوری
بے سود و بے نتیجہ ہو، مطلب ہے کہ فرما دی عقل میں سکرِ رسوم
و قیود کا فتور تھا، کہ اپنی ہلاکت کے لئے، تیشہ کا التزام کیا،
حالانکہ عشاق کی ہلاکت کے لئے کسی آلہ جارحہ کی ضرورت
نہیں، بلکہ ایک آہِ حسرت و یاس، ایک نالہ جگرگداز اور ایک
غمرہ چشم کافی ہے!

کہتے ہوتے دیں گے ہم دل اگر پڑا پایا	۱	دل کہاں کہ کم کیجے، ہم نے مدعا پایا
عشق سے طبیعت نے زیست کا مزایا پایا	۲	درد کی دوا پائی، درد سے دوا پایا

۳	آہ بے اثر دیکھی، نالہ نارسا پایا	دوستدار دشمن ہے، اعتمادِ دل معلوم
۴	حسن کو تغافل میں، جرات آزمایا	سادگی و پرکاری، بخود ہی و ہشیاری
۵	خوں کیا ہوا دیکھا، گم کیا ہوا پایا	غنجہ پھر لگا کھلنے، آج ہم نے اپنا دل
۶	ہم نے بار بار ڈھونڈا، تم نے بار بار پایا	حالِ دل نہیں معلوم، لیکن اس قدر یعنی

شورِ ہندِ نارح نے زخم پر نہک چھڑکا
آپ سے کوئی پوچھے، تم نے کیا منزایا

(۱) یعنی تم جو خود بخود کہہ رہے ہو کہ ”دل اگر پڑا پایا تو ہم نہ دیں گے“ اس تمہارے کہنے سے، ہم سمجھ گئے کہ یا تو دل تمہارے پاس موجود ہے اور یا دل لے لینے کی خواہش ہے، جس کو اس طرح ظاہر کیا جا رہا ہے۔

(۲) صوفیاء اور شعراء بعض اوقات زندگی کو سلسلہ در در سمجھتے ہیں اور یہ ہی مسلم ہے کہ عشق سے زندگی خوشگوار ہو جاتی ہے۔ حالانکہ عشق بھی ایک قسم کا درد اور المیہ لا علاج ہے۔ شعر میں اس مضمون کو اس طرح ادا کیا ہے، کہ عشق سے طبیعت کو زندگی میں لطف حاصل ہونے لگا، گویا، یہ ”دردِ بے دوا“ (عشق) دردِ زندگی کے لئے دوا ہو گیا ہے۔

(۳) مطلب ہے کہ دل پر بھروسہ فضول ہے۔ آہ بے اثر ہے اور نالہ نارسا، اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ (دل) بکھوت رقیب کا دوست ہو گیا ہے۔

(۴) مطلب یہ ہے کہ وہ تغافل کر کے ہمارے صبر و ضبط کو آزمانا چاہتے ہیں، اور اس طرح اُن کی چالاکي کس قدر بھولے پر ہوتی ہے

کیونکہ ہم باوجود بخودی آتنا تو سمجھ ہی رہے ہیں کہ اس تعاقب سے
 ہماری آزمائش منظور ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ وہ تعاقب اس لئے
 کر رہے ہیں کہ ہماری جرات عشق کو آزمائیں، اور ہم
 بخودی میں بھی اتنی عقل رکھتے ہیں کہ اس پر کاری کو جسے وہ
 نہایت سادگی کے ساتھ پیش کر رہے ہیں سمجھ لیں دچنانچہ اب
 جرات عشق دکھائے ہی دیتے ہیں اور بڑھ کر ان کا دامن
 تمام لیں گے اور پوچھیں گے کہ آخر عشاق سے یہ سب پر وانی
 کیوں فرمائی جا رہی ہے)

(۵) ”غنجہ کھلنا“ گویا شکوفہ کھلنا یا شکوفہ چھوڑنا،
 نرالی بات کرنا، یا فتنہ پیدا کرنا، محاورہ ہے۔ بقول شاعر
 کبھی بن سنور کے جوائے تو بہار حسن دکھا گئے + وہ نیا شکوفہ کھلا گئے
 مرے دل پہ داغ لگا گئے۔ ”تو کیا ہوا“ مبتلائے عشق اور
 کشتہ حسن ہونا مراد ہے مطلب ہے کہ آج پھر وہی فتنہ
 بیدار ہوا اور ہمارا دل جاتا رہا۔

(۶) یعنی دل کا (اور کچھ) حال (تو) معلوم نہیں، مگر (راتنا جانتا
 ہوں کہ) میں نے جب ڈھونڈا تو تمہارے پاس نکلا۔

۱	دل مرا سوز نہاں سے بے محابا جل گیا	۱	آتش خاموش کے مانند گویا، جل گیا
۲	دل میں ذوقِ وصل و یادِ یاز تک باقی نہیں	۲	آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جوتھا، جل گیا
۳	میں عدم سے بھی پیسے ہوں ورنہ غافل بار	۳	میری آہ آتشیں سے پال غنقا، جل گیا
۴	عرض کیجے جو ہر اندیشہ کی گرمی کہاں	۴	کچھ خیال آیا تھا وحشت کا، کہ مہر، جل گیا
۵	دل نہیں، تنجکود کھاتا ورنہ داغوں کی بہا	۵	اس چراغان کا کروں کیا، کار فرما، جل گیا

میں ہوں اور افسردگی کی آرزو غالب کہ دل
دیکھ کر طرزِ تپاک اہلِ دنیا جل گیا

۶

۱) "سوزِ نہاں" کی رعایت سے "آتشِ خاموش" لائے ہیں۔ اور
"سوزِ نہاں" کو "آتشِ خاموش" سے تعبیر کرتے ہیں۔ "بے محایا"
کھلم کھلا۔ بلا پس و پیش۔ "نہاں" "بے محایا" "خاموش" اور گویا "تمام
الفاظ میں رعایتیں ہیں۔ مطلب صاف ہے۔

(۲) "آگ" سے "آتشِ عشق" مراد ہے، اور اس گھر کا اشارہ دل
کی طرف ہے۔ اس شعر میں عشق کے اُس مقام کی طرف اشارہ
ہے جب امید و یاس وصل و بھڑ، یاد و محبوب، غرض کہ کسی جذبہ کا
احساس باقی نہیں رہتا، اور یہ وہ مقام حیرت و عالمِ فراموشی ہے
کہ اسی کے بعد انا المحبوب یا انا المحب کی کیفیت طاری
ہوتی ہے۔ شعر کا مطلب صرف یہ ہے کہ اب نہ تو ذوق وصل
باقی ہے نہ یاد و ورت۔ اس گھر میں عشق کی آگ ایسی لگی، کہ
سب کچھ جل گیا۔

(۳) "عنقا" ایک معدوم پرند کا مفروضہ نام ہے۔ یہاں "عدم"
سے متصوفانہ عقیدے کے موافق، "مقام فنا" مراد ہے جہاں
سائل کی ذاتیت اور نفسیت باقی نہیں رہتی اور خودی و اتاثریت
مثلاً "بقا باللہ" کے حدود میں داخل ہوتا ہے چنانچہ شاعر
اس شعر میں اس خیال کو ادا کرتا ہے کہ میں عدم یعنی فنا سے
گذر چکا ہوں اور بقا کے مرا تپا پر پہنچ گیا ہوں "دوسرا مصرعہ"
ایک شاعرانہ دلیل اور ثبوت ہے کہ جب میں مقام فنا میں

تھا تو میری آہ آتشیں سے ہمیشہ بال غنقا جلتا رہا ہے اور آب
 اس سے گذر گیا۔ کیونکہ آب آہ آتشیں بال غنقا کو نہیں جلاتی۔
 شعور پر اگر نظر غائر ڈالی جائے تو مفہوم زیادہ بلیغ ہو جاتا
 ہے، یعنی صوفیائے کرام اور شعرا کے متصوف ہستی اور
 موجودہ حیات کو موموم و کالعدم یقین کرتے ہیں، اس لئے
 معدوم کی ہریات معدوم ہونی چاہئے، گویا ان کی آہ کی
 تاثیر بھی معدوم اور شے معدوم پر ہونی چاہئے، آب مطلب
 یہ ہوگا کہ میں آب عدم سے گذر چکا ہوں، یعنی جب میں عدم میں
 تھا تو میری آہ آتشیں سے بال غنقا جلتا تھا اور بال غنقا
 جلتا بالفاظ دیگر یہ کہ آہ آتشیں میں کوئی تاثیر ہی نہ تھی،
 جس کے یہ معنی ہوتے کہ جب میری آہ آتشیں سے بال
 غنقا جلتا تھا تو میں خود ہی معدوم تھا اور آب تو میں اس سے
 پرے ہوں، اور وجود ہستی و بقا اور اثر غیر فانی رکھتا ہوں
 یا شر کا مطلب یہ ہے کہ پہلے میری آہ کا اثر یہ تھا کہ اس سے
 بال غنقا جلتا تھا اور آب تو وہ بال غنقا بھی نہیں جلتا، گویا
 پہلے اگر تاثیر اتنی تھی تو آب وہ بھی نہ رہی اور میری پہلے اثری
 بے ثباتی اور نیستی اس حد تک پہنچ گئی کہ عدم سے بھی
 گئی گذری ہو گئی۔

۴۴) ”عرض کیجئے“ پیش کیجئے۔ ”جو ہر اندیشہ“ جو ہر رائد استعمال
 ہوا ہے ”اندیشہ“ خیال و فکر شعریں مبالغہ عادی سے
 کام لیا گیا ہے.... یعنی میں اپنی گرمی اندیشہ کو کہاں لجاؤں

جس کے سوز کا یہ عالم ہے کہ وحشت کا خیال آتے ہی
محو اجل گیا۔

(۵) دل کے داغوں کی تشبیہ چراغاں سے دیکر "کار فرماستے
چراغاں" دل سے استعارہ کیا ہے۔ شعر کا انداز ادا خوب
ہے، کہ دل کے جل جانے کا ذکر داغوں کی بہار دکھانے کے
ضمن میں کر دیا ہے۔

(۶) یعنی میں جو ہمیشہ زندہ دل رہتا تھا، اب اہل زمانہ کی سرد
مہربانیوں سے تنگ آکر افسردہ دلی کا آرزو مند ہوں تاکہ کسی سے
ملنے کے قابل ہی نہ رہوں۔

۱	شوق ہر رنگ رقیب سرو سامان نکلا	قیس تصویر کے پردہ میں بھی عریاں نکلا
۲	زخم سے داؤد نہ دی تنگی دل کی یارب	تیر بھی سینہ لعل سے پراخشاں نکلا
۳	بوسے گل، نالہ دل، دود چراغ محفل	جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا
۴	دل حسرت زدہ تھا مادہ لذت درد	کام یاروں کا بقدر لب و دندان نکلا
۵	تھی نو آموز فنا، ہمتیت و بشوار پسند	نحت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آساں نکلا

۴ دل میں پھر کر یہ نے اک شورا ٹھایا غالب

آہ جو قطرہ نہ نکلا تھا، سو طوقاں نکلا

(۱) "شوق" عشق۔ "ہر رنگ" ہر طرح اور رنگ کے معنی شوق بھی
ہوتے ہیں۔ یہاں لفظ رنگ، تصویر کی رعایت سے بھی
استعمال ہوا ہے۔ "رقیب" حریف، دشمن مطلب یہ ہے
کہ عشق، ہر حال میں آرائش، تکلفات، اور ساز و سامان کا
دشمن ہے، تصویر اگرچہ نقش و رنگ سے بنتی ہے لیکن قیس

تصویر میں بھی جامہ دریدہ اور عریاں رہتا ہے اور تصویر
کی صنعت اس کے لئے باعث زینت نہیں ہوتی۔ سچ ہے
عشاق پر سوائے عشق کی بیرنگی سکے کوئی اور رنگ نہیں
چڑھتا۔

(۲) ”دادندی“ تلافی و بہمدی نہ کی۔ ”پرافشاں“ سرسیمہ
پھڑ پھڑاتا ہوا۔ یعنی پہلے دل تنگ تھا، خیال یہ ہوتا تھا کہ تیرے
زخم سے کشادگی پیدا ہوگی، لیکن تیر خود دل سے سرسیمہ ہو کر
نکلا، اور زخم سے بھی دل کی تنگی نہ گئی۔

(۳) بندش، اہتمام اور خیال کے اعتبار سے شعر عجیب و غریب
اور مشہور ہے۔ بوسے گل، نالہ دل اور دود چیراغ، تسمام
شاعرانہ اشیاء جمع کی گئی ہیں، پھر، بو، نالہ، اور دود
پریشان خاصیت چیزیں ہیں اور ان کا علاقہ محفل و بزم سے
ظاہر ہے۔ شعر کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ محبوب سے
خطاب کر کے شاعر کہتا ہے، کہ تیرے ستم کا یہ حال ہے کہ
جو تیری بزم سے نکلتا ہے وہ پریشان ہو کر نکلتا ہے دوسرا
مطلب یہ ہے کہ تیری بزم سے نکلنے کی وجہ سے مبتلا ہے
پریشانی ہوتا ہے۔

(۴) ”مائدہ“ خوان نعمت ”بقدر لب و دندان“ معمولی، سرسری
عارفی۔ لوگ عشاق کی ہنسی اڑایا کرتے ہیں، ان کی حسرتوں کی
تلافی نہیں کرتے بلکہ مضحکہ وغیرہ سے خود لطف اٹھاتے ہیں
اسی خیال کو اس طرح ادا کیا گیا ہے، کہ میرا دلی حسرت زدہ

یاروں کے لئے درد کی محض لذتوں کا خوان نعمت بن گیا،
کاش وہ خود، حسرت، درد اور محبت پیدا کرتے تو ان کو
حقیقی سیری میسر ہوتی، اس طرح تو معمولی، سہ سہری اور فارسی
لطف اٹھا لیا۔

(۱۵) "تو آموز" بتدی۔ ابتدا اور شروع میں، طالب کو عام طور پر
دقتیں معلوم ہوتی ہیں۔ شاعر کہتا ہے، کہ میری حالت عام
تو آموزوں کی سی نہ تھی کہ میں پہلے پہل، کوئی دشواری محسوس
کرتا، کیونکہ میری ہمت ہی دشواری پسند تھی اور جب میں نے
مقام فنا کو طے کرنا شروع کیا، تو مجھے دشواری یہ پیش آئی کہ
فنا سے گزرنا مجھے آسان معلوم ہوا، اور طبیعت کی مشکل پسندی
اور زیادہ مشکلوں کی جستجو کرنے لگی۔

(۱۶) یعنی، دل میں روئے کا ایک طوفان سا ہے، اور یہ طوفان
اشک کے ان قطروں نے اٹھا رکھا ہے جن کو ہم نے ضبط
کریں روکا تھا۔

۱	عشق نبرد پیشہ، طالبگار مرد تھا	۱	دلی میں مز گیا جو نہ باب نبرد تھا
۲	مرنے سے پیشتر بھی مرارنگ زرد تھا	۲	تھا زندگی میں مرگ کا کھکا لگا ہوا
۳	جموعہ خیال ابھی فرد فرد تھا	۳	تالیف نسخہ مائے وفا کر رہا تھا میں
۴	اس رنگیز میں جلوہ گل آگے گرد تھا	۴	دل تاجگر کہ ساحل دریائے خوبی ہے آب
۵	دل بھی اگر گیا تو وہی دل کا درد تھا	۵	جاتی ہے کوئی کشمکش اندر و پیش کی
۶	زندانی میں بھی خیالی بیاباں نور تھا	۶	احباب چارہ ساز تی وحشت نہ کر سکے
یہ لاشیں بے کفن اسد خستہ جاں کی ہے		۷	

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

(۱) یعنی عشق کے لئے بڑی بھارت چاہئے۔ اگر عشق میں آدمی مردانہ وار نہ ہو تو ہر مشکل و مصیبت کا خوف، عشق کو باطل کر دے۔

(۲) رنگ، آثارِ حیات میں سے ہے۔ زردی بھی رنگ کی ایک قسم ہے۔ جو مرد فی سے مشابہ ہوتی ہے۔ اور مرد فی کی زردی رنگ نہیں بلکہ بدرنگی ہے۔ خوف بھی رنگ زرد ہو جاتا ہے مطلب ہے کہ مجھ پر زندگی میں بھی موت کے خوف سے مرد فی چھاتی رہتی ہے!

(۳) "فرد فرد" ایک ایک۔ علاحدہ علیحدہ۔ مراد ابتدا سے ہے "مجموعہ خیال" سے عشق مقصود ہے مطلب ہے کہ میں ابتدا سے عشق ہی سے وفا پر رستہ تھا! یا۔ وفا سے عشق مراد ہے، اور مجموعہ خیال سے عام خیالات۔ یعنی ابتدا ہی سے میرے خیالات میں عشق کا میلان تھا! یا "مجموعہ خیال" سے عاشق کا نقطہ خیال بطور نظر یعنی معشوق مراد ہے، اور فرد فرد سے بیگانگی و نا اشنائی، تو شہر کے سے یہ ہوئے، کہ میں اس وقت بھی وفا شیوہ تھا جب کہ اس کو میرے عشق کی خبر تک نہ تھی!

(۴) یعنی دل سے جگرتیک ایک ساحلی دریائے خون ہے کبھی یہ مقام ایسی بہار کا تھا، کہ پھولوں کی آبی و تاب گویا بہاؤ کی گردش تھی مشکفہ خاطر ہی اور افسردہ دلی کا تذکرہ ہے۔

(۱۵) اندوہ "غم یعنی غم عشق کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا، دل اگر نہ رہے، تو دل کے جانے کا غم ضرور ہوگا، اور یہ یاد غم عشق کو تازہ کرتی رہے گی۔

۱	شمار سبجہ مرغوب بہت مشکل پسند آیا	تماشا ہے بیک کف بردن صدر دل پسند آیا
۲	فیض بے دلی تو میدتی جاوید آساں ہے	کشا نش کو ہم سارا عقدہ مشکل پسند آیا
۳	ہوائے سیر گل، آئینہ یہ مہر قی قاتل	کہ اندازِ بخوں غلطیدن بسمل پسند آیا

۴

جراحت تحفہ الماس از معانی غم جگر بدید
مبارکباد اسد غمخوار جان در دامنند آیا

۱۱ "شمار سبجہ" تسبیح پر صفار تسبیح یہاں ہم نے عام محاورہ کے موافق استعمال کر دیا ہے ورنہ تسبیح تو خود شمار سبجہ کو کہتے ہیں) "مرغوب آیا" اچھا معیار ہم ہوا۔ یہ بیک کف بردن صدر دل ایک ہی ماقص میں سودل آٹا لینے۔ سبجہ چونکہ عموماً سوداہ کی ہوتی ہے، اس لئے صدر دل ہستہ جمال کیا ہے۔ بہت "مشتوق" مشکل پسند سے مشتوق کا وصف اس لئے طے ہر کیا ہے کہ ایک دم سودل آٹا لینے کوئی آسان بات نہیں مطلب یہ ہے کہ بہت مشکل پسند کو سبجہ خوانی اس لئے پسند آتی، کہ اس سے اس کو "صدر دل بہ بیک کف بردن" کا تماشا نظر آیا!

۱۲ "میدتی"۔ افسردگی۔ نا امیدی جاوید۔ ہمیشہ کے لئے مایوس ہو جاتا "عقدہ مشکل" دل افسردہ سے استعارہ ہے "کشا نش" سے خود فعل کشا نش مقصود ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بے دلی کے فیض سے، مایوسی دوام، یکسر رہے۔ کیونکہ خود

کشائش کو میرے عقدہ کا مشکل ہونا، یعنی ناقابل حل ہونا پسند ہے!

(۱۳) ”ہو اسے سیر گل“ سیر یاغ کی خواہش ”آئینہ بے مہری“ نمود ستیم نگاری یعنی جس فعل میں، جفا کی جہلاک ہو۔ ”بسمل“ زخمی عشق سے استعارہ ہے۔ ”بخون غلطیدن“ خون میں لوٹنا۔ خون۔ اور رنگ گل میں مشابہت ہے گویا پھول بھی باعتبار رنگ کے بخون غلطیدہ ہیں۔ مطلب ہے کہ اُن کی خواہش سیر گل، اُن کی بے مہری کی دلیل ہے، کہ ان پھولوں کا رنگ پسند ہے جو خون بسمل کی طرح ہوتا ہے۔

(۱۴) ”جراحت“ زخم ”الماس“ شمشیر آب دار۔ تحقہ، ارمغان ہدیہ، مرادف الفاظ ہیں۔ ”غنجو ار جان درد مند“ محبوب شتم پیشہ کی آمد پر خود کو طنز آمیز کہا دے دی ہے۔

۱	ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندہ معنی نہ ہوا	۱	دہر میں نقش و فشا و چہ تسلی نہ ہوا
۲	یہ نہ مرد بھی حریف دم افخی نہ ہوا	۲	سبزه خط سے ترا کا کلی سرکش نہ دیا
۳	وہ ستمگر مرے مرنے بھی راضی نہ ہوا	۳	میں نے چاہا تھا کہ اندوہ جفا سے چھوٹوں
۴	گر نفس جاوہ سر منزل تقویٰ نہ ہوا	۴	دل گذر گاہ خیال سے وسوسا غریبی سی
۵	گوش منت کش گلیا نگ تسلی نہ ہوا	۵	ہوں تیرے عد نہ کرنے میں بھی راضی کہ بھی

۴ مر گیا صدر مٹیک جنبش لب غالب
نا توانی سے حریف دم علی نہ ہوا

(۱) ”لقش“ ”لفظ“ ”معنی“ سب رعایا ت ہیں۔ مطلب ہے کہ زمانہ میں وفاداری کی کوئی پرسش نہیں، اور یہ لفظ بے مصرف

ہونے کے سبب بے معنی اور بھل سا ہے۔ یا۔ وفاداری
کبھی منت کش اثر نہ ہوتی !

(۱۲) ”سبزہ خط“ کا کل زلف۔ سرکش و صف ہے زمرہ واقعی
تشبیہات ہیں۔ دوسرے مصرعہ میں زمرہ، سبزہ خط سے
اور واقعی کا کل سرکش سے استعارہ ہے۔ خاصہ یہ ہے، کہ زمرہ
کے پر تو سے، افعی اندھا ہو جاتا ہے۔ مراد ہے کہ سبزہ خط سے
زلف کا رنگ مانند نہ ہوا۔ یعنی سبزہ آغازی پر بھی اُن کی
معشوقیت کا وہی عالم رہا !

(۱۳) ”اندوہ جفا“ ستم مطلب ہے کہ میں نے تو چاہا تھا کہ وہ
جان ہی لے لیں تو آئے دن مکی ستم کشی سے نجات مل جاتے
لیکن وہ اس پر بھی راضی نہ ہوئے، کیونکہ وہاں روز کا شغل ہے
ایک ہی دن میں کیوں قصہ پاک کریں !

(۱۴) ”گزرگاہ“ رہتہ۔ جادہ۔ ”نفس“ سانس۔ مطلب ہے کہ
زندگی ہمہیزگاری کے مشاغل میں مصروف نہ سہی دل میں
سے وساغر کا خیال ہی سہی، کچھ سہی، ”آگئی گر نہیں غفلت
ہی سہی“ !

(۱۵) ”گوش“ کان۔ ”منت کش“ احسان مند۔ ”گلبا تاگ“۔ مُردہ
خوش خبری۔ ”یک جنبش لب“ ہونٹوں کی ایک حرکت۔ ”تا تو انی“
کنزوری۔ ”حریف“ مقابل۔ ”دم عیسیٰ“ حضرت عیسیٰ کا یہ مجرہ
مشہور ہے، کہ آپ مُردوں کو جلا دیتے تھے، شاعر ہمیشہ اس
تلمیح کو اپنے مضامین کا ماتم بنا لیتے ہیں، مطلب ہے کہ مرخص

عشق کے شعلے کا یہ عالم تھا کہ جنبشِ لب سے صد نثرِ روح فرما
پتچا، اور کام تمام ہو گیا، دم کرنے کی نوبت بھی نہ آئی
(یعنی کچھ پٹ نہ کر پھوٹنے کی نوبت بھی نہ آئی)

- ستائش گر ہے زاہد اس قدر جس بارغِ رفواں کا
(۱) وہ اک گلِ سنہ پختہ، ہم بخودوں کے طاقِ نییاں کا
بیاں کیا کیجئے بیداد کا و شبہاں سے مرگاں کا
(۲) کہ ہر اک قطرہٴ خونِ دانہ ہے تسبیحِ مرچاں کا
نہ آئی سطوتِ قاتل بھی مانعِ میرے نالوں کو
(۳) کیا دانتوں میں جو تینکا ہوا ریشہ نیستاں کا
دکھاؤں گا تماشا، دی اگر فرصتِ زمانہ نے
(۴) مرا ہر داغِ دل اک تجسم ہے سروِ چراغاں کا
کیا آئینہ حسانہ کا وہ نقشہ تیرے جلوہ سے
(۵) کرے جو پیرِ تو خورشیدِ عالمِ شہنشاہ کا
مری تعمیر میں مضمحل ہے اک صورتِ خرابی کی
(۶) بیویٰ برقِ خرمن کا ہے خونِ گرم دہقان کا
اگا ہے گھر میں ہر سو سبزہ ویرانی تماشا کر
(۷) مدارِ آبِ کھودنے پر گھاس کے ہے میرے درباں کا
خوشی میں نہاں خونِ گشتہ لاکھوں آرزوئیں ہیں
(۸) چراغِ مردہ ہوں میں لیے زیاں گورِ غریباں کا
ہنوز اک پرتوِ نقشِ خیالِ بارِ باقی ہے
(۹) دلِ افسردہ گویا چتر ہے یوسف کے زنداں کا

بغل میں غنیمت کی آج آپنا سوتے ہیں کہیں در نہ

سبب کیا خواب میں آکر تیشم لاسکتے پتھار کا

نہیں معلوم کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا

(۱۱)

قیامت ہے سرشک آلودہ ہوتا تیزی مرگیاں کا

نظر میں رہے ہمارے جادہ راہ فنا عالمیت

کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجڑائے پریشاں کا

(۱۲) "ستائش گر" مداح "یارِ رضوان" جنت "طاقِ نسیان"

اردو میں "طاق" پر رکھنا "یا" لاسے "طاق" محاورہ ترک

کرویتے یا بھلا دیشے کے معنے میں مستعمل ہیں۔ یہاں "طاقِ نسیان"

تاکید اور مبالغہ کے لئے لاسے ہیں۔ پھر باغ کا تحقیراً گلہ مست

بنا دیا ہے۔ "بخود" دیوانہ عشق۔ مطلب ہے کہ زباں جنت کی

اس قدر تعریف کرتا ہے، وہ ہم بخودوں کے طاقِ قمر ہوشی کا

ایک ٹکڑہ ہے۔ یا ہم جن بہارستانِ جن و عشق میں ہیں وہاں

جنت کو کون پوچھتا ہے!

(۱۳) "کاوش" کاوش کی جمع ہے۔ "کاوش" چھیدنا قطرہ خون

کی دانہ مر جاں سے تشبیہ ہے۔ گویا قطراتِ خون دانہ ہیں

اور "مرگیاں" رشتہ، جن سے ایک تسبیح تیار ہو گئی ہے۔

(۱۴) "سلطوت" رُعب "نیستان" وہ زمین جہاں ستم پیدا ہوتی ہے

"وانتوں میں تنکالینا" اظہارِ عجز و خوشامد۔ "ریشہ نیستان"

سے مراد ہے مطلب ہے کہ "عشق" کے رُعب کا اثر میرے

"نالوں" پر کچھ نہ ہوا، بلکہ میں نے مرعوبیت میں اظہارِ عجز کے لئے

جو تینکا دانتوں میں لیا، وہ میرے نالوں کے لئے گویا تھے کا
کام دینے لگا۔

رہم، "سرو چراغاں" چراغوں کے ایسے طریق نصب و آویزش
کو کہتے ہیں جو روشن کر دینے پر درخت کی شکل میں نظر آئیں
لفظ تنم، سرو کے تلامذہ سے استعمال کیا ہے اور تنم و داغ
میں مشابہت ہوتی ہے۔ "نالہ" کو شعراء "شریاز" کہا کرتے
ہیں۔ اس لئے ہر شریاز ایک چراغ ہے "داغ" غم و الم سے
پیدا ہوتا ہے، اور پھر داغ خود نالوں کا سبب بنتا ہے
قلب انسانی کی شکل بھی سر نہ کی سی ہوتی ہے، مطلب یہ ہے کہ
آئینہ نے اگر حسیلت دی تو اسی دل میں سرو چراغاں کا تماشا
دکھائے گا۔ میرے داغ دل کو داغ نہ سمجھو بلکہ وہ سرو چراغاں کا
نیک نم ہے۔

ایک شبنمستان جہاں بہت سے قطرات شبنم ٹھہر گئے ہوں۔
شبنم ہے کہ تیرے پر تو جمال نے آئینہ خانہ میں وہ عکس الم
پیدا کر دیا، جو آفتاب کے عکس سے شبنمستان میں ہوتا ہے
تیرے ہر طرح پر تو خورشید سے شبنم کا ایک ایک قطرہ چمک اٹھتا
ہے۔ تیرے شاخوں سے معمور ہو جاتا ہے، اسی طرح تیرے
پتوں سے آئینہ خانہ جگمگا اٹھتا یا سارے آئینوں کی صف اور
پیدا ہوتا ہے۔

تیسرے "تخریب" فلسفہ کی اصطلاحیں ہیں، جن کے معنی، کون
شمار بنانا، بگڑنا، بگاڑنا، یا فنا ہونا ہیں۔ "مفسر" پوشیدہ

یہاں "بیوی" بھی فلسفہ کا مصطلح لفظ ہے، معنی، مادہ یا جسمانیات کے ہیں "خرمن" (کھیتی) اور "دہقان" (مزارع) رعایات ہیں اصل میں یہاں "دہقان" حرارت غریزی سے اور "خرمن" حیات جسمانی سے استعارہ ہے۔ حرارت غریزی ایک حرارت ہے جو اطباء کی دانست میں باعث بقائے حیات ہے۔ خون کا مزاج بھی گرم بیان کیا جاتا ہے، یا خون کا ایک حصہ صلیغ تحلیل ہو کر حرارت بنتا ہے۔ یہی حرارت معاون حرارت غریزی یا خود حرارت غریزی ہے گو یا خون کا فنا (تحلیل) ہونا ایک ایسی حرارت کا باعث ہوتا ہے جس پر بقائے حیات کا انحصار ہے۔ پھر حرارت غریزی جو جسم میں قوت القوی کی حیثیت رکھتی ہے۔ دوسری تمام قوتوں کے تغذیہ وغیرہ کے لئے خون کو تحلیل کرتی اور بدل مایہ تحلیل بناتی ہے، یعنی خود اس کی ہستی کا مدار بھی تحلیل خون پر ہے، پھر وہ خود بھی خون کو تحلیل کرتی رہتی ہے، غرض کہ وہ خود نتیجہ تحلیل اور سبب تحلیل ہے، اس طرح دو تحلیلوں، یا دو گونہ فناؤں کے درمیان ایک عمل یا ایک ہستی ہے، جو مگر حیات جسمانی ہے اور مایہ تعمیر میں تخریب، یا تعمیر جسم میں تخریب کی صورت ہے! یہ ایک طبی استدلال ہے جس کو فلسفہ کی اصطلاحوں، اور شاعری کے استعاروں میں، انسان کی ہستی بے ثبات کی تشبیہ کے لئے بیان کیا گیا ہے!!

(۷) دربان کا کام یہ ہوتا ہے کہ غیر لوگوں کو گھر میں آنے سے

روشنی پھر عشاق جو کس ہوتے ہیں ان کے یہاں غیر تو غیر
 اپنے ہی نہیں آتے۔ جو سبزہ خود رہتا اور جگہ جگہ آتا
 ہے ان کو شعرا و سیرۃ بیگانہ کہتے ہیں۔ شعر میں دو قسم ہیں
 ایک کہ شاعر نے میرے گھر کوئی غیر و بیگانہ تو آتا نہیں البتہ
 میرے گھر کو آتا ہے۔ اسی کے کہودے میں دربان مہرشف
 کہتا ہے۔ دو سرے یہ کہ میرے گھر کی دیرانی کا یہ عالم ہے
 کہ میرے گھر میں آگ ہوئی ہے، اور بیگسی کی یہ حالت ہے کہ
 نہ کوئی آتا ہے نہ جاتا ہے۔ پس دربان سوائے اس کے
 کہ گھر میں کہودے اور کوئی نکاح ہی نہیں!

(۱۱) زبان کی تشبیہ چراغ یا شمع کی تو سے دی جاتی ہے، شمع
 ہو سے چراغ کو چرند یا شمع مژدہ یا شمع کشتہ، یا چراغ خاموش
 یا شمع خاموش، کہا جاتا ہے۔ اسی طرح خاموش و بے زبانی کی
 تشبیہ چراغ مژدہ یا شمع کشتہ یا شمع خاموش سے دیتے
 ہیں "خون گشتہ آرزو" اس آرزو یا تمنا کو کہتے ہیں جو پوری
 نہ ہوتی ہو اور دل کی دل ہی میں رہ گئی ہو اسی رعایت سے
 دل کو، یا پیکر عاشق کو گور غریباں سے تعبیر کرتے ہیں مطلب
 ہے کہ میری خاموشی میں لاکھوں آرزوؤں کا خون پوشیدہ
 ہے اور خود مجھ بے زبان کا وجود ایسا ہے جیسے گورستان کا
 سجھا ہوا چراغ۔

(۱۲) "دل افسردہ" کی تشبیہ حجرہ زنداں سے نہایت اچھی تشبیہ ہے
 قید خانہ کا حجرہ بھی تاریک اور بندھا ہوتا ہے اور افسردگی کا

خاصہ بھی یہی ہے کہ طبیعت متعین نہ ہو، الجھن ہو، شگفتگی نہ ہو،
اور امید کی کوئی جھلک نہ پائی جاسکے، بلکہ مایوسی کی تاریکی ہو،
لیکن اس شعر میں اتنا اضافہ ہے کہ دل افسردہ میں معشوق کا
کچھ تصور رہتا ہے اور معشوق کا سرسری تصور بھی مایوسی کی
ظہرت کے لئے کافی روشنی کا سبب ہے کیونکہ معشوق خورشید
بہال اور ماہ طلعت ہے اس لئے اس کا تصور اور خیال بھی
تاریکی کو باطل کرنے والا ہے، پس دل افسردہ تو ہے، لیکن کچھ
نقش خیال یا رہائی ہے اس لئے حجرہ زنداں تو ہے لیکن
یوسف علیہ السلام کا، حجرہ زنداں ہے۔

(۱۰) "بیتم ہائے پنہاں" حجاب آمیز مسکراہٹ۔ یا شرمناک
چپکے چپکے ہنسنے۔

(۱۱) "مرگان سرشک آلود" پلکیں، جو آنسوؤں سے تر ہوں مطلب
ہے کہ خدا جانے تیری پلکوں کو آنسوؤں میں ڈوبا ہوا دیکھ کہ
کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا، یا کس کس کی جان جاتی رہی
ہوگی، کیونکہ تیرا رونا بھلا کس سے اور کس جگہ سے دیکھا
جاسکتا ہے؟ — یا — نہ معلوم کیسے کیسے
بے گناہوں اور حرام نصیبوں کی ظالمانہ اور بے دریغ قربانی
اور خون فشانہ ہوئی ہوگی کہ بالآخر ظالم تیری آنکھوں میں بھی
آنسو آ ہی گئے!!

(۱۲) "نظر میں ہے ہماری" ہماری دانست یا ہمارے خیالی میں
ہے، یا ہم خوب سمجھتے ہیں۔ "اجزائے پریشان" کتاب کے بے سارے

ورق یا صفحہ۔ عالم کے اجزائے پریشان "کائنات و موجودات
یا کثیر التعداد نوعیتوں سے استعارہ ہے۔" شیرازہ "سلائی یا
جزو بندی۔" جادہ "خط راہ۔ جادہ، سلائی، یا تانگے میں مشابہت
ہے مطلب ہے کہ ہم جانتے ہیں، کہ دنیا کے اجزائے ممکنات
(یا اشیاء اور موجودات منتشر و متعددہ) کے لئے، جادہ
راہ فنا، مثل شیرازہ کے ہے، یعنی سب اسی راستے سے
گزرتے اور اسی خط پر جمع ہو جاتے ہیں! —

فی الحقیقت، فنا کسی نامعلوم عالم کا دروازہ ہے، کہ ہر موجود
و مرقی، محسوس و غیر مرقی شے کو بالآخر اُس میں داخل ہونا
پڑتا ہے، اور سب کا داخلہ ناگزیر و یکساں اور اسی دروازہ
اور ایک ہی عالم میں ہوتا ہے، پھر وہ عالم بھی کچھ ایسا کان
نمک ہے، کہ سب، ایک سے، اور ایک، اور وہیں کے

ہو رہتے ہیں!!

- نہ ہو گا یک بیاباں ماندگی سے ذوق کم میسر (۱)
جب برابر موجہ رفتار ہے نقش قدم میسر
محبت تھی چین سے لیکن اب یہ بے دماغی ہے
(۲) کہ موج بوسے گل سے ناک میں آتا ہے دم میرا
سراپا رہن عشق و ناگزیر آفت ہستی
(۳) حیات برقی کی کرتا ہوں اور افسوس حاصل کا
بقدر ظرف ہے ساقی تھما ر تشہ کامی بھی
(۴) جو تو دریائے سے ہے تو میں خمیازہ ہوں ساحل کا

(۱) "ماندگی" تمکن۔ ماندگی، دشت پیمائی، کا نتیجہ ہوتی ہے۔
 اس لئے "یک بیابان ماندگی" سے ایک پیمانہ صحرا نوردی بنالیا
 ہے۔ گویا اتنی ماندگی، جو ایک بیابان کی صحرا نوردی سے
 پیدا ہو "موج" "جواب" "موج آب سے بے ساختہ
 پیدا ہوتے ہیں اور روانی آپ کے لئے مانع و حارج نہیں ہوتے،
 گویا روانی کے لئے وہ کسی شمار و قطار ہی میں نہیں۔ اس شعر میں
 اپنی رفتار کو روانی آب سے، اور نقش قدم کو جواب سے
 مشابہہ کہا ہے۔ مطلب ہے کہ میرے ذوق و شوق کے مقابل میں
 ایک صحرا کی دشت پیمائی سے جو ماندگی ہو وہ ناقابل لحاظ
 ہے۔ اتنی تمکن سے میرا ذوق صحرا نوردی کم نہیں ہوتا۔ گویا
 میرے نقش پا جواب رفتار ہیں، جو کسی شمار میں نہیں اور
 میرے چلنے میں حارج و مانع نہیں!

(۲) یعنی مایوسی و افسردگی خاطر اس درجہ ہیں، کہ وہ چیزیں
 جو کبھی مرغوب اور باعث راحت تھیں اب باعث نفرت
 و کلفت ہیں!

(۳) "سراپا رہن عشق" ہمہ تن پابند و گرفتار عشق "ناگزیر"
 مجبور۔ "ہستی" زندگی۔ "حاصل" خرمی، پیداوار۔ مصرعہ ثانی میں
 عشق کو برق سے اور دنیاوی زندگی کو حاصل سے تعبیر کیا ہے۔
 عشق کا اقتضاء، ترک مشاغل دنیوی ہے، اور ترک مشاغل
 زندگی کے لئے، گویا ہلاکت ہے، کیونکہ زندگی "سلسلہ تحریکات
 و مصروفیت کا نام ہے۔ مطلب ہے، کہ میں ہمہ تن گرفتار عشق بھی ہوں۔

اور زندگی کی خرابی کا بھی غم ہے، گویا اطاعتِ برقی، اور
غم حاصل کی کشاکش میں مبتلا ہوں!

دہم، "بقدرِ ظرفیت ہے۔" یا اندازہ جو صلہ ہے، اور اس کا تعلق فیض
بخشش ساتی سے ہے۔ "خمار" نشہ کا آثار، اور طلبِ خمیازہ
انگڑائی، نشہ کے آثار، یا طلب کے وقت انگڑائیاں آیا کرتی
ہیں "ساحل" (دریا کا کنارہ) "ساحل و خمیازہ" میں مشاہدہ ہے،
مطلب ہے کہ میری خواہش میں نوشی، یا تشنگی، شراب
اسی نسبت سے ہے جتنا کہ ساتی کے فیض و بخشش کا ظرف
جو صلہ، یعنی اگر ساتی، باعتبار عطا و لطف کے دریائے مے ہے
تو میں باعتبار عطا و لطف اور تشنگی کے ساحل ہوں یعنی اس دریا کو
گھیرے ہوئے ہوں، کم نہیں۔

۱	یاں ورنہ جو حجاب پرودہ ہے ساز کا	محرم نہیں ہے تو اٹھائے راز کا
۲	یہ وقت ہے شگفتن گل ہائے ناز کا	رنگ شکستہ بیج بہارِ نظارہ ہے
۳	میں اور دکھ تری مرثہ ہائے دراز کا	تو اور سوئے غیر نظر ہائے تیز تیز
۴	طعم ہوں ایک ہی نفس جاں گداز کا	صرف ہے ضبطِ آہ میں میرا و گرنہ میں
۵	ہر گوشہ بساط ہے سریشہ باز کا	میں بسکہ چو ش بادہ سے شیشہ اچھل ہے
۶	ناخن پہ قرض اس گرو نیم باز کا	کاوش کا دل کرے ہے تقاضا کہ ہے ہوتا

تاریخ کاوش غم ہجران ہوا آئندہ
سیئہ کہ تقاضا فینہ گہراست راز کا

(۱) "محرم" واقف۔ آئندہ۔ "تو اٹھائے راز" ہدایا ہائے غیب۔
"حجاب" پرودہ "ساز" یا جہ۔ "لگاؤٹ" "تو" کی رعایت سے

سنائے استعمال ہوتا ہے، اور محرم و حجاب وغیرہ سب تلذذاتِ باطنیہ
 ”نوائے راز“ بحالِ غیب، یا جاوہِ معنی، یا حسنِ شاہِ حقیقی سے
 کنایہ ہے۔ مطلب ہے کہ اسے انسانِ عظمتِ شعرا و اقویٰ
 نظارۂ حقیقت سے محروم و نا آشنا ہے، ورنہ یہ موجوداتِ
 و شواہد، جو جمالِ حقیقت کے لئے حجاب بن گئے ہیں تو وہ
 دعوتِ نظارۂ غیب دے رہے ہیں۔ یا۔ کائنات کا ایک
 ایک ذرہ تابِ آفتابِ معنی سے معمور اور انوارِ حقیقت
 کے لئے وہ عریانی ہے لیکن تیری ہی آنکھوں پر پردہ
 پڑے ہوئے ہیں!

(۲) لطف ویدار، ایک کیفیت ہے۔ بہار کے موسم میں بھی
 لطف حاصل ہوتا ہے اور محبوب کے پھول سے چہرے کو
 دیکھنے سے بھی لطف پیدا ہوتا ہے، اس لئے لطف آفرینی میں
 چہرہ گلانی اور موسم بہار دونوں ہم اثر ہیں۔ اس لئے شاعر
 نے اس کیفیت کو جو دیدار سے پیدا ہوتی ہے یہاں موسم
 بہار سے تعبیر کیا ہے۔ اور لفظ موسم ہی کی رعایت سے ”وقت“
 اور ”صبح“ وغیرہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔ پھر عاشق جو ”بہارِ
 نظارہ“ کی کیفیت بھی اٹھاتا ہے اُس کے ”رنگ شکستہ“
 (اڑا ہوا رنگ) کا استعارہ بہار کی مناسبت سے پلیدہ ”سحر“
 سے کیا ہے۔ اس طرح عاشق کے لطف دیدار اور رنگ
 شکستہ دونوں سے مل کر ”صبح بہارِ نظارہ“ بن گئی ہے۔ یہ وقت
 ہے کا اشارہ محض صبح (رنگ شکستہ) کی جانب ہے۔ اور

”شگفتن گھماٹے ناز“ ناز و انداز کی نگاہیاں یا معشوق کے انداز و ناز کی گل فشائیاں) ”بہار نظارہ“ سے متعلق ہے، اس شعر میں دیدار محبوب کی راحت اور ناز و کرشموں کے وہ متضاد اثرات بیان کئے گئے ہیں، جن سے عاشق ایک ہی وقت میں، راضی و مسرور بھی ہوتا ہے اور بے چین و مضطرب بھی، ان ہی دو متضاد حالاتوں کو صبح و رنگ اڑ جانا) اور ”بہار نظارہ“ (لطف دیدار) کی ترکیب میں ظاہر کیا ہے یعنی شکستن رنگ عاشق اور لطف دیدار، وقت شگفتن گھماٹے ناز معشوق ہے !!

(۳۴) ”نظر ہائے تیز تیز“ جلد جلد پڑنے والی نگاہیں۔ یا تجسس الوقت نظریں۔ ”مرہ ہائے دراز“ مرگاہ کی خوبی درازی بھی ہے۔ جس دل میں محبت کی اہلیت نہ ہو، وہ پتھر ہے، اور شعرا دل رقیب کو ایسا ہی تسلیم کرتے ہیں۔ مطلب ہے کہ تو بار بار غیر کی طرف دیکھتا ہے اور مجھے یہ تکلیف ہوتی ہے کہ تیری مرگاہ کو پتھر میں چھدفے سے دکھ پہنچتا ہو گا۔ کیوں کہ ان مرگاہ نازک کے لئے تو نرم سادہ دل چاہئے، کہ آسانی سے گھر کر لیں۔ اور وہ ہمارا دل ہے جو نرم تر ہے۔

(۳۵) ”صرفہ“ فائدہ۔ ”طعمہ“ لقمہ۔ یا خوراک۔ مطلب ہے کہ ضبط آہ ہی میرے لئے زیادہ وافر (الیش اضطراب) مفید ہے ورنہ میرا کام تو ایک ہی آہ روح فرسا، میں تمام ہو جاتے !

(۳۶) شیشہ بازی، ایک قسم کی بازی گری ہے، کہ شیشے سر پر

رکھ کر بازی گر کرتب کرتا ہے۔ گوشہ محفل پر جوش بادہ سے
 شیشے اچھلنے کی تشبیہ سر شیشہ بازی سے دی ہے !
 (۶) تنگی دل، یا افسردگی خاطر، کاوش و کوشش بیدار کا قافہ
 کرتی ہے، گویا ناخن تدبیر پر اس گمرہ نیم باز دل سے استعارہ
 ہے) کا قرض ہے !

(۷) یعنی وہ سینہ جو اسرار عشق، یا حقایق محفی کے موتیوں سے
 لبریز اور خزانہ بنا ہوا تھا، غم جدائی سے برباد ہو گیا۔

۱	رکھو یارب یہ دیر بچینہ گوہر کھلا	۱	برقم شہنشاہ میں اشعار کا دفتر کھلا
۲	اس تکلف سے کہ گویا بنگلہ سے کا در کھلا	۲	شب ہوئی پھر انجم زخندہ کا منظر کھلا
۳	استیں میں دشت نہاں ہاتھ میں نشتر کھلا	۳	گرچہ ہوں دیوانہ پر کیوں دوست کا کھاؤں کھلا
۴	پر یہ کیا کم ہے کہ مجھ سے وہ پری پیکر کھلا	۴	گو نہ سمجھوں اسکی باتیں گو نہ پاؤں اسکا بھید
۵	خلد کا اک در ہے میری گور کے اندر کھلا	۵	ہے خیال حسن میں حسن عمل کا سا خیال
۶	آج ادھر ہی گور ہے گا دیدہ اختر کھلا	۶	کیوں اندھیری ہے شب غم ہے بلاؤں کا نزول
۷	نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ برا کتر کھلا	۷	کیا ہوں بت میں غم شجرت حواش کا چال

۸
 اسکی آہستہ میں ہو نہیں میری میں کیوں کام بند
 واسطے جس شہ کے غالب گنبد ریختہ کھلا

(۱) ”بچینہ گوہر“ منج کمالات سے استعارہ ہے۔
 (۲) ”انجم زخندہ“ چمکدار ستارے ”منظر“ سماں۔ ”انجم زخندہ“ کا
 منظر کھلنا ”تارے نکل آنا۔ بت خانہ میں چراغاں کا منظر ہوتا ہے
 اور یہاں چراغان بت خانہ سے منظر انجم کی تشبیہ مقصود ہے
 ”تکلف“ سے زیب و زینت اور شان ہر ادب ہے !

(۱۳) دیوانگی کا ایک علاج عام قصہ کھولنا ہے۔ نشتر سے قصہ کھولتے ہیں، اور دس ششہ (خنجر) سے قتل کر دیتے ہیں۔ صدق و خلوص کے تو یہ معنی ہیں کہ جان کر جان دے دی یا لے لی جائے اور منافقت کا فریب اہل صدق کو گوارا نہیں یہی مطلب ہے کہ اس کے ہاتھ میں بظاہر تو نشتر ہے کہ میری دیوانگی کا علاج ہو، لیکن آستین میں خنجر چھپا ہوا ہے کہ اس بہانہ سے اس کو قتل ہی کر دیں، تو میں فریب خوردگی سے کیوں جان دوں!

(۱۴) "پری پیکر" حسن مجسم۔

(۱۵) حسن، یا معشوق کا تصور، کیسا دلفریب، اور فردوس منظر ہے کہ قبر میں اس کے تصور سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ گویا باغ بہشت کا دروازہ کھل گیا ہے (مذہبی عقیدہ ہے کہ نیک عمل لوگوں کی قبر میں جنت کی کھڑکی کھول دی جاتی ہے)۔

(۱۶) مصیبتوں کا نزول ہے، شب غم و ہجر کیوں اتنی تاریک ہے کیا آج ستارے بھی نہ نکلیں گے؟ اور یا ستاروں کی روشنی بالائی جانب ہی رہے گی، زمین کی طرف رخ نہ ہو گا؟ دیا اُدھر کا اشارہ معشوق کی طرف ہے)۔

(۱۷) "حوادث" عرف عام میں آفات ارضی و سماوی کو کہتے ہیں۔

کھلا ہوا خط پری خبروں کا نشان خیال کیا جاتا ہے۔

(۱۸) "گنبدیہ در" آسمان۔ "گنبدیہ در کا در کھلنا" واقعہ ہزارچ سے

استعارہ ہے۔

شب کہ برق سوز دل سے زہرۂ ابر آب تھا
 شعلہ جوالہ ہر اک حلقہ گر و آب تھا
 شب کہ ذوق گفتگو سے تیرے دل بیتاب تھا
 شوخی و محبت سے افسانہ فنون خواب تھا
 داں کرم کو عذر بارش تھا عناں گیر حشر ام
 گریہ سے یا پنیہ بالش کف سیلاب تھا
 واں خود آرائی کو تھا موتی پروئے کا خیال
 یاں ہجوم اشک میں تارنگہ نایاب تھا
 جلوۂ گل نے کیا تھا واں چراغاں آب ہو
 یاں رواں مژگان چشم تر سے خون تاب تھا
 یاں سر پر شور بخوابی سے تھا دیوار جو
 واں وہ فرق ناز جو بالش کھواب تھا
 یاں نفس کرتا تھا روشن شمع بزم بے تودی
 جلوۂ گل واں بساط صحبت احباب تھا
 فرش سے تا عرش واں نلوناں تھا موج رنگ کا
 یاں زمیں سے آسماں تک سوختن کا یاب تھا
 ناگہاں اس رنگ سے خونسا بہ ٹپکائے لگا
 دل کہ ذوق کاوش ناخن سے لذت یاب تھا
 غزل نمبر ۲
 نالہ دل میں شب انداز اثر نایاب تھا
 تھا سینہ بزم وصل غیر گوئیہ تاب تھا

مقدم سیلاب سے دل کیا نشاط آہنگ ہے
 خاۓ عاشق مگر سارے صدائے آب تھا
 نازش ایام خاکستر نشینی کیا کہوں
 پہلوئے اندیشہ وقف بسترِ تنجواب تھا
 کچھ نہ کی اپنے جنونِ نارسانے ورنہ یاں
 ذرہ ذرہ روکش غورِ شید عالمِ تاب تھا
 آج کیوں پروا نہیں اپنے اسیروں کی تجھے
 کل تلک تیرا بھی دل مہر و وفا کا باب تھا
 یاد کردہ دن کہ ہر اک حلقہ تیرے دامن کا
 انتظارِ صید میں اک دیدہ بے خواب تھا
 یں نے روکا رات غالب کو دگر نہ دیکھتے
 آس کے سیلِ گریہ میں گروں کفِ سیلاب تھا
 واں، ہجومِ نعمتے سارے عشرت تھا اسد
 ناخنِ غم یاں سیرتارِ نفسِ مضرب تھا

”برق“ بجلی ”سوزِ دل“ تپشِ قلب ”زہرہ“ پتا ”زہرہ آب ہونا“
 پست ہمت ہو جانا۔ خوف زدہ ہونا۔ ”شعلہ جوالہ“ شعلہ لرزاں
 ”گرواب“ ہنور ”واں کرم کو“ یعنی کرم فریاسے، یا تشریف لاسے
 میں ”عنان گیر خرام“ مانعِ خرام، ”پنڈہ بالش“ تکیہ کی روشنی
 ”کفِ سیلاب“ بھاگ۔ واں خود آرائی کو ”یعنی آن کے دلولہ“
 زینت اور سنگار کی آہنگ کو۔ ”ہجومِ اشک“ آنسوؤں کا تار
 ”نایاب“ ناپید ”جلوہ گل“ پھولوں کی آب و تاب۔ ”آب جو“

نہر کا پانی۔ "خواب" تو ہیں آنسو "سیر پر شور" دوراں زدہ
 یا سبے چین سر۔ "دیوار ہو" دیوار دھوٹے والے "فرق ناز"
 "سیر پر غرور" معشوق کا سر۔ "محباش کم خواب" کتب خانہ کے
 "مکیم پر استراحت قریب" نفس "سائنس" یہاں آہ آتشیں مراد ہے۔
 "بساط جلوہ گل" فرش گل "فرشش سے تاعرش" زمین سے
 عرش معلے تک "طوفان" جوش و شدة۔ "موج رنگ" ولولہ
 عیش و نشاط۔ "سوختن جلنا" اس رنگ اس طرح۔ اشارہ
 دوسری غزل کی جانب ہے۔ "کادش ناخن" خراش ناخن
 "لذت یاب" لذت کش (دوسری غزل کے لفظی معنی)
 "سپندر" کالا دانہ جو نظر بد کے لئے جلاستے ہیں۔ "مقدم" آنا
 "سیلاب" طوفان آب۔ "لشاط آہنگ" نغمہ بچ مسرت۔
 "نازش" خزاں کستر نشینی ترک اسباب کر کے خاک کشیں
 ہو جانا۔ "اندیشہ" سوچ۔ "شکر" وقف ہو۔ مصروف۔
 "بستر خواب" قیمتی کپڑے کا یعنی معشوق کا بستر۔ "جنون نارسا"
 عشق محروم، یا عشق پنہاں۔ "روکش" مقابل۔ "دیدہ بخواب"
 وہ آنکھ جسے نیند میسر نہ ہو اور کھلی رہے، مراد چشم عاشق
 سے ہے۔ "حلقہ دام" جال کے حلقے۔ آنکھ اور حلقوں میں
 مشابہت ہے۔ حلقہ دام کی عاشق کی آنکھ سے تشبیہ دیگر
 وجہ و بخوابی انتظار صید قائم کی ہے۔

پہلی غزل یا قطعہ کے مطالب

راہ کی بارش کیا تھی، گویا برق ہو زلزلے، خود ابر پہل

پگھل کر، پانی ہو کر برس رہا تھا، ہنور کی گردش، لرزش، شعلہ
معلوم ہوتی تھی، اُن کو تشریف لاسنے میں بادش کا ہڈر تھا
اور یہاں روسنے کا ایسا طوفان تھا کہ تکیہ کی روتی کف سیلاب
تھی۔ اُن کے بناؤ سنگار کی آئینک، بال بال موتی پر روسنے
کے خیال میں تھی، یہاں آنسوؤں کا ایسا تار بندھا تھا کہ
نگاہ پر پانی پھر گیا تھا اور کچھ نظر ہی نہ آتا تھا۔ وہاں
پھولوں کے رنگین اور تاباں عکس سے، آب جو میں چراغاں کا
سماں نظر آتا تھا، یہاں دیدہ گریاں سے اشک خون
رنگ، جاری تھے۔ ہمارا سر بے خوابی سے دیوار ہو گیا تھا کہ
پھوڑ ہی ڈالیں تو چین ملے۔ اُن کے سر ناز میں، کھواب کے
تکیہ پر مصروف استراحت تھا۔ یہاں آہ شہر بار
گویا اس بزم بے خودی و بے تابی کی شمع تھی، وہاں جھلسہ
احباب کے لئے پھولوں کا فرش، مسند تھا، وہاں تین آسمان
عیش و نشاط و لونوں سے لبریز تھے، یہاں، یہ صورت
جلتا تھا، آخر کار دل جو خراسن ناعن سے لے کر خیم تازہ
رکھنے سے لذت کش تھا، اس طرح اشک ہائے خوش
گر اسنے لگا!

دوسری غزل کے مطالب

باوجود بیتابی، رات، نالہ دل میں اثر ہی نہ تھا، اور گو دل
جل رہا تھا اور غالباً اس کا جلنا بزم وصل غیر کسلے سپند کا
جلنا تھا۔ یعنی میرا دل، آمد طوفان سے بھی نغمہ رنج غسرت

ہے، گویا عشاق کے گھر صدائے آب سے ساز ہو جاتے
ہیں کیونکہ طبیعت عشق، اسباب ویرانی اور سرو سامان
بربادی سے مانوس ہے)

”نازش“ فخر: ”ایام“ دن: ”خاکستر نشینی“ سر راہ بیٹھ جانا۔
”پہلو“ بستر کی رعایت ہے۔ ”اندیشہ“ خیال۔ ”شجاب“ ریشم
ان دونوں کی خاک نشینی اور بے سرو سامانی کے فخر و
لطف کو کیا بیان کروں۔ جب کہ اس خاک نشینی میں تصور
بستر محبوب رہتا تھا۔

ہمارے ہی عشق محروم سے کچھ نہ ہو سکا۔ یا ہماری ہی رسانی
اُن تک نہ ہوئی ورنہ میدان عشق کا تو ذرہ ذرہ آفتاب کی
مثال تھا۔

کل تک تو آپ کا دل بھی مندر مر و وفا تھا۔ آج یہ کیا ہے کہ
اپنے گرفتار ان اُلفت کی خبر نہیں۔

”ویدہ“ بیخواب؟ اور ”حلقہ دام“ میں تشبیہ ہے۔ انتظار ہے
ویدہ بے خواب کی رعایت ہے۔ یعنی وہ دن یاد کیجئے کہ
آپ اپنی خود نمائی کی پرستش کے لئے ملاش عشاق سے
بیقرار رہا کرتے تھے۔

”سیل گریہ“ میں گردوں کف سیلاب تھا، اظہار و فور گریہ
کے لئے مبالغہ گردوں (آسمان) کو اپنے سیل گریہ کا کف
سیلاب لکھا ہے۔

ایک ایک قطرے کا مجھ میں پڑا تھا۔ | | | خون جسگر و لعلیت مخرم تھا۔

آبی میں ہوں اور ماتم یک شہر آرزو	۲	توڑا جو توستے آئینہ تمثال وار تھا
گلیوں میں میری لعش کھینچو پھر کہیں	۳	جاندا وہ ہوا سے سر رہ گزار تھا
میں سراب و شہر وفا کا نہ پوچھ حال	۴	ہر ذرہ مشکل جو ہر تیغ آبدار تھا
۵	کلمہ جانتے سنتے ہم بھی تم عشق کو پر آب دیکھا تو کم ہوئے یہ غم روزگار تھا	

۱) "وہ لعلت" امانت ہے آئینوں کی راہ خون جگر کا ایک ایک
قطرہ اس طرح نکالنا پڑا گویا وہ خون جگر مرگان یا ر کی امانت
تھی اور میں حساب دے رہا تھا۔

۲) "آئینہ تمثال وار" دل سے استعارہ ہے، جس میں ہزاروں
ارمانوں کی کششیں اپنے تعداد تمناؤں کے نقوش اور زمانہ بھر کی
حسرتوں کی رنگ آمیزیاں ہوتی ہیں۔ اور جس کو بالفاظ دیگر
"یک شہر آرزو" کہنا چاہئے۔ یعنی میں شہر آرزو کی بربادی کا
ماتم کر رہا ہوں، کیونکہ جس دل کو توستے مایوس و شکستہ
کر دیا۔ اُس کی آبادی آرزو ہائے گونا گوں، ایک بارونق
شہر سے کم نہ تھی۔

۳) تاکہ یوں ہی حسرت نکل جائے۔

۴) "سراب" رنگ رواں۔ جو آب رواں سے مشابہہ ہوتی
ہے۔ جو ہر تیغ کا وصف آب اور آبدار سے کیا کرتے ہیں۔
آبدار اور سراب میں ایک تشبیہ اور رعایت پیدا ہو گئی ہے۔
"موج" اور "تیغ" میں بھی تشبیہ ہے۔ وفا کے معنی اگر عشق و محبت
لئے جائیں تو مطلب ہوگا کہ صحرائے محبت کا سراب ہو ہو م

امیدوں اور نہ برآنے والی حسرتوں کا مجموعہ ہے (جن سے وہ بھی اور تصویری راحت تو ہوتی ہے لیکن عملی اور شہودی نہیں) اور اگر وفا سے مقصود محبوب کا اظہار وفاداری ہے تو شعر کے یہ معنی ہوں گے کہ ان کا اظہار وفاداری تشنہ کا مان محبت کے لئے ایک موج ہر اب ہے جس میں تشنگی عشق کے لئے تو کوئی قطرہ وفا نہیں لیکن جس کی آب و تاب ضرور مثل جوہر تیغ ہے۔

(۵) غم عشق کو ہم کم جانا کرتے تھے۔ لیکن جب وہ غم کم ہوا تو اُسکی جگہ افکار زمانہ نے لے لی۔

۱	آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا	۱	بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
۲	درو دیوار سے ٹپکے ہے بیا باں ہونا	۲	گریہ چاہے ہے خرابی مرے کاشانے کی
۳	آپ جانا ادھر اور آپ ہی حیراں ہونا	۳	وائے دیوانگی شوق کہ ہر دم مجھ کو
۴	جوہر آئینہ بھی چاہے ہے مرگاں ہونا	۴	جلوہ از بسکہ تقاضائے نگہ کرتا ہے
۵	عید نظارہ ہے شمشیر کا غریباں ہونا	۵	عشرت قتلگاہ اہل تمنائیت پوچھ
۶	تو ہوا اور آپ بہ صدر نگہ گلستاں ہونا	۶	لیکن خاک میں ہم داغ نمائے نشاط
۷	لذت ریش جگر غرق نمکدراں ہونا	۷	عشرت بارہ دل نہ خم تمنا کھانا
۸	ہائے! اس زود پشماں کا پشماں ہونا	۸	کی مرے قتل کے بعد کسے جفا سے توبہ

جیف! اس چارہ گرہ کیڑے کی قسمت غالب
جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

۹

(۱۱) آدمی باوجود آدمی ہونے کے اخلاق حسنہ (جو معیار انسانیت ہیں) کی جامعیت میں کوتاہ دست ہے۔ اور جبکہ وہ باوجود تقاضائے

خلق تکمیل انسانیت سے قاصر ہے تو پھر دوسرے کاموں کا
 دشوار ہونا تو بدرجہ اولیٰ قابل تسلیم ہے یعنی اس کیلئے
 دوسری کیا چیز آسان ہو سکتی ہے جب کہ آدمی ہونے پر
 آدمیت سے محروم ہے۔ اس حقیقت کو ایسے سادہ لفظوں میں
 کوئی بیان نہ کر سکا۔

(۲) "ٹپکنا" اور "برسنا" محاورہ اردو میں ظاہر ہونا یا بزبان
 حال کہنا کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ "کاشانہ" گھر یعنی
 "پیرا رونا میرے گھر کی بربادی چاہتا ہے کہ درو دیوار پر
 دیر نہ بن چھایا ہوا ہے۔"

(۳) "واے" لفظ افسوس آدمی کا اشارہ محبوب کے گھر کی
 جانب ہے۔ مطلب ہے کہ افسوس ہے جنون شوق پر کہ
 اس کے تقاضا سے بار بار محبوب کے سامنے جاتا ہوں اور
 ہر بار کٹمہ شکن دیکھ کر خود فراموش اور بے خبر ہو جاتا ہوں۔ یعنی
 عالم حیرت میں نہ شوق نظارہ پورا ہوتا ہے اور نہ عرض حال کے
 جوش و حواس باقی رہتے ہیں۔

(۴) "جلوہ تقاضا سے نگہ کرتا ہے" یا خوبی تمہیں چاہتی ہے
 یا نمود و نمائش و بیدار طلب ہیں۔ "جو ہر آئینہ" وہ خطوط و نقوش
 جو صقل میں ہوتے ہیں۔ "مرثاں" ہوتا ہے یہاں چشم شوق
 بننا مراد ہے۔ جو ہر آئینہ اور مرثاں میں شبیہ ہے۔ اور اسی
 شبیہ رعایت کی وجہ سے آنکھ کے بجائے مرثاں بطور استعمال
 الجھڑ و لنگل کیا ہے۔ آئینہ خود بینی و خود آرائی کے لئے دیکھا جاتا

ہے۔ خود بینی و خود آرائی سے خود پسندی اور خود نمائی
بالا کترام پیدا ہوتے ہیں اور جلوہ یا آرائش و نمود کا اقتضا
یا نتیجہ لازمی یا اثر طبعی دیدار و نظارہ ہے اس لئے شاعر نے
مبالغہ کے ساتھ اس کو جوہر آئینہ بھی چاہے ہے ”مژگاں ہونا“
سے تعبیر کیا ہے۔ مطلب ہے کہ گویا خود آئینہ نگاہ شوق
بننا چاہتا ہے۔

(۱۵) ”مشرّت“ خوشی۔ ”قتل گہ“ ”مقتل“۔ اہل تمنا ”عشاق“ ”بت پوچھ“
یعنی کیا پوچھتے ہو یا کیا بیان کریں۔ ”نظارہ“ دید۔ ”عید“
مشرّت۔ شمشیر و ہلال میں مشابہت ہے۔ ہلال کی رعایت
سے عید استعمال کیا گیا ہے۔ ”شمشیر کا عریاں ہونا“
نیام سے نکلنا۔ یعنی مقتل میں عشاق کی خوشی کا حال کیا بیان
کریں۔ اُن کو شمشیر عریاں کا دیکھنا گویا نظارہ ہلال عید ہوتا
ہے۔ اگر قتل گہ اہل تمنا سے میدان عشق یا عالم عاشقی
مُراد لیا جائے تو مطلب ہوگا کہ عالم عشق کی خوشی اور مشرّت
کیا بیان کریں جہاں جان دینا یا قربان ہونا عید کی شادمانی
کے برابر ہے یعنی دنیا سے محبت کی خوشیاں ہی نرالی ہیں
جو عوام الناس کی خوشیوں سے بالکل متضاد ہوتی ہیں۔
یہاں تو جان دینا یا جان جانا سب سے بڑا دشوار اور مرہم
سامانہ ہوتا ہے۔ اور وہاں یہ مرحلہ پیش آنا سب سے بڑی
عید اور شادمانی ہے۔

(۱۶) ”دراغ لے جانا“ رنج ناکامی و محرومی اُٹھانا۔ ”تمنا سے نشاط“

آرزوئے عیش "تو ہو" ایک تنخواطیب و عاشقہ ہے۔ یعنی خدا
 کرے کہ تو "بصدر رنگ" ہر طرح سے۔ رنگ و گل اور داغ
 میں تشبیہات ہیں۔ آرزو میں بے حد سرور اور خوشی
 ہونے کے معنی ہیں باغ باغ ہونا اور دعا میں پھلنا پھولنا
 وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ غالباً اُسے اس اعتبار سے
 "گلستان" ہونا لکھا ہے۔ مطلب ہے کہ ہماری آرزو تو مرتے
 دم تک پوری نہ ہوتی خیر۔ تم خدا کرے ہمیشہ اور ہر طرح
 شادمان رہو۔

(۷) "عشرت" سرور و راحت۔ "پارہ دل" دل کا ہر ٹکڑا
 (کیوں کہ عاشق کا دل پارہ پارہ مسلم) "زخم تما کھانا"
 زخم نامی کھانا۔ الہم محرومی اٹھانا۔ ریش جگر ہر تکاف
 جگر یا ہر زخم جگر۔ یا ایک ایک ریشہ جگر۔ شعر میں صرف
 انھار درد ظہری ہے۔

(۸) عجیب ترکیب سے یہ مضمون ادا ہوا ہے۔ "زودیشیاں" اس
 شعر میں معجزۂ ادب ہے، جس کا مفہوم بیان نہیں کیا جاسکتا
 مگر ترقی، ذوق اور غور سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔

(۹) عاشق کا گریباں ہمیشہ حوالہ دست جنوں اور معرض
 کشمکش میں رہتا اور تار تار ہوا کرتا ہے۔ شاعر نے
 کس خوبی سے اس چار گرہ کپڑے کی قسمت پر افسوس کرتے
 ہوئے ہزاروں جنون خیز مصیبتوں میں مبتلا ہونے کو
 ظاہر کیا ہے۔

- شبِ خمارِ شوقِ باقی رستخیز اندازہ تھا
 تا محیطِ بادہ صورتِ حسانہ رخسارِ تھکا (۱)
- یکقدم وحشت سے درسِ دفترِ امکان کھلا
 مجاہدہ اجزائے دو عالم وحشت کا شیرازہ تھا (۲)
- مالعِ وحشت خرامیہا کے لیے کون ہے
 خانہء مجنون صحرائے گروہِ دروازہ تھا (۳)
- پوچھ مدت رسوائی اندازِ استغنائے حسن
 دستِ مرہونِ جنارِ خسارِ رہنِ غارہ تھا (۴)
- نالہ دل نے دیئے اوراقِ نختِ دل بباد
 یادگارِ نالہ اک دیوان بے شیرازہ تھا (۵)

(۱) "خمارِ شوق" مستیِ اشتیاق مراد ہے۔ "رستخیز اندازہ" قیامت
 مثال (مخاورہ ہے جو مبالغہ استعمال ہوتا ہے) "محیط"
 لغوی معنی گھیرے ہوئے کے ہیں۔ یہاں خطِ جام سے مراد
 ہے۔ "محیط" اور "خیمارہ" (انگڑاتی ہیں) تشبیہ ہے مطلب کہ
 راتِ جلوتہ ساتی کے دیدار کا اشتیاق قیامت کا تھا کہ
 محیطِ بادہ بھی ایک خیمارہ خمارِ شوق معلوم ہوتا تھا۔

(۲) "یکقدم وحشت" وحشت کا ایک قدم یا صحرائے وحشت ہیں
 بقدرِ یک قدم۔ "درس" سبق۔ "دفتر" بمعنی کتابِ برعایت
 درس۔ "امکان" عالمِ امکان یا کائنات و موجودات۔ "درسِ دفترِ
 امکان کھلا" یعنی حقیقتِ عالم انکشاف ہوا۔ "جادہ" راہ۔
 "اجزائے برعایت دفترِ شیرازہ" استعمال ہوا ہے۔ "دو عالم"

دشت" میں ترکیب مقلوب ہے۔ مقصود دشت دو عالم
یا میدان و وسعت دو عالم۔ "دو عالم" سے مراد عالم اطلاق
و عالم امکان یا عالم ظاہر اور عالم باطن و غیب یا عالم مجاز و
عالم حقیقت ہے مطلب ہے کہ پہلے ہی قدم وحشت میں عالم
امکان کی حقیقت معلوم ہو گئی۔ گویا بخودی عشق مجاز نے
حقیقت تک پہنچا دیا۔ یعنی وحشت عشق دونوں جہانوں
کے درمیان برزخ تھی۔ یا عالم امکان سے مراد عالم وجود
ہے اور دو عالم کا اشارہ عالم وجود اور عالم عدم یعنی بقا و فنا کی
جانب ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ جاوہ عشق ایک رابطہ ہے
بقا و فنا کے درمیان۔

(۳) "مانع" روکنے والا "وحشت خرامیہا" دیوانہ وار آمد و رفت
"صہر اگر د"۔ دشت نور و خانہ بے دروازہ "سے مراد ویرانہ و صحرا
ہے۔ یعنی نامعلوم لیٹے کے لئے کیا امر مانع تھا کہ عشق مجنون سے
متاثر ہو کر بے تابانہ مجنون تک نہ پہنچ سکی۔ حالانکہ مجنون کا گھر
تو جنگل تھا۔ جہاں نہ در نہ دربان۔

(۴) "رسوائی" ہوا خیزی۔ یہاں بے اختیار و مجبوری مراد ہے
"استغنا" بے نیازی۔ عدم حاجت مندی "حسن" خوبی و خوبصورتی
"صہر ہون حنا" پابند حنا۔ یا ہندی لگانے کے شوق میں
پابند و مبتلا رہن غارہ۔ وقف غارہ۔ غارہ ایک قسم کا
سفوف ہوتا ہے جو چہرہ کو خوش رنگ بنانے کیلئے لگاتے
ہیں۔ مطلب ہے کیا پوچھتے ہو کہ حسن یا وصف بے پروائی

وسادگی آرائش و زیبائش پر مائل تھا۔ اور درآن حالیکہ اُس کی معشوقیت عشاق سے بے نیازی تھی لیکن اُس کی آرائش کے میلان نے خود نمائی اختیار کر کے اہل دید کے دیدار کی رسوائی کو گوارا کر لیا تھا۔ یا حسن سے مراد حسن شاہد حقیقی یا جمال الہی ہے۔ اور انداز استغنا کا اشارہ صفت تنزیہ کی جانب ہے۔ اور حنا و غارہ سے شہود نمود و خلق تعبیر ہیں اور رسوائی کے معنی ظہور جلوہ ریزی و تشہیر عام کے ہیں۔ اب شعر کا مطلب یہ ہوگا کہ کیا کہیں حق مطلق کے اطلاق و نہایت کی نمود و خلق کے تقیدات و تنزیلات سے کیسی کچھ تشہیر ہوئی۔

(۵) "بیاد واد" کا ترجمہ استاد نے دے دیا ہے یعنی ہوا میں اڑا دیئے یا برباد کر دیئے "دیوان" بے شیرازہ اور اوراق میں رعایت لفظی ہے۔ مطلب ہے کہ نالہ نے دل کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے برباد کر دیا۔ اور نالہ کے یادگار صرف پارہ ہائے دل تھے۔

دوست غم خواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا
 زخم کے بھرنے تک ناخن نہ بڑھائیں گے کیا (۱)
 بے نیازی حد سے گزری بندہ پرور کب تک
 ہم کہیں گے حال دل اور آپ فرمائیں گے کیا! (۲)
 حضرت ناصح گرا آئیں دیدہ و دل فرسش راہ
 کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھائیں گے کیا؟ (۳)
 (۴) آج والی تیغ و کفن باندھے ہوئے جاتا ہوں میں

عذر میرے قتل کرنے میں وہ آب لائیں گے کیا

گر کیا ناصح نے ہم کو قید اچھائیوں سے ہی
یہ جنون عشق کے انداز چھٹ جائیں گے کیا؟ (۵)

خانہ زاد زلف ہیں زنجیر سے بھاگیں گے کیوں؟
ہیں گرفتار و قازندوں سے گھبرائیں گے کیا؟ (۶)

ہے آب اس معنورہ میں قحطِ غم آفت اسد
ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہے کھائیں گے کیا؟ (۷)

(۱) "سعی" چارہ جوتی و علاج مراد ہے۔ یعنی دوست غمخواری
و ہمدردی سے میرا کیا علاج و مددوا کر سکتے ہیں (اگر میرے
زخموں پر مرہم بھی لگائیں اور ناخن بھی کاٹ دیں) تو کیا
زخموں کے اندمال تک پھر ناخن بڑھ نہ جائیں گے (اور کیا
پھر میں خراشِ ناخن کی لذت گشتی سے زخموں کو تازہ نہ کر لوں گا)
یعنی میرے مصائب کا دفعیہ ناممکن ہے میری ایذا طلبیِ آلام کو
تازہ کرتی رہتی ہے۔

(۲) "بے نیازی" بے پروائی و بے خبری۔ تغافل۔ یعنی حضور
اس بے نیازی کی بھی کوئی حد ہے کہ ہم حالِ دل بیان
کرتے رہتے ہیں اور آپ سُن سُن کر اور سمجھ سمجھ کر انجان بنتے
ہوئے "کیا" فرماتے رہتے ہیں گویا اس طرح استفسار و استفہام
ہوتا ہے کہ کچھ سنا ہی نہیں۔

(۳) "دیدہ و دل فرس راہ" ایک محاورہ ہے عزت کے ساتھ

استقبال کرنے کے مفہوم میں۔ مطلب ہے کہ حضرت ناصح اگر آنا چاہتے ہیں تو خوشی سے آئیں لیکن اُن کے آنے سے ہوتا ہی کیا ہے۔ کیونکہ میراجنونِ عشق تو افہام و تفہیم کی صلاحیتوں سے گزر چکا ہے۔

(۵) ”ناصح“ نسبت کرنے والا۔ یا چارہ جو۔ قید دیوانوں کیلئے علاج خیال کی جاتی ہے۔ یعنی اگر ناصح نے ہمیں پایہ زنجیر کسی چہار دیواری میں مقید بھی کر دیا تو اس سے ہوتا ہی کیا ہے بھلا یہ جنونِ عشق کے انداز کہیں چھٹ سکتے ہیں۔ اور قید و بند سے ممکن ہے کہ جنونِ خرامی اور دشتِ نوردی رک جائے لیکن جنونِ خیالی کس طرح جاسکتی ہے۔

(۶) ”خانہ زاد“ غلام۔ بندہ یا دو خیال زلف یعنی ہم کہ بندگانِ خیالی زلف ہیں زنجیر سے کیا گریزاں ہو سکتے ہیں اور یا بندہ وفا ہو کر قید خانہ سے کیا گھرا سکتے ہیں بلکہ یہ قیود ظاہری تو ہمارے دلی قیود کے مشابہ ہیں۔

(۷) ”مہورہ دُنیا“ یعنی اس کائنات میں اُلفت پیشہ لوگ رہتے ہی نہیں اور ہم غمِ اُلفت کے شوگر ہیں اگر دلی میں ہے تو کس طرح گزرے گی۔

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یا رہتا
(۱) اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

ترسے و قلدہ پرستے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا
(۲) کہ خوشی سے مرہ جساتے اگر اعتبار ہوتا

- تری تازی سے جانا کہ بندھا تھا عہد بودا (۳)
- کبھی تو نہ توڑ سکتا اگر استوار ہوتا (۴)
- کوئی میرے دل سے بچھڑے تیرے کشش کو (۵)
- یہ غلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا (۶)
- یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح (۷)
- کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا (۸)
- رگ سنگ سے ٹپکتا وہ لو کہ پھر نہ تھمتا (۹)
- جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا (۱۰)
- غم اگر چہ جاں گسل ہے یہ کہاں بچیں کہ دل ہے (۱۱)
- غم عشق گر نہ ہوتا غم روزگار ہوتا (۱۲)
- کہوں کس سے میں کہ کیا ہے شب غم بڑی بلا ہے (۱۳)
- مجھے کیا بُرا تھا مرنے اگر ایک بار ہوتا (۱۴)
- ہوئے ہم جو مر کے رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا (۱۵)
- نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں حزار ہوتا (۱۶)
- اُسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ بیکتا (۱۷)
- جو دوئی کی بو بھی ہوتی تو کہیں دو چار ہوتا (۱۸)
- یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالب (۱۹)
- سجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا (۲۰)

(۱) اس غزل کے آخری دو شعر میں غالب نے تصوف کے مضامین لکھے ہیں۔ ہمارے خیال میں مطلع بھی متصوفانہ رنگ میں ہے۔

”وصال“ صوفیائے کرام کے عقائد میں فنا فی الذات ہونے کو کہتے ہیں۔ ”جلینا“ گویا اپنی ہستی بحیثیت اپنے قائم رکھنا ہے اور یہ آنا نیت وصل و فنا فی الذات کے متناقض و منافی ہے۔ مطلب ہے کہ ہماری قیمت میں وصال یا رہ نہ ہوتا اگر ہم زندہ بھی رہتے تو انتظار کے سوا اور کوئی مرتبہ حاصل نہ ہوتا۔

(۱۲) تمہارے وعدہ پر اگر ہم جیتے رہے تو یہ سمجھو کہ ہم نے تمہارے وعدہ کو چھوٹ سمجھا کیونکہ اگر وعدہ پر اعتبار آجاتا تو ملے خوشی کے جان نہ لگ جاتی۔

(۱۳) تمہاری نزاکت سے تمہارے پیمان کی کمزوری ثابت ہوتی ہے کیونکہ نازک آدمی کسی مضبوط چیز کو توڑ نہیں سکتا۔ استاد نے اس شعر میں پیمان شکنی سے لفظی فائدہ اٹھا کر نزاکت پر استدلال کیا ہے)

(۱۴) یعنی تیرے نمکش کی غلش کے مزہ کو کوئی میرے دل سے پوچھے ہر دم کی غلش سے گویا ہر غلش ایک تیر کا لطف دیتی ہے اگر تیر جسکر کے پار ہو جاتا تو مزہ کا سلسلہ کیسے باقی رہ سکتا تھا۔

(۱۵) جناب تاج کی دوستی بھی بھلا کوئی سود مند بات ہے جو بجائے چارہ سالاری و غمگساری کے ”شور پند“ نا مہ نے زخم پر نمک چھڑکا کے مصداق ہے۔ کاش بجائے ان کے کوئی سچا غمگسار ہوتا اور چارہ کار کرتا۔ یا۔ دوستوں کی یہ کیسی دوستی

ہے کہ تاج بن بیٹھے ہیں ان کو تو یہ چاہیے تھا کہ میرے
دردِ محبت کی کوئی دوا بتاتے۔

(۶) ”رگ سنگ“ پتھر کی ریشیں یا لکیریں۔ پتھر جب کسی چیز سے
رگڑایا ٹکڑایا جاتا ہے تو آتشیں چنگاریاں نکلتی ہیں اسی پر
قیاس کیا گیا ہے کہ پتھر میں آگ پنہاں ہوتی ہے شعرار کے
یہاں غم بھی ایک حقیقتِ سوزِ پنہاں ہے جس کا نتیجہ
اشکِ ماتے خوئی ہوا کرتے ہیں۔ شرار اور قطراتِ خون میں تشبیہ
ہے۔ اور سوزِ غم اور آتشِ سنگ ہم ہیئت ہیں مطلب یہ کہ
یہ سوزِ غم جو ہمارے دل میں پنہاں ہے پتھر میں آگ بجائے
آگ کے ہوتا تو ہر ذرہ سنگ سے اس قدر خون بہتا کہ
روسکے نہ بڑکتا۔ لیکن یہ ہمارا ہی جگر ہے کہ یا وجود قوی نہیں
اور غیر جامد ہونے کے ہم اس غم کے متحمل ہیں۔

(۷) ”جاں گسل“ جاں فرسا کہ دل ہے کے فقرہ سے یقین ظاہر
ہوتا ہے۔ گویا کہ دل کے لئے آلام و افکار لازمی اور ضروری
ہیں۔ غمِ عشقِ مقوم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ غمِ عشق جاں فرسا
ہی سہی لیکن دل کے لئے تو بہر حال کسی نہ کسی غم کا ہونا
ضروری تھا۔ پس اگر یہ غمِ عشق نہ ہوتا تو غمِ روزگار
ہوتا۔ اس لئے یہی بہتر تھا کہ دنیا بھر کے جھگڑوں سے
چھٹے ایک تمصیبتِ عشق ہی رہی۔

(۸) میں کس طرح اور کس سے کہوں کہ شبِ غم یا شبِ بھر
بہت ہی بڑی مصیبت ہے۔ ایک مرتبہ اگر موشتا آجانی تو میں

اس کو بہت ہی معتقہ ہوا تھا لیکن شبِ غم ایسی بڑی بلا ہے
کہ موت آتی ہی رہتی ہے اور نہیں آتی۔ گویا ہر لحظہ ایک
مرگ نو میدی سے سا بقہ رہتا ہے۔ اربابِ دنیا موت کو
سب سے بڑی مصیبت جانتے ہیں لیکن شاعرِ موت پر شبِ
غم کو ترجیح دیتا ہے۔

(۱) "لگانہ" اس شعر میں شاعر نے متضوفاۃ طریقہ پر لگانگی و
یکتائی سے خداوند تعالیٰ کی ذاتِ غیبِ الاحدیث کی طرف
اشارہ کیا ہے۔ غیبِ الاحدیث وہ لگانگی و یکتائی ہے جو
کسی اشارہ حسی کو قبول نہ کرے۔ کسی پیر کے سمجھنے کے لئے
ایسی نسبتیں ہونا ضروری ہیں جو یا مطابق ہوں یا متضاد
اور اس ذات کے لئے نہ کوئی نسبت مطابق ہے نہ متضاد کیونکہ
وہ وہی ہے کہ لیس کثیر لشی ط پس ایسی ذات کو کون دیکھ سکتا
ہے۔ دیکھنے میں تو وہی چیزیں آ سکتی ہیں جو ابعادِ ثلاثہ زمان و مکان
اور اشارات میں مقید ہوں۔

۱	ہوسس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا	۱	نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا؟
۲	تجاہلِ پیشگی سے مدعا کیا	۲	کہاں تک اے سراپا ناز کیا کیا؟
۳	نواز شہانے بجا دیکھتا ہوں	۳	شکایتہ سائے رنگیں کا گلا کیا؟
۴	نگارہ بے محسا یا چاہتا ہوں	۴	تو غافلہ سائے تمکین آرزو کیا؟
۵	فریغِ شعلہ خس یک نفس ہے	۵	ہوسس کو پاس ناموس وفا کیا؟
۶	نفس موجِ عیض ہے خودی ہے	۶	تو غافلہ سائے ساقی کا گلا کیا؟

۷	دماغ عطر پیراہن نہیں ہے	۷	غم آوار گہا سٹے صبا کیا؟
۸	دل ہر قطرہ ہے ساز انا ابھر	۸	ہم آس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا؟
۹	محایا کیا ہے، میں ضامن ادھر دیکھ	۹	شہیدانِ نگہ کا خون بہا کیا؟
۱۰	سن اسے غبارِ تنگِ جنس و فاس	۱۰	شکستِ قیمتِ دل کی صدا کیا؟
۱۱	کیا کس نے جگر داری کا دعویٰ	۱۱	شکیبِ خاطر عاشق بھلا کیا؟
۱۲	یہ قاتل وعدہ صبر آزما کیوں	۱۲	یہ کافر فتنہ رطاقت ریا کیا؟

بلائے جان ہے غالب اسکی ہر بات

عبارت کیا اشارت کیا ادا کیا

۱۳

(۱) "ہوس" خواہش۔ گونا گوں طلبوں کی بے چین کوششیں
 "نشاط کار" ولولہ کار۔ مسرت سعی۔ تحریک۔ یعنی ہوس جو
 گونا گوں طلبوں کی مضطربانہ سعی میں مسرت اور مزہ حاصل
 کرتی رہتی ہے تو حصولِ مطالب کی سعی کار سے مسرور ہونا
 اور ہزاروں طلبیں رکھنا جن سے زندگی گوشت پر لطف گذرتی
 ہے سب کا انحصار مرنے کے خیال پر ہے کیوں کہ بے تعداد
 خواہشات میں ہر لحظہ اس لئے عزت کی جاتی ہے کہ زندگی
 چند روزہ ہے جو ہو سکتا ہے وہ اسی زندگی میں ہو جائے،
 اور پھر گرمیِ مطالب ہی سے چونکہ مسرت حاصل ہوتی رہتی ہے
 اور یہ مسرت یا لعل، بالواسطہ اس خیال سے متعلق ہوتی ہے کہ
 زندگی چند روزہ ہے یعنی مرنا قریب و ضروری ہے۔ پس
 "سرمایہ مسرت حیات مرنے پر منحصر ہے۔"

(۲) "تجاہل پیشگی" جان کرا شیخان بٹنا۔ "سراپا تاز" ہمہ تن نخوت و غرور

یعنی اسے جانِ جہاں آپ کا اس تجاہل سے کیا مدعا ہے کہ میری ہر بات پر استغناء "کیا کیا" فرما دیا کرتے ہیں لگویا سب کچھ مستے ہیں اور اڑا دیتے ہیں (آخر کب تک یہ شوخی ہوتی رہے گی۔

۳) "تواذ شہائے بجا" غیر متوقع التفات: شکایت ہائے رنگیں "شوخیوں کی شکایتیں یاد دلچسپ شکایتیں۔ یعنی آپ کے التفات غیر متوقع کی خوشی میں بھلائی گزشتہ بے ہر یوں کی کیا شکایت کروں۔

۴) "بے محابا" بے حجاب و بے تکلف: تمکین آزما "خود داری آزمانے والے۔ یعنی میں تو آپ کی نگاہ بے حجاب رجس کا اثر یہ ہوتا چاہئے کہ خود مجھ پر کیفیت بخودی طاری ہو جائے) کا طالب ہوں مدعی صبر و شکیب نہیں۔ بلکہ طالب فراوانی بے خودی ہوں۔ پس آپ کا تغافل بے محل ہے۔

۵) "فروغ" بمعنی عروج۔ یہاں قیام و ثبات مفہوم ہے۔ "شعلہ ش" تنکا جلنے سے جو شعلہ پیدا ہو۔ "یک نفس" ایک سانس کا وقفہ۔ ایک لمحہ کی مدت۔ "ناموس" شعار و حرمت راز۔ "وفا" مراد عشق و محبت۔ "ہوس" غرض۔ خواہش۔ اور یہاں اہل ہوس مراد ہیں یعنی اہل ہوس و خواہش کو استقامت عشق سے کیا سروکار۔ ان کا جوش اور اظہار محبت تو شعلہ رخس کی طرح ہے۔ وہ شعلہ شمع کی طرح دیرپا نہیں ہوتا لہذا اہل ہوس کو ناموس و وفا کا لحاظ کب

ہو سکتا ہے۔

(۶) "نفس" سانس۔ "محیط" بحر و خاں۔ "بے خودی" بے خبری و
 مذہوشی۔ عدم تعقل و بطلانِ حسن۔ سانس کی آمد و رفت
 اور موج دریا میں تشبیہ ہے اسی تشبیہ سے شاعر نے انتہائے
 بخودی کو تمثیل کیا ہے۔ مطلب ہے کہ یہاں تو ایسی بے خبری
 اور عالم فراہوشی کی کیفیت طاری ہے کہ سانس درجہ ایک لازمہ
 حیات ہے) موج محیط بے خودی سے زیادہ وقعت نہیں
 رکھتا یعنی مجھ میں تقاضیات حیات کا کوئی شائبہ باقی نہیں اور
 میری زندگی بھی گویا ایک جزوِ بے خودی ہے۔ ایسی صورت
 میں بھلا ساقی کے تغافل کا شکوہ کیا ہو سکتا ہے یا آب کس کو
 ہوش ہے کہ ساقی کی بے التفاتی کا گلہ کرے ہم تو نشاط و
 سرور عشق سے ایسے سرشار ہیں کہ خود ہماری زندگی ایک
 حرکتِ مستی و بے خبری ہو گئی ہے۔ پھر ساقی سے شکوہ
 کون کرے اور کیا کرے!

(۷) "دماغ" محاورہ میں بمعنی برداشت یا خواہش یا ضبط
 "عطر پیرا ہن" خوشبوئے لباس۔ یعنی ہمیں تو خوشبوئے
 لباس سے شامہ نوازی کی تاب ہی نہیں۔ یاد صبا کی بیڑی کا
 کیا غم۔ آب صبا جہاں چاہے اُن کے پیر ہن معطر کی خوشبو کو
 پریشان کرتی پھرے۔

(۸) "ساز" باجہ۔ "نغمہ" صدرا۔ "انما لہجر" کے لفظی معنی ہیں "دریا بہاں"
 ہیں۔ لیکن اس کے مفہوم کا لطف منصور کے واقعہ اور اُن کی

انا الحق سرائی کے بالمقابل حاصل ہوتا ہے اور شاعر نے اسی
مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر قطرہ کے دل میں
انا الحق کا نغمہ یا جذبہ (کیونکہ وہ فور جذبات سے بھی بنے ساختہ
صدائیں نکل جاتی ہیں) موجود ہے اسی طرح ہم "اُس" (ذات
واحد الوجود) کے ہیں ہمارا حال ظاہر ہے۔ یا اللہ اکبر ہمارا
کیا کہنا ہم تو اُس کے ہیں "دل سے مراد وہ مضغہ گوشت
اور مرکز شریانات نہیں بلکہ صوفیائے کرام کے یہاں مرکز
حقیقت کو دل کہتے ہیں اب شعر کا مفہوم زیادہ واضح ہو گیا
یعنی ہر ایک قطرے کی حقیقت (دل) ہی نغمہ انا البحر ہے،
اسی طرح ہماری حقیقت بھی انا الحق ہے، لہذا ہم کو کیا پوچھتے
ہو ہم تو اُس ذات واحد الوجود کے ہیں۔

(۹) "جایا" رکاوٹ پس و پیش۔ یعنی آپ کو عیث پس و پیش
ہے میں ضامن (یعنی میرا ذمہ) آپ بلا تکلف میری طرف
نظر کیجئے۔ اگر میں قاتل نگاہ ہو بھی جاؤں تو شہیدان
نگاہ کا تو کچھ خوں بہا ہوتا ہی نہیں۔ اگر تلوار سے قتل کرتے
تو قتل کا الزام ہو سکتا تھا اور خوں بہا دینا پڑتا، لیکن
نگاہوں کے مقتول نہ الزام دے سکتے ہیں نہ خوں بہا کا
موقع۔

(۱۰) "غارِ گرجس وفا" بے وفا، بے ہریاں وفا کی بے قدری
کرنے والا مراد ہے۔ "شکست قیمت" قیمت شکستن سے
مانع ہے جس کے معنی قیمت گھٹانا اور قیمت کم کر دینا ہیں۔

لفظ "شکست" "دل" سے بھی مناسبت رکھتا ہے کیونکہ محاورہ میں
 "دل شکنی و دل شکستگی" وغیرہ مستعمل ہیں۔ اور لفظ "قیمت" "جنس"
 کی رعایت کی وجہ سے لاتے ہیں۔ اور لغوی طور پر "شکست"
 کے ساتھ "صدرا" بھی معنی ہے۔ "غارِ تگرے جنس و فا" اور
 "شکستِ قیمتِ دل" ہم مفہوم ہیں۔ شکستہ دلائلِ عشق ہمیشہ
 فریاد و نالہ کرتے رہتے ہیں۔ یہی گویا آوازِ شکستِ دل ہے
 شعر کا مطلب یہ ہے کہ اسے ناشناسِ قدر و فائز تیری اس
 بے جہری اور نا قدر شناسی سے دل کے ٹکڑے ہو گئے ہیں
 ذرا ہماری فریاد سن تو لے۔

(۱۱) "جگر داری" ضبط۔ تحمل۔ صبر۔ ہمت۔ "شکیب" صبر۔ تسکین
 یعنی ہمیں دعویٰ ضبط ہی نہیں کیونکہ ظاہر ہے کہ عاشقانِ
 مضطر کی تسکین خاطر ممکن ہی نہیں۔

(۱۲) "قاتل" معشوق۔ "صبر آزما" امتحان ضبط کا طریقہ یا ایسا
 طرزِ عمل جو دیرِ طلبی و دیرِ آشنائی کا ہو۔ "کافر" قاتلِ معشوق۔
 "طاقتِ ربا" شکیب و ہمت شکن۔ "فتنہ" طاقتِ ربا۔ "وعدہ"
 صبر آزما کی صفت بھی ہے یعنی امتحان صبر و ضبط کی شرط کے
 ساتھ جو وعدہ کیا جا رہا ہے وہ اور بھی زیادہ بیقرار و مضطرب
 کر دینے والا ہے۔ اب تک بیقراری ارمان تھی اب تمنا
 برآئے کے وقت کا انتظار بھی ہوگا۔ اور بے چینی بڑھ
 جائیگی اور یوں ہی یہ وعدہ صبر آزما فتنہ طاقتِ ربا ہو جائیگا
 اور اگر "صبر آزما" معشوقوں کے عام وعدوں کی سلسلہ صفت کی

طرح استعمال ہوا ہے۔ تو شعر کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ عہد
وعدہ کرتے ہیں اس سے تو بجائے سکون کے اضطراب
ہوتا ہے یا میں اس وعدہ سے کیا فائدہ یہ تو وعدہ نہیں بلکہ
ایک فتنہ ہے جس سے یہی سہی ہمت ضبط بھی جاتی رہتی ہے
یا ایسے جھوٹے وعدہ سے فائدہ ہی کیا جو آتش شوق میں ایک
اشتعال پیدا کر دے۔

(۱۳) "عبارت" و "اشارت" ادا لفظ "ہر بات" کے توضیحات
ہیں۔

در خور قہر و غضب جب کوئی ہم سا نہ ہوا ۱ پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا
بنیگی میں وہ آزاد و خود ہیں کہ ہم ۲ اُسے پھر آئے در کعبہ اگر وہ نہ ہوا
سب کو مقبول ہے دعویٰ تری بکائی کا ۳ سامنے کوئی ہمت آئینہ سیمانہ ہوا
کم نہیں تازش ہمنامی چشم خواباں ۴ تیرا بیمار بُرا کیا ہے گرا چٹان نہ ہوا
سینے کا داغ ہے وہ نالہ کہ لب تک گیا ۵ خاک کا رزق ہے وہ قطرہ کہ دیر نہ ہوا
ہر بن موسیٰ دم ذکر نہ ٹپکے خونتاب ۶ حمزہ کا قصہ ہوا عشق کا چرچا نہ ہوا
نام کا ہے مزے وہ دکھ جو کسی کو نہ ملا ۷ کام میں میرے ہے وہ فتنہ کہ برپا نہ ہوا
قطرہ میں جلد دکھائی نہ دے اور جزو میں کل ۸ کھیل لٹکوں کا ہوا دیدہ بینا نہ ہوا
تھی خیر گرم کہ غالب کے اُٹینگے پڑے

دیکھئے ہم بھی گئے تھے یہ تماشا نہ ہوا

(۱) "در خور" سزاوار مستوجب یعنی خواہ مقہور ہونے ہی میں
کیوں نہ ہوں اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم بے مثل ہیں اور
الفاظ "قہر و غضب" کو اگر شاعرانہ اصطلاحات میں تحويل کیا جائے تو

جفا و ستم محبوب کا مفہوم پیدا ہوگا۔ اور محبوب کا شدت و خصوصیت کے ساتھ مائل بہ جفا کے عاشق ہونا ایک امتیاز خاص ہے۔ مطلب ہے کہ کسی قسم کی خصوصیت کیوں نہ ہو ہم اس سے خصوصیت خاص رکھتے ہیں۔ اور یہی ہماری بے مثلی کی دلیل ہے۔

(۲) ”بندگی“ عبادت و پرستش (جس کا اقتضا پابندی و بیچارگی ہوتا ہے) یعنی ہم بندگی میں بھی آزاد منش اور خوددار ہیں۔ کہ در کعبہ اگر کھلا نہ ہو تو ہم واپس ہی چلے آئیں اور صل میں یہاں اپنی خودداری کے پردہ میں کعبہ کی عظمت بیان کی ہے کیونکہ وہ کعبہ ہی کیا اور وہ آستانہ کس کام کا جس کا دروازہ کبھی بند ہو جائے۔ ہم تو ایسے بڑے آستانہ پر سر جھکاتے ہیں جس کا باب فیض ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔

(۳) ”بیت“ معشوق ”آئینہ سیما“ حسن معشوق کی صفت صاف عکس پذیر مصنوع صالح کی اور مخلوق خالق کی دلیل ہے۔ مخلوق میں خالق کی خالقیت کا پر تو ہوتا ہے اور ہر مخلوق کی ہدایت خلقت عین صفت خالق ہے۔ شعر میں تحنا طب معشوق حقیقی سے ہے جو خالق و صالح حسن مجاز بھی ہے۔ صفت آئینہ سیما سے مطلب اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے یعنی اسے جان جہاں، دنیا بھر کے حسینوں کو تیری بے مثلی و فردانیت حسن کا اعتراف ہے (یعنی سب میں تیرا ہی عکس نظر آتا ہے) اور دنیا کا کوئی حسین تیرا مد مقابل

نہیں ہو سکتا۔ بلکہ سب کے حسن میں صرف تیرا ہی جہاں
پر تو فگن ہے اور یہی انعکاس تیرے دعوئے یکتائی کی
مقبولیت عامہ ہے۔

(۴) "نارِش" فقرہ متوالی آنکھوں کو لفظ بیمار سے متصف کرتے
ہیں۔ شاعر نے بیمار کی عشق و بیماری حسن کو لفظاً ہم ردیف
کر کے ایک بات نکالی ہے۔

(۵) پانی کا قطرہ اگر دریا میں مل جائے تو دریا ہو جاتا ہے اور
اگر خاک پر گرتا ہے تو اپنی ہستی کھو کر صرف ایک سرسری
نشان چھوڑ دیتا ہے۔ استاد نے نالہ کو بھی اسی مثال سے
تمثیل کیا ہے یعنی جو نالے روک لئے جاتے ہیں اور کھینچے
نہیں جاتے وہ کوئی اثر پیدا نہیں کرتے سوائے اس کے کہ
دل پر داغ ڈال دیں۔

(۶) داستان امیر حمزہ واقعیت نہیں رکھتی اس لئے اس کے
رزم بزم اثر سے خالی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ عشق ایسی جھوٹی
کہانی نہیں کہ اس کے المناک واقعات رلانہ دیں۔

(۷) "نام کا میرے ہے" یعنی میری قیمت میں ہے۔ "کام میں میرے
ہے" یعنی میرے درپے ہے۔

(۸) "دجلہ" عراق کے ایک دریا کا نام ہے۔ لیکن یہاں اس کا ذکر کی طرح
استعمال ہوا ہے۔ مصرعہ اولیٰ میں استفہام انکاری ہے
اور اس قسم کا استفہام تاکید و ثبات کے لئے استعمال کرتے
ہیں۔ ہر قطرہ دریا سے اور جزو اپنے کل سے لیدت رکھتا ہے۔

اس طرح ہر قطرہ دریا کے لئے اور ہر جزو اپنے کل کے لئے مقیاس
ہوتا ہے یا ہر قطرہ منظر دریا اور ہر جزو منظر کل ہوا کرتا ہے۔
اسی حقیقت پر تاکید کرتے ہوئے شعر میں مسئلہ وحدت الوجود
کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اور اس کی توضیح اس سے پہلے والی
غزل کے ایک شعر میں اس طرح ہو چکی (دل ہر قطرہ ہے ساز
انا بھر ہم اُس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا)

اسد ہم وہ جنوں جولاں گدائے بے سُر پیاں | ا کہ ہے سر نیچہ مثر گان آہو نکشت خارا پنا

۱۱ یہ شعر رعایات لفظی۔ تشبیہات اور مبالغوں سے سنا انداز
ہو گیا ہے۔ خیال کچھ ادق اور عالی نہیں۔ ”جولانی“ و ”آہو“ گدا
”نکشت خارا“ سر نیچہ ”بے سرو پا میں لفظی تلازمات و رعایات ہیں
”نیچہ مثر گان“ اور فار میں تشبیہ ہے۔ ”جنوں جولاں“ وحشت خرام
دیوانہ وار دوڑنے والا ”گدا“ ”فقر بے خانماں“ بے ٹھکانے
”نکشت خارا“ ایک خاص قسم کی ایک پایہ کی لاشمت ہوتی ہے
جس کو اکثر فقرا اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور چلتے چلتے اگر کہیں
دم بھر کو بیٹھنا چاہتے ہیں تو اُس کے سہارے بیٹھ جاتے ہیں
”بے سرو پا“ بے ٹھکانے یعنی چلے جا رہے ہیں اور پھرنے
مقام کرنے یا منزل سے بے خبر و بے غرض ہیں۔ دوسرا
پورا مصرعہ۔ ایک مبالغہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم گدا یا ن عشق
بلا قیام و آرام دیوانہ وار ایسے تیز چلے جا رہے ہیں کہ ہرن جو
چو کڑیاں بھرتے ہیں اُن کی نگاہیں بھی ہماری رفتار تک
نہیں پہنچتیں اور ایسے تیز تہ و جانور کی پلکیں ہمارے لئے

پشتِ خار سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی ہیں گویا اُن کی ٹنگا ہونکی
رفتار ہمارے ٹھیرنے کے برابر ہے۔

- (۱) پئے نذرِ کرم تحفہ ہے شرمِ نارستانی کا
بنوں غلطیدہ صدرِ رنگِ دعویٰ پارستانی کا
- (۲) نہ ہو حسنِ تماشا دوستِ رسوائی وفائی کا
بہ ہر صدِ نظر ثابت ہے دعویٰ پارستانی کا
- (۳) زکوٰۃ حق دے لے جلوہٴ بینش کہ ہر آسا
چراغِ حسانہٴ درویش کا سہ ہو گدا ئی کا
- (۴) نہ مارا جان کر بے جرم، قاتلِ تیری گردن پر
رہا مانسہٴ خون بے گنہ حقِ آشنائی کا
- (۵) تماشائے زباں بخوسپاس بے زبانی ہے
مٹا جس سے تقاضا شکوہ بے دست و پائی کا
- (۶) وہی اک بات ہے جو یاقوتِ گل ہے
چمن کا جلوہ باعث ہے مری رنگیں نوائی کا
- (۷) دہانِ ہر بہت پیغارہ جو زنجیرِ رسوائی
عدمِ تک بیوفا چرچا ہے تیری بے وفا ئی کا
- (۸) نہ دے نامے کو اتنا طولی غالبِ محقر لکھ دے
کہ حسرتِ شیخ ہوں عرضِ ستمہائے جدائی کا

(۱) ”پئے“ برائے ”کرم“ رحمتِ الہی ”شرم“ شرمندگی
”نارستانی“ محرومیِ ناکامی ”بنوں غلطیدہ“ مراد تو صرف خونِ شدہ
ہے لیکن ”دعویٰ“ کو حیثیت دینے اور وجودِ خارجی کی طرح

بیان کرنے کی وجہ سے بخون غلطیدہ کہا گیا ہے "صدر رنگ" سیکڑوں طرح سے ہزاروں طریقوں سے مطلب ہے کہ میں بارگاہِ رحمت الہی میں نذر گزارنے کے لئے اُس دعویٰ پر ہیزگاری کی شہر مندرگی لے کر جاتا ہوں جس کا ہزاروں طریقوں سے خون ہوا ہے اور رنگ کے معنی شوق کے بھی آتے ہیں اس لئے یہاں رنگ و شوق سے مراد رندی و سببہ کاری بھی ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں بھی مطلب یہی ہوگا کہ وہ دعوتے پار سائی جس کا سیکڑوں سببہ کاریوں نے خون کر دیا ہے بارگاہِ رحمت میں نذر کرنے کے واسطے لئے جاتا ہوں۔

(۲) "حسن" محبوب "تماشا دوست" تماشا پسند یا خود نما۔ "رسوا" مشہور یا مشہور بہ ذم یا بدنام بہ تعلقات رقیب۔ مہر و نظریں تشبیہ ہے۔ "صدر نظر" سیکڑوں نظریں اور ہزاروں نگاہیں یعنی وہ حسن خود نما اپنے عاشق سے بیوقوفائی کرنے میں رسوا کیوں ہو اُس کی خود نمائی اور عالم آشنائی سے جس قدر نگاہیں اُس پر پڑتی ہیں ہمارے نزدیک تو ہر نظر اُس کے دعوتے پار سائی پر گویا مہر ہوتی ہے۔

(۳) "جلوۃ بینش" مرکز عقل و فکر، معشوق حقیقی سے خطاب و سوال ہے۔ "مہر آسا" آفتاب کی طرح "کاسہ دل" سے استعارہ ہے۔ نہ کات و درویش رعایات ہیں۔ مطلب ہے کہ اسے نظر گاہِ اہل بصیرت! اگر تو اپنا پر۔ تو نور و جمال فیضانِ آفتاب

کی طرح دل پر زکات حسن سمجھ کر ڈال شے تیرے کاسے درویشاں
عشق (دل) ظلمت خانہ انسانیت کے لئے چراغِ انوارِ قدس
ہو کر سارے گھر کو روشن و شور کیسے!

(۱۴) ”آتشائی“ عشق و محبت۔ یعنی تو نے ہم کو مجرم اُلقت
کیونکہ عشاق عدالتِ حسن میں مجرم ہی گردا گرا کر رہتے ہیں
نہ جان کر قتل نہ کیا اور حق دوستی اسی طرح تیری گردن پر
رہ گیا جس طرح خون بے گناہ۔

(۱۵) ”سپاس“ تعریف۔ بے دست و پاٹی۔ مجبوری۔ یعنی بے
زبانی کے سبب شکوۂ مجبوری کا تقاضا باقی نہ رہا۔ اس لئے
گفتگو کی آگڑ و اس بے زبانی کی ثنا خواں ہے۔ جس کی وجہ سے
شکوۂ بے بسی کا تقاضہ مٹ گیا۔

(۱۶) ”نفس“ سانس۔ ریح۔ نکہت“ ہوا ریح ریح اور روح ایک ہی
مادہ کے الفاظ اور ہوا اور سانس ایک ہی حقیقت کی دو صورتیں
ہیں۔ ”نکہت گل“ پھولوں میں بسی ہوئی ہوا۔ ”رنگیں نوائی“ شوقِ سنہی۔
جس طرح پھولوں میں بس کر ہو ایسی ریحانیت و لطافت پیدا
ہو جاتی ہے اُسی طرح رونقِ چمن دیکھ کر روح مسرور ہوتی ہے
اور ریح کی کیفیت سرور سے اشتیاقِ نوائی پیدا ہونا اور
جذبات کی برائے گفتگی و غیرہ یقینی امور ہیں پھر علتِ استعدادِ نفل
کی ایک ہی ہے یعنی ہوا کی لطافت بھی پھولوں سے ماخوذ
ہوتی ہے اور روح کی مسرت بھی جلوۂ گل سے۔ اسی خیال کو
استاد نے اس شعر میں ادا کیا ہے کہ بات ایک ہی ہے جس کے

اثرات مختلف ہیں۔

(۷) دہان دہن۔ منہ۔ دہن کی شکل حلقہ نما ہوتی ہے اور زنجیر بھی حلقوں سے بنتی ہے۔ پیغارہ جوتی "طعنہ زنی حسینوں کے دہن کو شعرا کے یہاں معدوم کہا جاتا ہے اور اصطلاح عوام میں دوسرے جہاں کو عدم یا ناک عدم کہتے ہیں۔ اس شعر میں یہی لفظی رعایت ہے۔ مطلب ہے کہ لے لے لے وفا تیری لے وفا کی چرچا اس جہان سے لے کر اس جہان تک ہے کیونکہ سارے حسین تجھ پر طعنہ زنی کرتے ہیں۔ گویا حسینوں کی لب کشائی سے حلقہ دہان کی ایک زنجیر سوائی بن گئی ہے جس کا سلسلہ عدم سے ملتا ہے۔

گر نہ اندوہ شب و فرقت بیاں ہو جائے گا
(۱) بے تکلف داغِ مہر دہاں ہو جائے گا

(۲) زہرہ گر ایسا ہی شام بھر میں ہوتا ہے آب
پر تو مہتاب سیلِ خائماں ہو جائے گا
دل کو ہم صرف وفا سمجھتے تھے کیا معلوم تھا
یعنی یہ پہلے ہی نذرِ امتحان ہو جائے گا (۳)

(۴) سب کے دل میں ہے جگہ تیری جو تو راضی ہوا
مجھ پہ گویا اک زمانہ ہریاں ہو جائے گا
گر نگاہ گرم فرماتی رہی، تسلیم ضبط
شعلہ خن میں جیسے، خونِ رگ میں نہاں ہو جائے گا (۵)
(۶) بارغ میں بچکوتہ سے جاو رتہ میر سے حال پر

ہر گل تر ایک چشم خونقشاں ہو جائے گا
فائدہ کیا، سوچ آخر تو بھی داتا ہے اسد
دوستی ناداں کی ہے جی کا زیاں ہو جائیگا (۷)

(۱) "اندوہ" رنج و غم۔ اس شب فرقت کے اندوہ کی جانب اشارہ ہے جو شبِ ماہ بھی تھی اور اہل شوق و شعرا کے یہاں شبِ ماہ محرکات جذبات ہیں سے ہے مطلب ہے کہ اگر اس شب ہجر کا سوز و غم بیان ہو سکے تو یہ سمجھنا چاہئے کہ چاند کا داغ ہر دہن ہو گیا ہے۔

(۲) "زہرہ آب ہونا" پتہ پانی ہونا جس کا مطلب ہے خوف و دہشت سے عرق عرق ہونا۔ یہاں شاعر نے لفظ "آب" میں سیل کی رعایت ملحوظ رکھی ہے۔ نیز آب اور پر تو جہتاب میں تشبیہ بھی ہے یعنی شام ہجر اگر ایسی بلائے بد ہے کہ زہرہ آب ہوتا ہے تو یقیناً (چاندنی) خانماں عاشق کے لئے سیلاب بن جائیگی۔

(۳) "صرف وفا" یعنی جو وفاداری کی تمام حمات کے لئے کافی ہو۔ مطلب ہے کہ دل کو تو ہم تمام عمر کی عشق بازی کے لئے کافی سمجھتے تھے لیکن یہ نہ معلوم تھا کہ ایک ہی امتحانِ عشق میں جاتا رہے گا۔

(۴) یعنی سارے زمانہ کے دلی میں تیری محبت ہے تو اگر بخود سے خوش ہو جائے تو ہر شخص تجھ پر مہربان ہو جائیگا۔ کیونکہ جب میں تیری رضا کا جزو بن جاؤں گا تو تیرے عام

رضا جو میری بھی رضا جوئی کریں گے۔

(۱۵) "لگاہ گرم" غصہ کی نظر "شعلہ و گرم" میں خاصیت کی رعایت سے "خوں و شعلہ" میں تشبیہ ہے "خس" تنکھا۔ تنکے میں اشتعال و آتشین مادہ پنہاں ہوتا ہے مطلب ہے کہ اگر آپ کی نظر عتاب اشارہ و تاکید ضبط کرتی رہی اور خونابہ قشائی سے روکتی رہی تو یہ خون جو آنکھوں سے بہتا ہے رگوں میں اس طرح پنہاں ہو جاسے گا جس طرح تنکے میں شعلہ۔ اور کبھی نہ کبھی جسم کو پھونک دے گا۔

(۱۶) "چشم و گل" رنگ گل اور خون میں تشبیہات ہیں۔

۱	درد منت کش دوانہ ہوا	۱	میں نہ اچھا ہوا بُرا نہ ہوا
۲	جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو	۲	اک تم شاہ ہوا گلانہ ہوا
۳	ہم کہاں قسمت آزمانے جائیں	۳	تو ہی جب خجبر آزمانہ ہوا
۴	کتے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب	۴	گالیاں کھا کے بے مزانہ ہوا
۵	ہے خبر گرم آن کے آنے کی	۵	آج ہی گھر میں بوریانہ ہوا
۶	کیا وہ نمرود کی خدا تھی	۶	بندگی میں سرا بھلانہ ہوا
۷	جان دی دی ہوئی اسی کی تھی	۷	حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا
۸	زخم گردب گیا لہو نہ تھما	۸	کام گر رک گیا روانہ ہوا
۹	رہزنی ہے کہ دل ستانی ہے	۹	لے کے دل دلتاں روانہ ہوا

کچھ تو پرستے کہ لوگ کہتے ہیں

آج غالب غزل سرائہ ہوا

۱۰

(۱۱) "درد عشق" علم عشق "منت کش" احسان پذیر احسان مند

میں نہ اچھا ہوا یعنی میں دردِ الفت سے شفا یاب نہ ہوا بُرا نہ ہوا
یعنی اچھا ہوا کہ احسانِ دوانہ اٹھایا شکرِ صاف ہے بیساختہ
ہے۔ رواں ہے اور فوقِ شاعرانہ سے بڑے۔

(۲) میرے شکوہ و شکایات کے لئے اختیار کو کیوں جمع کرتے
ہو۔ گلہ کوئی تماشا تو سے نہیں کہ مجمع کے سامنے ہو۔

(۳) "نخترِ آزما" تلوار کو آزمائے والا۔ یعنی جانِ ستاں۔ مطلب ہے
کہ پھر ہم اپنی قسمت و فائز مائے کہاں جائیں۔ جو کہ تجھ جیسا
قابلِ نخرِ آزمائی میں ہمارا امتحان و فائز نہیں لیتا۔

(۴) اوصافِ محبوبیت میں سے شیریں لہجی بھی ایک مسلم وصف
ہے۔ "بے مزہ" بھول۔ برداشتِ خاطر۔ "مزہ اور شیریں"
میں رعایت ہے۔ مطلب ہے۔ تیرے لب کس قدر شیریں
ہیں۔ کہ گالیوں اور تلخ کلامیوں سے رقیب ذرا بھی افسردہ
خاطر نہ ہوا۔

(۵) اتنا بے سرو سامانی کا اظہار ہے۔ اور عشاق ایسے
ہی بے سرو سامان ہوتے بھی ہیں۔

(۶) "نمرو" خدائے باطل۔ یعنی میں باوجود فرمانبرداری اس بت
کی بارگاہ سے فیض یاب و متمتع نہ ہوا تو اس کی خدائی بھی نمرو
کی سی خدائی تھی۔

(۷) حق و فرض دو لازم و ملزوم خصوصیتیں ہیں۔ فرض سے
حق قائم ہوتا ہے اور حق سے فرض آتا ہے۔ یہاں پہلا لفظ حق
پچھے کے معنی میں اور دو سر فرض کے لازمہ میں استعمال

ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ہم نے خدا کی راہ میں جان بھی دیدی
پھر بھی ہم سے پورا فرض ادا نہ ہوا۔ کیونکہ جان تو انہی کی دی
ہوتی تھی ہے۔ اور کسی کی امانت واپس کر دینا یقیناً کوئی ذاتی
امور نہیں ہے۔

(۲) کام و زخم کے رکنے دینے کا تقابل کر کے لفظی رعایت سے
کام لیا ہے یعنی کام ترک جانے سے تو حاجت روائی ہوتی نہیں
زخم دینے سے خون رواں ہو جاتا ہے۔

(۳) ”دل ستانی“ دل لینا۔ مطلب ہے کہ وہ دل لے کے چپکے
سے چلتے ہوئے ”تو محبت کوئی رہنمائی تو بھی نہیں۔ چاہئے تھا
کہ دل لیکر دلدار ہی اور دلہی سے کام لیتے۔

۱۔ گھر میں جو ہوا اضطراب دریا کا	۱۔ گلہ ہے شوق کو دل میں بھی تنگی بجا کا
۲۔ مگر ستم نہ وہ ہیں ذوق خامد فرسا کا	۲۔ یہ جانتا ہوں کہ تو اور پاسخ مکتوب
۳۔ دوام کلفت خاطر ہے پیش دنیا کا	۳۔ حساسے پاسے مزاں ہے بہار اگر ہے پی
۴۔ بچے و مارغ نہیں خندہ پاسے بجا کا	۴۔ غم فراق میں تکلیف سیر باغ نہ دو
۵۔ کرے ہے ہر بن مو کام چشم بینا کا	۵۔ ہنوز مگر ہی حسن کو ترستا ہوں
۶۔ ہمیں و مارغ کہاں حسن کے نقاضا کا	۶۔ دل اس کو پہلے ہی ناز و اداسے دیکھتے
۷۔ مری نگاہ میں ہے جمع خراج دریا کا	۷۔ نہ کہہ کہ یہ بہتار حسرت دل ہے

نکاس کو دیکھ کے کرتا ہوں اسکی یاد آنا۔

جفا میں اس کی ہے انداز کار فرما کا

(۱) ”اضطراب دریا“ تلاطم و توج۔ جس طرح موتی میں پانی کا تلاطم
باقی نہیں ہوتا بلکہ وہ منجمد ہوتا ہے۔ اسی طرح دل میں جو شش

شوق کے لئے وسعت کافی نہیں (اور شوق کا تقاضا ہے کہ
دونوں جہان کو گھیر لے)

(۲) پاسخ "جواب" مکتوب "خط" فوقی عامہ فرما "تحریر پر
مجبور کرنے والا شوق یعنی یہ تو چاہتا ہوں کہ یہ خط کا جواب
کیوں دینے لگا۔ لیکن شوقی تحریر کا مجھ پر یہ ستم ہے کہ بغیر
توقع جواب بھجور خط لکھتا رہتا ہوں۔"

(۳) یعنی بہار کا اگر کوئی وجود مان بھی لیا جائے تو عارضی وجود و
مانا جاسکتا ہے۔ جس طرح رنگ و خیر عارضی کو قیام و دوام
نہیں بلکہ دوسرے جواہر پر عارضی و ناخوش ہوتے رہتے ہیں اسی
مٹ جاتے ہیں۔ بہار کی مثال بھی یہی ہے کہ وہ گویا جو ہر خزاں
پرنشل رنگ، حنا عارضی ہو جانے والی چیز ہے۔ اور یہی حال
عیش و نسیا کا ہے کہ وہ کبھی کبھی برائے چند سے کلفت خاطر
پر عارضی ہو جاتا ہے۔

(۴) "مجھے دماغ نہیں" مجھ میں تاب و طاقت نہیں "خندہ ہاستے
بیجا" ہے وچہ اور بے وقت کی ہنسی۔ یہاں خندہ نگل کی طرف اشارہ
ہے۔ یعنی غم فراق سے ہم میں سیر گل کی طاقت نہیں۔

(۵) "میر جوی" واقفیت یا قربت "ہر بن" میر کا چشم بینا ہونا "یعنی
ہم تن چشم شوق و تجسس بن جانا مطلب ہے باوجودیکہ میں ہر بن
چشم شوق و تجسس ہو گیا ہوں۔ لیکن ہنوز حقیقت حسن کی
واقفیت یا قربت یا معرفت میسر نہیں۔"

(۶) ہم نے پہلے ہی تقاضہ میں ناز و ادا کو دل سے دیا کیونکہ

یہاں زیادہ تقاضوں کی برواشت نہ تھی۔

(۷) مگر یہ کہ طبع حسرت دل کو قرار دیا ہے اور اس کی مقدار کی جانب لفظ دریا سے اشارہ کیا ہے۔ مطلب ہے کہ کوئی یہ نہ کہے کہ گریہ سے دل کی حسرت پوری ہوگی۔ کیونکہ تقاضائے حسرت تو گریہ دریا بار کے لئے تھا۔

(۸) کار خریا "معشوق ستم پیشہ۔"

۱	قطرہ سے بسکہ حسرت سے نفس پرورد	خط جام سے سرا سر رشتہ کو سر ہوا
۲	انتہا عشق کی خانہ خرابی و بکھشت	غیر سے کی آہ، لیکن وہ خفا بھر ہوا

(۱) اس مطلع میں خیال ہے دقیق۔ مگر وہ کنہ و گاہ ہر اور و ن یعنی لطف زیادہ نہیں۔ قطرہ ٹپکنے میں بے اختیار ہے۔ بقدر یکسوئی یہ ہم زون ثبات قرار ہے۔ حسرت ازالہ حرکت کرتی ہے۔ قطرہ سے انراط حسرت سے ٹپکتا بھول گیا۔ برابر برابر ہونہیں پوچھ کر رہ گئیں تو پیالی کا خط بصورت اس تا سنگے نسکھ ہو گیا۔ جس میں موتی پر و سٹے ہوں، (ماخوذ از مکتوب غالب موسوم قاضی عبدالجلیل صاحب جیل بریلوی)

(۲) ان کو اعتبار ہے کہ سوا سے میر سے کوئی عاشق نہیں۔ اس لئے کہ میں ہی نالہ و آہ کیا کرتا تھا۔ لیکن اس اعتبار کی خانہ بربادی دیکھئے کہ اگر غیر نے بھی اتفاقاً کبھی آہ کر دی تو وہ بھر پر خفا ہوئے۔

۱	چہت فقر بیب سفر یار سے تحمل باندھا	چشم شوق سے سرفورہ پد اک دل باندھا
۲	اہل پیش نے بہ حیرت کردہ شوخی نازا	جو ہر آنیمشہ کو ملو طلی باندھا

یاس و امیں نے ایک عربہ مہیاں مانگا ۲	عجرت نے طلسم دل بسمل بانڈھا
نہ بندھے تشنگی شوق کے مضمون غالب ۳	گرچہ دل کھول کے وریا کو بھی ساحل پارھا

(۱) مصرعہ اول صاف ہے۔ مصرعہ ثانی سے یا تو یہ مراد ہے کہ
پر تو حسن سے ہر ایک ذرہ جگمگا اٹھا اور چونکہ دُروں میں یہ چمک
تاب جمال پار کی تھی اس لئے ذرہ ولساں ہو گیا یا یہ کہ ذرہ ذرہ
میں شوقِ نظارہ جمال اس طرح معمور تھا۔ گویا ہر ذرہ ایک
دل پر ذوق تھا۔

(۲) اہل بیت "اہل نظر" حیرت کردہ "مقام حیرت یا عالم حیرت
آفریں۔ حیرت و آئینہ میں رعایت ہے۔ اور لفظ حیرت و
بسمل میں تقابل "جوہر" آئینہ ٹوٹا دین میں ہو یا تلوار و عینہ پر
اس تاب کو کہتے ہیں جو چمک اور جھلکا ہٹ سے نکلا ہوا ہے
میں اس قسم کی خیرگی پیدا کر دیتی ہے اور یہ نقوش متحرک نظر آتے
ہیں اور اسی متحرک اندکاش سے بسمل بہت لطیف
تشبیہ ہے۔ اور چونکہ جوہر کچھ سبزی مائل نظر آیا کرتا ہے۔
اس لئے اس سبزی کو شعر اسکے یہاں طوطی سے تشبیہ دیتے ہیں
پس یہ سبزی جوہر جوہر کا اس متحرک شاعرانہ زبان میں طوطی
بسمل ہے۔ مطلب ہے کہ اہل نظر شوقی ناز کے عالم حیرت
میں جوہر آئینہ کو طوطی بسمل شمار کرتے ہیں گویا آئینہ بھی اس کے
جلوہ کا شہید ہے۔

(۳) "عربہ" لڑائی طلسم جا دو یا نجوم کے عجائبات و اسرار سے
تیار کیا ہوا مکان جس میں فریب نظر و خیال کے سوا کوئی

حقیقت نہ ہو۔ ”ہمت۔ ہمت“ ہمت ہمتی۔ مطلب ہے کہ ہمت ہمتی
نے سائل یا طالب کے دل میں ایک دھجی طور پر پانہ رکھا
ہے۔ جہاں پاس وائیں کی ہنگامہ آرائیاں ہوتی رہتی ہیں
اگر ہمت عاجز نہ ہو تو فیصلہ کن عزم و استقلال سے بھلا
ہستہ سے اوہام رہنے اور پس پیش کرنے کے طلب حاصل
کی جاسکتی ہے۔

”م“ ”تشنہ“ ”ذوق“ ”مراد“ ”ذوق“ ”ساحل“ ”کو تشنہ اور تشنگ
لب لکھا جاتا ہے۔ تمام شعریں رعایات لفظی ہیں۔ مطلب یہ ہے
کہ مضامین شوق لکھنے کی بھی کوشش کی۔ لیکن وہ جلد بات
کے بالمقابل وسعت الفاظ و بیان ناکافی ثابت ہوئی۔

۱	میں اور بزم سے تشنہ تشنگ کام آؤں	اگر بیٹے کی ہمتی تو بھائی کو کیا ہوا تھا
۲	ہے ایک پیر تہیں ہیں چھوٹے پڑے ہیں	وہ دن گئے کہ اپنا دل سے جگر جدا تھا
۳	درمانہ کی میں غالب لکھ رہی تھی تو جاؤں	جب رشتہ بے گرہ تھا ناخن گرہ کشا تھا

(۱) ”تشنہ“ ”کام“ ”مردم“۔ یعنی یہ قسمت کی بات ہے کہ بزم مشیت
میں مردم واپس آجاؤں۔ میں تائب سی۔ سائی کو تو اصرار
سے پلا دیتی ہی چاہئے تھی

(۲) ”درمانہ کی“ ”مہیبت“ ”رشتہ“ ”بے گرہ“ ”سے عدم مشکل“ ”تہیں
ہے۔“ ”ناخن گرہ کشا“ ”یعنی تدبیر و چارہ کار کی قابلیت۔ مطلب
ہے کہ مہیبت کے وقت کوئی تدبیرین پڑے تو کام چلے۔ اس
سے کیا ہوتا ہے کہ جب کوئی مشکل ور پیش نہ تھی تو تدبیریں

سو جھتی بھینس اور اب کچھ نہیں ہو سکتا۔	
۱ گھر ہمارا جو نہ روئے بھی تو دیران ہوتا	۱ بھر گرجس نہ ہوتا تو بیابان ہوتا
۲ تنگی دل کا ٹکڑہ کیا یہ وہ کافر دل ہے	۲ کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشانی ہوتا
۳ بعد یک عمر دروغ بار تو دیتا بارے	۳ کاش رضوان ہی دریا رکاوٹیں ہوتا
<p>(۱) اپنے اس گھر کو جس میں گریہ ہوتا رہتا ہے۔ معرض طوفان میں بیان کر کے بحر سے تشبیہ دیتے ہوئے دوسرا نتیجہ ظاہر کیا ہے یعنی جس طرح دریا کی جگہ اگر دریا نہ ہوتا تو دیرانی ہوتی اسی طرح ہمارے گھر میں کوئی نہ کوئی بربادی ضرور ہوتی رہنا نہ ہوتا کوئی اور آفت ہوتی۔</p> <p>(۲) "تنگی دل" عکسینی لہال۔ تنگ و پریشان کے لغوی معنی متضاد ہیں۔ لیکن دل کے ساتھ دونوں مترادف ہوجاتے ہیں۔ مطلب ہے کہ کجیخت دل ایسی بڑی چیز ہے کہ ہر حال میں عکسینی یعنی عقی۔ یعنی اگر دل تنگ نہ ہو تو پریشان ہوتا۔</p> <p>(۳) "دروغ" شہادت گزاری و تقویٰ۔ "رضوان" زبان جنت یعنی کاش تیرے آستانہ کا دربان رضوان ہی ہوتا جو ایک عمر کی پرستش کے بعد تیری بزم میں پہنچنے کی اجازت دے دیتا۔</p>	
۱ نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا	۱ ڈیو یا مجھ کو ہولے نے نہ تو میں تو کیا ہوتا
۲ ہوا جب غم سے یوں بچیں تو غم کیا سہ کٹنے کا	۲ نہ ہوتا اگر چراتن سے تو زانو پر دہرا ہوتا
۳ ہوتی مدت کہ غالب مر گیا پر یاد آتا ہے	۳ وہ ہر اک بات پر کہنا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا

(۱) "جب کچھ نہ تھا۔" جب یہ عالم کثرت و تعینات نہ تھا تو صرف ذات الہی تھی۔ اسی طرح اگر یہ کثرت و تشخصات نہ ہوتے تو محض ذات محبت ہوتی۔ پس مجھ کو میرے وجود نے مبراہ ذات سے بھید کر دیا۔ اگر یہ میرا وجود مشخصہ نہ ہوتا تو میں عین ذات ہوتا۔

(۲) غم سے دماغ ایسا بے حس ہو گیا تھا کہ غم کا بھی احساس باقی نہ رہا تھا۔ پھر ایسے سر کے کٹنے کا غم ہی کیا اگر تن سے جدا نہ ہوتا تو زانو پر دھرا ہوتا۔

(۳) یعنی افسوس رشتہ ہوئی کہ غالب مر گیا لیکن اس کی یہ بات کس قدم یاد آتی ہے کہ ہر بات پر ارمان و تمنا سے کہا کرتا تھا کہ بچوں ہوتا تو کیا ہوتا۔ یعنی یوں ہوتا تو کیسا لطیف ہوتا۔ ایسا ہوتا تو کیسے مرے کی بات تھی۔ یا آپ میرے گھر آتے تو کیسی اچھی بات تھی۔ یا آپ مجھ سے وفا و محبت کرتے تو کیا کہنا تھا (الی غیر النہایت)

۱	ایک ذرہ زمیں نہیں بے کار باغ کا	۱	یاں جادہ بھی فنیہ ہے لائے کے داغ کا
۲	بے سے کسے ہے طاقت آشوب آگ کی	۲	کھینچا ہے عجز جو صلہ نے خط ایلغ کا
۳	بلبل کے کار و بار پہ ہیں خندہ ٹلے گل	۳	کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے باغ کا
۴	"نازہ نہیں ہے نشہ فسر سخن مجھے	۴	تریا کٹے قدیم ہوں درد چراغ کا
۵	سو بار بت عشق سے آزاد ہم ہوئے	۵	پر کیا کریں کہ دل ہی عدو ہے فراغ کا
۶	بے خون دل ہے چشم میں موج تگر غبار	۶	یہ میکہ خراب ہے سے کے سراغ کا

(۱) "جادہ" خط راہ "فتیہ" بتی۔ "داغ" چراغ سے استعارہ ہے۔

چراغ کے شعلہ اور لالہ میں قلیلہ اور جاوہ میں تشبیہات ہیں یعنی زمین چمن کی ہر چیز مناسب رکھتی ہے جتنے کہ خط راہ (جو پھولوں سے خالی ہوتا ہے) یہی قلیلہ چراغ لالہ کے مثل ہے۔

(۳) ”اگلی“ عقل و ہوش۔ ”خط کھینچنا“ کاٹ دینا۔ ”عجز حوصلہ“ ضعف ہمت۔ ”خط کھینچنا“ یعنی کاٹ دینا، غلط کر دینا اور خارج کر دینا۔ ایارغ۔ جام سے یعنی بغیر شراب کے مجھ میں تکلیفات عقل و ہوش برداشت کرنے کی طاقت نہیں۔ اور اسی سے حوصلگی کی وجہ سے میں بادہ کشی کرتا ہوں۔ تو گویا اس عجز ہمت نے (کہ بغیر مے کے تکلیفات عقل برداشت نہیں ہوتیں) فسادات عقل پر خط ایارغ کھینچ دیا ہے۔

(۴) ”کار و بار“ مراداً حرکات و سکنات۔ یعنی بلبل کی حرکتوں کی پھول منسی اڑاتے ہیں گویا عشق و یگانگی ہے کہ منسخر کیا جاتا ہے۔ یاد یو انگی عشق ہی کا یہ کرشمہ ہے کہ خود اپنے ہی ”منسخر“ کے لئے پھولوں کو پھول بنا دیتی ہے۔

(۵) ”تیریاک“ کاجل۔ ”دودھ و دھواں“ مطلب صرف یہ ہے کہ میری مشق سخن بہت دیرینہ ہے۔

(۶) یعنی دل ہمیشہ مبتلائے عشق ہوتا رہتا ہے اور افسانہ طبیعت ہی کچھ ایسی ہے۔

(۷) ”میکرہ“ استعارہ چشم۔ ”مے“ تشبیہ و استعارہ خون دل۔ ”نارغ“ پتہ نشان۔ یعنی جس طرح جستجوئے شراب میں خالی میکہ میں

خاک سی اڑتی رہتی ہے اسی طرح بغیر نفسانی ہائے حسرت کے
میری موج نگاہ غبار آلود ہوتی ہے۔

۱	راز مکتوب بہ لبہ ربطی عیو اں سمجھا	۱	وہ مری چین جہیں سے غم نہماں سمجھا
۲	چاکس کرتا ہوں میں جوتے کہ گریہاں سمجھا	۲	ایک الف بیش نہیں صیقل آئینہ ہنوز
۳	استقرار تنگ ہوا دل کہیں نہاں سمجھا	۳	شرح اسباب گرفتاری خاطر دست پوچھو
۴	نوح پہ ہر قطرہ عرق و بارہ خیراں سمجھا	۴	یدگمانی نے نہ چاہا اسے سرگرم خرام
۵	بہش خوس سے تپش شعلہ سوزاں سمجھا	۵	پھر سے اپنے یہ جانا کہ وہ باز ہو گیا
۶	ہر قدم سائے کو میں اپنے شبستاں سمجھا	۶	سفر عشق میں کی ضلالت راحت طلبی
۷	رفع پیکان تھما اس قدر آساں سمجھا	۷	تھا گریزاں مژدہ یار سے دل تا دم حرکت

دل دیا جہان سے کیوں نہ کو فنا دار امتار

غافل کی کہ جو کا فتنہ کو مسلمان سمجھا

(۱) ”لبہ ربطی“ ابتری ”عنوان“ سرنامہ۔ ”لبہ ربطی“ سے چین جہیں
کا استعارہ کیا ہے اور ”مکتوب“ سے دل کا۔ ”عنوان“ سے پیشانی
کا۔ ”مطلب صاف ہے کہ اس سے میری چین جہیں سے میری
پیشانی خاطر کا اندازہ لگا لیا۔

(۲) گریبان سے مراد علائق دنیوی۔ آئینہ دل کا استعارہ ہے
یعنی علائق دنیوی کے ترک کر دینے پر بھی کامل عفا سے قلب
میتسرخ نہیں اور جیلا سے قلب ایک الف سے زیادہ نہیں یعنی
بالکل ہی ابتلا ہے۔ نیز (الف) سے گریبان کی تشبیہ
بھی مقصود ہے۔

(۳) ”شرح“ تفصیل یعنی اسباب گرفتاری کی تفصیل کیا پوچھتے ہو۔

دل اس قدر تنگ ہو گیا کہ اس کی تنگی کو میں تنگی زنداں سمجھا۔
یا دل کی تنگی سے معلوم ہوا کہ میں زندانی عشق ہوں۔ اور یہی
اسباب گرفتاری کی تفصیل ہے۔

(۴) ”سرگرم“ مصروف۔ ”عرق“ پسینہ۔ یعنی بدگمانی سے یہ
گوارا نہ ہوا کہ وہ مصروف آمد و رفت رہیں اور اسی بدگمانی سے انکے
چہرہ کا ہر قطرہ عرق چشم غیر معلوم ہوتا تھا۔ گویا انھیاری کی نگاہیں
ان پر پڑی ہیں اور شرم سے ان کو پسینہ آگیا ہے۔ ورنہ آٹھ لیکہ
وہاں نزاکت سے آمد و رفت کی مشقت عرق ریزی تھی۔

(۵) ”بچہ“ ضعیف۔ کم ہمتی۔ ”بدخو“ بے مزاج۔ ”دش“ تنگنا۔ ”بہمنش“
محض مزاج اور پیش کی بدعایت سے لائے گئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ
کہ میری ضعیف انجیلی اور کم ہمتی تھی کہ اس کو آتش مزاج سمجھ
لیا اور اس کی شعلہ خونی کی جو میری ضعیف انجیلی سے پیدا
ہوئی مثال ایسی ہے کہ یہاں یہ شعلہ تنگ سے پیدا ہوا۔

(۶) ”شبستان آنا مگاہ“ یعنی سیر عشق میں مجھ کو ناقوانی سے
ایسا راحت طلب بنا دیا ہے کہ ہر ایک تھیم پر اپنے سایہ کو
شبستان سمجھتا ہوں۔

(۷) ”مرے دم تک مرگاہن یار سے بچنا چاہتا تھا اور اس سے قرضہ
کو خطا کرنا آسان سمجھتا تھا۔ لیکن نہ بچ سکا اور اسی کا نشانہ ہو کر
ہلاک ہوا۔

(۸) ”کافر“ بی وفا۔ ”مسلمان“ لفظی رعایت کے طور پر بعضی وفادار
استعمال ہوا۔

۱	پھر مجھے دیدہ تر یاد آیا	۱	دل، جس گشتہ فر یاد آیا
۲	وہ لیا تھا قیامت نے ہنونا	۲	پھر تر او قبت سفر یاد آیا
۳	سادگی ہائے تمنا یعنی	۳	پھر وہ نیرنگ نظر یاد آیا
۴	عذر و اماندگی اسے حسرتِ نال	۴	نالہ کرتا تھا جس گشتہ یاد آیا
۵	زندگی میں بھی گزر ہی جاتی	۵	کیوں تر راہ گزر یاد آیا
۶	کیا ہی رضواں سے لڑائی ہوگی	۶	گھر تر اخیلہ میں گشتہ یاد آیا
۷	آہ وہ جرات فر یاد کساں	۷	دل سے تنگ آ کے جگر یاد آیا
۸	پھرتے کو پچھے کو جاتا ہے خیال	۸	دل گم گشتہ گشتہ یاد آیا
۹	کوئی دیرانی سے دیرانی ہے	۹	دشت کی دیکھو کے گھر یاد آیا

۱۰ میں نے مجھوں پہ لڑپن میں اس کے
سنگ اٹھایا تھا سر یاد آیا

۱۱ (۱) یعنی دل و جگر کی تشنگی فر یاد نے مجھے چشم اشک نشاں
کی یاد دہانی کی۔

(۲) یعنی پیری جہانی کا اضطراب کم نہ ہونے پایا تھا کہ وقت جہانی
کی یاد نے تازہ محشرستان بیکرا رہی بنا دیا۔

(۳) ”سادگی“ ناوانی مراد ہے ”نیرنگ نظر“ سحر گاہ۔ جاو چشم
یعنی افسوس تمنا کی فریب خوردگی تو دیکھو کہ پھر وہی پڑفن یاد آ
رہا ہے۔

(۴) ”واماندگی“ مجبوری و بے بسی ”عذر و اماندگی“ کے بعد مجھے
ہے ”مخدوف ہے“ یعنی اسے حسرتِ دل مجھے یہ عذر بے بسی
ہے کہ نالہ کرتے کرتے جگر کے شق ہو جانے کا خیال گزرا۔

(اور خاموش رہ گیا)

(۵) زندگی تو کسی نہ کسی طرح گزری جاتی ناحق تیرے رہ گزرے

شوق نے سرِ راہ (ٹھوکر دیا میں) لاکر ڈال دیا۔

(۶) یعنی رضوان سے تیرے گھر کی تعریف کروں گا وہ فرود میں

بریں کی قصیدہ خوانیاں کہے گا یا وہ جنت میں رکھا جائے گا

اور میں تیرے گھر کی راہ لوں گا۔ بہر حال اگر تیرا گھر یاد آیا جنت

میں رضوان سے لڑائی ہوگی۔

(۷) یعنی ہائے وہ جزات فریاد کہاں جو جگر گدازی سے قبل تھی۔

اب دل سے باؤس ہو کر جگر کو یاد کرتا ہوں۔ چونکہ اُس وقت

تک کہ جگر شکستہ نہ ہوا تھا فریاد کی پوری طاقت موجود تھی۔

(۸) دل تو تیرے ہی کوچہ میں گم ہو چکا ہے اب جو تیرے

کوچہ کا خیال آ رہا ہے شاید یہ دل کی یاد ہے۔

(۹) یعنی جنگل کی ویرانی دیکھ کر اپنا گھر یاد آیا جس کی ویرانی

اس کی مماثل تھی۔

(۱۰) بھنڈوں پر ہم نے لڑپکن میں پتھر اٹھایا تھا کہ اپنے سر کا

خیال گذرا کہ یہی نوبت آئے۔ ہمیں ہمارے سر کی نہ ہونے

مہنت تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا

(۱۱) آپ آتے تھے مگر کوئی عنان گیر بھی تھا

تم سے بے جا ہے مجھے اپنی تباہی کا گلہ

(۱۲)

اس میں کچھ شائبہ خوبی تقدیر بھی محسوس

تو مجھے بھول گیا ہوتا پست بتلاؤں (۱۳)

کبھی فتراک میں تیرے کوئی پنچیر بھی تھا

تبد میں ہے تیرے وحشی کو وہی زلف کی یاد
ہاں کچھ اک سچ گر انہار لی زنجیر بھی تھا (۳)

بجلی اک کوہ گئی آنکھیں کے آگے تو کیا
بات کرتے کہ میں لب تشنہ تقریر بھی تھا (۵)

یوسف اس کو کہوں اور کچھ نہ کہے پیر ہوئی
گر بگڑ بیٹھے تو میں لایق تعزیر بھی تھا (۶)

دیکھ کر غصہ سر ہو کیوں نہ کلیجہ ٹھنڈا
نالہ کرتا تھا دسے طالب سیر تاثیر بھی تھا (۷)

پیشے میں خیب نہیں رکھئے نہ ترہاد کو نام
ہم ہی آشفہ مسرور ہیں وہ جواں میر بھی تھا (۸)

ہم تھے مرے کو کھڑے پاس نہ آیا نہ سہی
آخر اس شمع کے ترکش میں کوئی تیر بھی تھا (۹)

کھڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدھی کوئی ہمارا دم تحسیر بھی تھا (۱۰)

(۱۱) یعنی آپ کو جو آئے ہیں دیر ہوئی یقیناً کوئی روکنے والا بھی ہو گا۔

(۱۲) آپ سے ناحق مجھے اپنی بربادی کا شکوہ ہے۔ میری تباہی میں تو میری بد قسمتی کا حصہ شامل ہے

(۱۳) "فتراک" جس میں شکار رکھتے ہیں پنچیر چھایا ہوا۔ یعنی جو کبھی تیرے فتراک میں پنچیر تھا، میں وہی تو ہوں۔

(۴) "دیوانہ الفت مراد ہے۔ یعنی قیہ۔ میں بھی تیرے
دیوانہ عشق کو تیری ہی زلفت کی یاد ہے۔ اور نہ بچیر کی انباری
بھی صرف یوں محسوس ہوتی ہے کہ کہاں وہ زلف لطیف و
مشکبو اور کہاں یہ وزن آہنی۔"

(۵) بجلی ایک کوند گئی۔ یعنی نظر کے سامنے آتے ہی چھپ
گئے۔ "لب تشنہ" طلب گار۔ مطلب ہے کہ تم نگاہ کے سامنے
آتے ہی روپوش ہو جاتے ہو۔ اس سے بھلا کیا تسکین قلب
ہو سکتی ہے ذرا ٹھیرتے بات کر سکتے حال پوچھتے کیونکہ میں
گفتگو کا طالب بھی تھا۔

(۶) "لایق تعزیر" قابل سزا۔ یعنی جمال یوسفی سے اس حسن
مطلق کی تمغیل تو بہن سہمے میں اس غلط تشبیہ کا مجرم ضرور تھا۔
(۷) یعنی غیر کو اس حال میں دیکھ کر کہ وہ نالہ کر رہا تھا اور کوئی
تاثیر نہ تھی، میرا کلیجہ کیوں ٹھٹھانے لگا کہ وہ کیونکہ میں اس کی اسی
حالت غیر کا متحقی تھا۔

(۸) یعنی فریاد کا پیشہ سنگ تراشی سی۔ پیشہ میں عیب ہی
کیا ہے وہ ہمارے گروہ عشاق میں شامل تھا۔
(۹) یعنی ہم تو ملنے کے لئے نہیں بلکہ مرنے کے لئے کھڑے
ہوئے تھے۔ وہ نہ آیا۔ خیر لیکن کیا اس کے ترکش میں کوئی تیز
بھی نہ تھا کہ وہیں سے چلا اس کے ہلاک کر دیتا۔

(۱۰) یعنی کراٹا کا تہین کے لگنے پر عذاب و عقاب کا مار
کیوں ہے۔ دم تحریر بہار جانب ایر بھی تو ہونا ضروری تھا تاکہ

اُن کی تحریری مطلق العنانی اور افراط و تفریط کا اندازہ ہوتا۔

۱۔ لب خشک در شنگلی مرو گان کا	۲۔ زیارت کدرہ ہوں دل آرزو گان کا
ہمہ نا اُمید سی ہمہ بد گمانی	۳۔ میں دل ہوں فریب و فاقوردگان کا

(۱) اپنی ہستی سہرا یا الم کو پیاس کی شدت میں مرنے والے کے لب سے تمثیل کیا ہے اور ”مردگان“ کی رعایت سے دوسری تعبیر زیارت کدرہ اہل درد سے کی ہے۔ یعنی میں اُن لوگوں کا لب خشک ہوں جو شدت پیاس سے جاں دے گئے ہوں اور ستائے ہوئے دلوں کا زیارت کدرہ ہوں۔

(۲) ”فریب خوردگان“ دھوکا کھائے ہوئے۔ دھوکا کھاکر آدمی میں احتیاط زیادہ ہوتی ہے (ہمیں کاٹا ہے جب سے سانپ نے رستی سے ڈرتے ہیں) پس ایسا دل جو معشوق کے ظلم و ستم کو دفا سمجھنے کے بعد ہوشیار ہوا ہو بہت ہی باخبر۔ لیکن مایوس ہونا چاہیے۔ چنانچہ شکر کا بھی مفہوم یہی ہے کہ اس دل کی طرح جو فریب و فاقہ کھا چکا ہے میں اب ہمہ تن نا اُمید سی و بد گمانی ہوں۔

۱۔ چھوڑا مہم تشنگ کی طرح درست قصائے	۱۔ خورشید منورائے کے برابر نہ ہوا تھا
۲۔ توفیق بآندازہ ہمت ہے ازل سے	۲۔ آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر ہوا تھا
۳۔ جب تک کہ نہ دیکھا تھا قیام کا عالم	۳۔ میں معتقدِ فتنہ و محشر نہ ہوا تھا
۴۔ میں سادہ دل آرزو کی یار سے خوش ہوں	۴۔ یعنی سبق شوق مکرر نہ ہوا تھا
۵۔ در پاسے مہما صی تنک آبی ہو خشک	۵۔ میرا سیر دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

۶۔ جاری تھی اس طرح جگر سے مری تمثیل

	+ آشکرہ جاگیر سمندر نہ ہوا تھا
	<p>(۱) تحصیل حاصل و دفع کو کہتے ہیں یہ لفظ جاگیر کی رعایت سے استعمال ہوا ہے۔ آشکرہ جگر سے استعارہ ہے سمندر اس کی طرح کہتے ہیں جو آگ میں پیلا ہوتا اور پرورش پاتا ہے۔ مطلب صرف یہ ہے کہ داغ ابھی اتنا نہ ہوا تھا کہ سارے جگر پر ماحی ہو جاتا۔ بلکہ ابھی کچھ کچھ خون بھی جگر میں باقی تھا جو آنکھوں کی راہ نکلتا رہتا تھا اور یہ تحصیل آشکرہ سے جاری تھی۔</p>
	<p>مضبک کہ وہ مجلس فروز خلوت ناموس تھا رشتہ ہر شمع خار کسوت فانوس تھا (۱) مشہور عاشق سے لگنے سے ہے جو کوسوں تک حنا کس قدر یار ہلاک حسرت پالوس تھا (۲) حاصل الفت نہ دیکھا جز شکست آرزو دل بدل پیوستہ گیا یک لب افشوس تھا (۳) کیا کہوں بیماری غم کی فراغت کا بیاں جو کہ کھایا خون دل بے منت کی موس تھا (۴)</p>
	<p>را (۱) ناموس راژ مجلس فروز محفل روشن کرنے والا رونق محفل۔ انجمن آراء شمع کی رعایت سے مجلس فروز استعمال کیا گیا ہے۔ خلوت تنہائی رشتہ شمع بتی۔ کسوت پیراہن جامہ۔ خار کسوت محاورہ قادی میں بھٹی۔ بے چینی استعمال ہوتا ہے۔ فانوس شمع دان۔ مطلب یہ ہے کہ رات</p>

بزمِ راز میں اُن کے تاب و جمالِ حسن کا یہ عالم تھا کہ ہر رشتہ
شمعِ لباسِ فاؤس کے لئے گویا خاکسوت تھا یعنی اُن کی مجلس
فروزی سے شمعِ حسن میں جلتی تھی۔ اور اُن کے حسن و جمال کے
سامنے شمع کی روشنی ناتواں تھی۔

(۲) جس طرح مزار پر نرگس کے پھل کھلا کر شعرا حسرتِ انتظار
کا مہم ہونے لگتے ہیں۔ اُسی طرح اُنستناؤں نے یہاں مہم کی
آگاہی ہے۔

(۳) ”خاموشی“ نتیجہ ”شکستِ آرزو“ خونِ تمنا۔ پیوستگیِ لب
کی رعایت سے دل بدل پوشش کا استعارہ الفت کے لئے
استعمال ہوا ہے۔ محاورہ ہیں بھی دل ملنا محبت کے معنی ہیں
آتا ہے۔ یعنی محبت کا نتیجہ سوا خونِ تمنا کے کچھ نہیں گیا دو
دلوں کا ملنا پیوستگیِ لب افسوس کے مشابہ ہے۔

(۴) ”کیموس“ جگر کے اس فعل پر ضم کو کہتے ہیں جس سے غذا خون
بشتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم غم کی آسانی کیا بیان کریں کہ
اس میں خونِ دل کھانا ہوتا تھا۔ اور جب خون ہی کی غذا ہوگی
تو ظاہر ہے کہ عملِ کیموس کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔ یا اس
لئے کہ یہ غذا منہ سے نہیں کھائی جاتی بلکہ اندر ہی اندر
خون خشک ہوتا جاتا ہے، اس لئے خونِ دل کھانے میں کیموس
کا کیا احسان۔

۱	صاحب کو دل نہ دینے پر کتنا غور تھا	آئینہِ بیکھر، اپنا سا منہ لپکے رو گئے
۲	اُس کی خطا نہیں ہے، یہ میرا قصور تھا	قاصد کو اپنے ہاتھ سے گریز نہ دے دیتے

(۱) یعنی معشوق کو یہ زعم و دعویٰ ہو گا کہ ہمارا دل کوئی نہیں لے سکتا
یا ہم کو کسی کا عشق نہیں ہو سکتا۔ آئینہ جو دیکھا تو وہ جوئے
باطل شرمندہ ہوئے۔ ہوش جاگے رہے۔ معشوق اپنے اوپر
آپ فریفتہ ہو گئے۔

(۲) اپنے ہاتھ اس کے اشارہ پر اقبال جرم پر تمام ہیں اس رشک
کا اظہار بھی ہے کہ وہ کسی اور کو اپنے ہاتھ سے کیوں قتل کریں
اُن کے ہاتھ سے قتل کے مستحق و مستوجب تو ہم ہی ہوتے
چاہئیں۔

۱	عرض نیاز عشق کے قابل نہیں رہا	۱	جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ تل نہیں رہا
۲	جاتا ہوں دل غمِ حسرت ہستی لئے ہوئے	۲	ہوں شمع کشتہ و زور محفل نہیں رہا
۳	مرنے کی اسے دل اور ہی تدبیر کریں	۳	شایان دست و بازوئے قاتل نہیں رہا
۴	بر روئے شش بہت دیر آئینہ باز ہے	۴	یاں امتیاز تافقش و کمال نہیں رہا
۵	و اگر دیئے ہیں شوق نے نذرِ قاتل حسن	۵	غیر از نگاہ اب کوئی حائل نہیں رہا
۶	گو میں رہا، رہیں ستم اسے روزگار	۶	لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا
۷	دل سے ہوائے کشت و فدا منگنی کے وال	۷	حاصل ہوائے حسرت حاصل نہیں رہا

بیدار عشق سے نہیں ڈرتا مگر اسد

جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

(۱) عرض "اظہار" ناز و نیاز رعایات لفظی ہیں (مطلب صاف
ہے اور شکر عجیب حال میں کہا گیا ہے۔

(۲) "ذراغ" رعایت ہے "شمع کشتہ" کی "حسرت ہستی" زندگی
کی طلبِ محروم۔ شمع کشتہ تمثیل ہے "ارغ" حسرت ہستی لیکر

مر جانے کی۔ محفل برعایت شمع عالم ہستی سے استعارہ ہے مطلب
ہے کہ ناکارہ روز نگار ہوں۔ دنیا میں رہنے کے قابل نہیں
اور مرتا ہوں۔

(۱۱) شعر صاف ہے۔ البتہ لفظ شایان معنی خیر ہے یعنی دوست
و بازوئے قاتل (مضائق) کے لائق تو وہی ہو سکتا ہے جس پر
محض قاتل ہی کے وار ہوں یعنی ہلاکت گاہ عشق کے قابل وہی
آئندہ وہ ہے جو آلام و مصائب مایوسئے العشق سے نیم جاں
اور نیم مردہ نہ ہو چکا ہو یا ان کے ہاتھ سے قتل ہوئے
کے لئے تو کوئی اچھا تندرست آدمی ہونا چاہئے اور میں تو
پہلے ہی نیم مردہ ہوں۔

(۱۲) اہم روزئے ششش جہت "سار سے زمانہ کے قابل یا سار
جہان کے واسطے" آئینہ "عالم حیرت یا پر تو فیضانِ غیب
یعنی حامی اور صاحب بصیرت، عالم و جاہل اہل قرب و اہل
بعد عارفانہ سا اک اور غول و گمراہ سارا جہان مبتلا سے
حیرت ہے اور حقیقت شناسی سے عاجز یا پر تو فیضانِ غیب
سے کوئی محروم نہیں اور بلا امتیازات ظاہری انوارِ فطرت
و قدرت سے سب مستفیض و مستبیر ہوتے ہیں۔

(۱۳) متصوّرانہ نقطہ نظر سے کمال دیدہ ہے کہ طالبِ دیدہ ہم
نہ نہ رہے۔ اور جو متفرق اور متنازع دیدار ہو جائے۔ یہاں
ایکسا دیکھنے والا اور جس کو دیکھا جائے دونوں ایکسا ہو جائیں
اور نہ دیکھنے کا امتیاز و حجاب باقی نہ رہے۔ اس شعر کا

بھی یہی مطلب ہے کہ اب سوائے نگاہ کے کوئی چیز حال نہیں ہے اور شوق نے نقاب حسن کے بند کھول دیئے ہیں یعنی روضے زیبا پر کوئی نقاب و حجاب نہیں رہا۔

(۷) یعنی اگرچہ میں دنیاوی مصائب میں مبتلا رہا لیکن تجھے کبھی نہیں بھولا (نہایت لطیف جملہ ہے)

(۸) ”ہوا“ خواہش و طلب ”کشت“ کھیتی ”حاصل“ اصطلاح زرعی میں پیداوار کو اور عام طور پر نفع کو کہتے ہیں۔
یعنی اب وفاداری کا دلولہ باقی نہیں ہے کیونکہ سوائے اس کے کہ تمنا پوری ہونے کی تمنا کی جائے اصل تمنا پوری نہیں ہوتی۔
(۹) یعنی تکلیفات عشق سے میں ڈرتا نہیں لیکن وہ دل باقی نہیں جس پر مجھے ناز تھا کہ سب کچھ برداشت کر سکوں گا۔

رشتہ کشا ہے کہ اسکا غیر سے خلاص حریف

(۱) عقل کہتی ہے کہ وہ بے ہر کس کا آشنا

ذرتہ ذرتہ ساغر سے خانہ نیرنگ سے

(۲) گردش مجنوں بچشک ہائے لیلا آشنا

شوق ہے سماں طراز تار شارباب عجز

(۳)

ذرتہ صحرادستگاہ قطرہ دریا آشنا

شکوہ سبچ رشتہ ہمہ گیر نہ رہنا چاہیے

(۴)

میرا زانو مونس، اور آئینہ تیرا آشنا

میں اور اک آفت کا ٹکڑا وہ دل و جگر ہے

(۵)

عافیت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا

	کوہن نقاش کی مثال شیریں تھا اسے سنگ سے ہر مار کر ہووے نہ پیدا آسنا	(۶)
--	---	-----

(۱) رشک سے پیشہ ہوتا ہے کہ اُس سے اغیار کے مراسم
اُس میں لیکن عقل و غور سے پیشہ منٹ جاتا ہے کیونکہ بھلا
وہ ناہربان، بیوفاکس کا دوست ہو سکتا ہے۔

(۲) ”ساغر“ جام سے۔ میخانہ نیرنگ سے مراد نظام سیارگان
یا افلاک ہیں یعنی ہر ذرہ و ذرہ میخانہ نیرنگ کا ایک ساغر ہے
جو گردش و انقلاب پذیر ہے۔ اسی طرح مجنوں کی وحشیانہ جولانیاں
بھی لیلیٰ کی نگاہ کی گردشوں سے وابستہ ہیں بگو یا مجنوں
کی قسمت پر لیلیٰ اسی طرح حکومت کرتی ہے۔ جس طرح
انقلاب ارضی و سماوی پر کارکنان قضا و قدر یا سیارگان
طالع یا ”میخانہ نیرنگ“ ذات قادر و قیوم سے استوار ہیں
اور گردش کی رعایت سے ذرہ کو ساغر سے تشبیہ دی ہے
مطلب ہے کہ جس طرح مجنوں کی گردشیں قیمت یا وحشت
خرابی لیلیٰ کے ایک اشارہ چشم پر منحصر ہے۔ اسی طرح اس
کائنات کا ایک ایک ذرہ اُس ”میخانہ نیرنگ“ کا ساغر
ہے جو حرکت، گردش اور انقلاب میں سرگرداں ہے۔

(۳) ”شوق“ چو ش طلب۔ ”سماں طراز“ سبب۔ ”نازش“
فخر و شرف۔ ”ارباب بھر“ منکر المزاج لوگ۔ ”چھرا“ رنگدار
”نہ یا“ سمندر، محیط، نا پیدا گزار۔ یعنی عالم انسانیت میں باعث
شرف چو ش طلب، انبی اور ولولہ عرفان ہے اور یہی معرفت

و طلب کا شرف اس میں ایسی حقیقی نسبت قائم کر دیتا ہے جو
قطرہ کو دریا سے اور ذرہ کو صحرائے سے ہے۔

(۴) "میں" کی تقابلی معنی آفریں ہے۔ مطلب ہے کہ میں تو
عافیت طلب اور عزت پسند ہوں اور دل ایسا آفت کا
مکڑا ہے جو عافیت کا دشمن اور آوارگی کا بٹیا ہے۔

(۵) شعرا زانو کو آئینہ سے استعارہ کرتے ہیں اور اس شعر
میں بھی "ہمدیکہ ثبوت" ہے۔

(۶) "تمثال" تصویر۔ یعنی فرہاد تصویر شیریں کا نقاش تھا
سنگ تراشی کرتا تھا۔ یہ لاکھیں پتھروں سے سر کھوڑنے سے
معشوق ملا کرتے ہیں۔ گویا سنگ تراشی سے تصویر بنائی اور
نہر کھودی جاسکتی ہے۔ لیکن معشوق حاصل کرنے کے لئے
جذبہ کامل کی ضرورت ہے۔

ذکر اس پری و ش کا اور پھر ہیاں اپنا
(۱) بن گیا رفیب آخر تھا جو راز داں اپنا

مے وہ کیوں بہت پیٹے، بزمِ غنیمت میں یارب
(۲) آج ہی ہوا منظور ان تمثال اپنا

منظر اک بستری پر اور ہم بنا سکتے
(۳) عرش سے اُدھر ہوتا کاش کے مکاں اپنا

وے وہ جس قدر ذلت ہم نہیں میں ٹالیں گے
(۴) بارے آشنا نکلا ان پاسبان اپنا

درود لکھوں بکتک جاؤں اُن کی دکھلاؤں
 انگلیاں فگار اپنی خامہ خوں چکاں اپنا (۵)
 گھستے گھستے مرٹ جاتا آپ نے عیش بدلا
 ننگ سجدے سے میرے ننگ آستان اپنا (۶)
 تاکر سے نہ غمازی کر لیا ہے دشمن کو
 دوست کی شکایت میں ہم نے ہم زباں اپنا (۷)
 ہم کہاں کے داتا تھے، کس ہنر میں یکتا تھے
 بے سبب ہوا غالب دشمن آسماں اپنا (۸)

(۱) ایسے حسین و پر ہی جمال کا تذکرہ۔ اور پھر ہماری تحسین عشق
 آمیز اور رنگین بیانی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سننے والا بھی عاشق ہو گیا
 اور رقیب بن گیا۔

(۲) بھلا وہ بزمِ خیر میں اتنی شراب کیوں پیتے کہ متوالے اور
 مہوش ہو جاتے مگر یہ میری بد قسمتی ہے کہ انہیں بزمِ خیر میں
 اپنے ظرف کی آزمائش مد نظر ہو گئی۔

(۳) اگر ہمارا مکان عرش سے اس طرف ہوتا تو عرش کو نظر نگاہ
 ٹھہرتے لیکن اپنا مقام عرش والا مکان ہے جو بلندی کا منتہا
 ہے اور اب کوئی بالائی فضا باقی نہیں گویا مارچ عروج و
 کمال سب طے ہو چکے اور بہت اور سعی طلب ابھی تازہ
 ہیں۔

(۴) یعنی ہم نے تو یہ ارادہ کر لیا تھا کہ اُن کے پاسان کی دی
 ہوئی سب ذلتیں گوارا کر لیں گے اور اُن تک پہنچیں گے۔

لیکن وہ شناسا بکلا اور ذلتوں کی ذلت نہ آئی۔

(۵) دل کا حال لکھتے لکھتے انگلیاں زخمی ہو گئیں اب آخر کہاں تک لکھوں بہتر یہی ہے کہ اپنی خون نشاں انگلیاں اُن کو خود جا کر دکھلا دوں، کہ حضور کو حال لکھتے لکھتے یہ عالم ہو گیا اب تو خبر لو۔

(۶) آپ نے اپنا سنگ در بیفائدہ تبدیل کر دیا اس صدمہ میں کہ یہ کیوں اس پر سچا کرے، مگر وہ تو خود میرے سچے کی ذلت و شرم سے لکھتے لکھتے باقی نہ رہتا۔

(۷) ”غمازی“ چغلی معشوق کی بیوفائی کی شکایتوں میں ہم نے رقیب کو بھی اپنا ہم زبان بنالیا ہے (یعنی وہ بھی شاکہ ہو گیا ہے) تاکہ وہاں جا کر چغلیاں نہ کھائے۔

(۸) اہل ہنر و کمال سے تو فلک کی دشمنی مشہور ہے لیکن ہم تو کچھ ایسے ہنرمند اور عاقل نہ تھے آسمان ہیو جہ ہمارا دشمن ہو گیا۔

۱	کہ ہے چشم خریدار پہ احساں میرا
۲	تیرے چہرے سے عیاں ہو غم نہاں میرا

(۱) حسن برنگدہ و سرور ہمایہ وغیرہ سے جس طرح بلا کہ و کاوش اور بلا قیمت کے لذت حاصل کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح میرا کلام آنکھوں میں نور بصیرت اور راحت نظر کا باعث ہوتا ہے یعنی ایک سرمہ مفت ہے جس کی قیمت سوائے اس کے کچھ نہیں کہ آنکھوں پر ایک احسان ہے معاوضہ باقی نہ رہ جائے۔

(۲) ظالم مجھے نالہ و آہ کی اجازت دیا ہے تاکہ سوز میں کچھ تو

کی ہوتی رہے ورنہ قیط سے اور دل کی آگ بجھ کر کے گی۔ اور دل کی کیفیتوں کا اثر دوسرے دلوں پر ضرور پڑا کرتا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ نالہ فریاد نہ کرے نہ سے موجودہ غم غم پنہاں ہو جائے اور تو جذب دل سے متاثر ہو کر پریشان ہو۔

غافل بوجہم ناز خود آرا ہے ورنہ پیاں ۱ بے شانہ غصبا نہیں طرہ گیاہ کا
بزم قلیح سے عیش تمنا نہ رکھ کہ رنگ ۲ صید زوام جستہ ہے اس دام گاہ کا
رحمت اگر قبول کرے کیا بعد ہے ۳ شرم کی سے عذر نہ کرنا گناہ کا
مقتل کی کس نشاط سے جانا ہو نہیں کہ ۴ پُگل خیال زخم سے دامن نگاہ کا

جان اور ہوا ہے یکہ نگہ گر ہے اتنا

پر واز ہے وکیل ترے وادخواہ کا

۱) "شانہ" لکھی "طرہ گیاہ" گھاس گچھا۔ غافل انسان اپنے
وہم سے ناز کرتا ہے کہ میں بھی کار ساز اور صنعت طراندہ ہوں اور
خود آرائیوں میں مبتلا رہتا ہے۔ حالانکہ یہاں گھاس کے ٹکڑے بھی
صبار مشاطہ غیب کی مشاطگی سے نہ ہمت حاصل کر سکتے ہیں
بلکہ یہ اپنے آپ کو بھول بھی جائے تو قدرت اس کو خود بناتی
سنوارتی رہے گی۔

۲) "بزم قلیح" محفل ہے خوشی۔ "عیش تمنا رکھ" عیش کی امید۔
نہ رکھ "رنگ" عیش و خوشی۔ "صید زوام جستہ" دام سے بکلا
ہوا شکار۔ دام گاہ استعارہ ہے دنیا سے یعنی بزم شراب
عیش و خوشی کی امید نہ کر۔ کیونکہ دنیا میں خوشی تو کسی طرح
ہی نہیں ہوتی۔

(۳) مواخذہ کے وقت شرمینگی سے اگر گناہ کا عذر نہ کیا جائے تو بعید نہیں رحمت الہی اسی سکیت نجات کو معذرت سمجھ کر قبول کرے اور معاف فرما دے۔

(۴) ”پُر گل“ پھولوں سے بھرا ہوا۔ زخم و گل میں مشابہت ہوتی ہے۔ یعنی میں مقتل ایسی خوشی سے جا رہا ہوں جیسے میرا باغ و گل چینی کے لئے جاگتے ہیں۔

(۵) ”ہوا“ خواہش و حوصلہ ”نگہ گرم“ غصہ کی نگاہ۔ پروانہ برعایت شعلہ نگاہی استعمال ہوا ”واد خواہ“ فریادی (عاشق) ”وکیل“ چارہ چوٹی و پیروی کرنے والا یہ لفظ بھی داد خواہ کی رعایت سے استعمال ہوا ہے۔ یعنی جان ایک شعلہ نگاہی کی طالب ہے اور تیرے داد خواہ نگاہ گرم کا چاؤ کا یہ ہستی اس جان پر منحصر ہے جو پروانہ صفت ہے اور جلنا ہی چاہتی ہے۔

جو رے باز آئے پر باز آئیں کیا	۱	کہتے ہیں، ہم تجھ کو منہ دکھلاؤں کیا
رات دن گردش میں ہیں سات آسمان	۲	ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبراؤں کیا
لاگ ہو تو اس کو سمجھیں ہم لگاؤ	۳	جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا
ہو لئے کیوں نامہ بر کے ساتھ ساتھ	۴	یارب اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا
موج غم سر سے گزر ہی کیوں نہ جائے	۵	آستان یار سے اکٹھا جائیں کیا
عمر بھر دیکھا کئے مرنے کی راہ	۶	مر گئے پر دیکھئے دکھلائیں کیا

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کین ہے

کوئی بتلاؤ کہ ہم بستل میں کیا

(۱۱) یعنی وہ فرماتے ہیں کہ ہم اپنی جفا شعار یوں پر پشیمان ہیں۔
اور اسی پشیمانی سے منہ چھپاتے ہیں۔ لیکن ان کا منہ نہ دکھانا بھی
تو ہمارے لئے ظلم ہے غرض کہ ترک ستم پر بھی وہ ستم سے
باز نہ آئے۔

(۱۲) یعنی کارکنانِ قضا و قدر ہر وقت مصروفِ کار ہیں۔ ہمیں
گھبرانے کی ضرورت ہے۔ شدنی امور ہو کر ہی رہیں گے۔
(۱۳) استاد فرماتے ہیں یہ ترک کیجئے نہ تعلق ہم سے۔ کچھ نہیں
ہے تو عداوت ہی سہی۔ گویا تعلق دو قسم کے ہوتے ہیں۔
دوستی کا اور دشمنی کا۔ یہاں فرماتے ہیں کہ ”لاگ“ (دشمنی) کے
تعلق پر بھی ہم دل کو دھوکا دے سکتے ہیں کہ دوستی (لگاؤ)
ہے لیکن جب کسی قسم کی دہاں گنجائش ہی نہ ہو تو کیا کریں۔
رہم، ”یارب“ مقامِ تعجب میں استعمال ہوتا ہے یعنی جو ش
اشتقاق میں قاصد کو پیغام رسانی کے طریقے اور ہر دم محبوب
کے شیب و فراز اور اندازِ حضور ہی سمجھاتے سمجھاتے ایک
عالمِ محبت میں خود ہی محبوب کے گھر تک پہنچ گئے کہ دفعۃً
خیال کا رخ بدلا۔ رُکے۔ اور منہ سے بے ساختہ نکل گیا ایسے
ہم تو قاصد کے ساتھ اس طرح ان کے دروازہ تک آ گئے
گویا ہم خود اپنے خط کو پہنچانے آئے ہیں۔

(۱۴) یعنی اب چاہے جو نفسانیوں سے موجِ خون سر سے
گزر ہی کیوں نہ جائے ان کے دروازہ سے اٹھنا کیسا ہے۔
(۱۵) یعنی زندگی بھر تو موت کی راہ دیکھتے رہے اب خدا

جائے مرنے کے بعد کیا پیش آئے۔
(۷) اُن سے یہ کس طرح کہیں کہ غالب آپ کا عاشق ہے اور
وہ پوچھتے ہیں کہ غالب کون ہے، اب کیا کہیں۔

لطافت ہے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتا
(۱) چمن زنگار ہے آئینہ باد بھاری کا

حرلیفت جو شش دریا نہیں خود داری ساحل
(۲) جہاں ساقی ہو تو باطل ہے دھوئی ہو بھاری کا

(۱) "لطافت"، "نرمی"، "پاکیزگی"، "کثافت"، "ماوریت"، "جلوہ" ظہور
و "نمو" "زنگار"، "عیقل"۔ یعنی روحانیت و لطافت بغیر مادیت
کے ظاہر و نمایاں نہیں ہو سکتی۔ باد بھاری کو کون دیکھ سکتا
ہے تا وقتیکہ اُس کے مظاہر، نعل و سیکھاں کی صورت اختیار
نہ کریں گویا باد بھاری مثل آئینہ کے ہے اور چمن اس کا زنگار
ہے اور یہی جلوہ باد بھاری ہے۔

(۲) "حرلیفت"، "مقابل"، "خود داری"، اپنے پر قابو رکھنا جو شش
دریا "روانی بھر"، "ساحل"، "کنارہ"۔ یعنی جب وہ اس قدر دریائی
اور عطائے پیہم کے ساتھ ہلائے تو بھلا ہوش و ضبط کے دعوے
کس طرح یا قی رہ سکتے ہیں۔ جس طرح طوفان آب کو ساحل روک
نہیں سکتا اسی طرح عطائے ساقی کا مقابلہ دعوے خود داری
سے ناممکن ہے۔

عشر قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا ۱۔ درد کا حد سے گزیرنا ہے دوا ہو جانا
تکڑے قسمت میں مری صورتِ قفلِ عجب ۲۔ کھال کھانا تہہ ہی چھو جانا

۳	دل ہوا کشمکش چارہ زحمت میں تمام	۳	مٹ گیا گھسنے میں اس عقدہ کا وا ہو جانا
۴	اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ	۴	اس قدر دشمن اربابِ وفا ہو جانا
۵	ضعف سے گریہ میل بہ دم سر ہوا	۵	ہاں آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا
۶	دل سے بٹنا تری انگشت ہنائی کا خیل	۶	ہو گیا گوشت کا ناخن سے جدا ہو جانا
۷	ہے مجھے ابرہاری کا برس کر کھلنا	۷	رُستے رُستے غم فرقت میں فنا ہو جانا
۸	گر نہیں نگہت گل کو تے کیجے کی ہوش	۸	کیوں ہے گردہ جولان صبا ہو جانا
۹	ناک تجھ پر کھلے اعجاز ہوا سے صیقل	۹	دیکھ برسات میں سبز آئینے کا ہو جانا

بجٹے ہے جلوۂ گل ذوق تماشا غالب
چشم کو چاہئے ہر رنگ میں وا ہو جانا

(۱) "عشرت" عیش و مسرت یہاں کامیابی اور کامرانی مراد ہے۔
یعنی قطرہ کی کامیابی یہی ہے کہ دریا میں مل کر جذب و فنا ہو جائے
اور اپنی مستی بھینٹیت قطرہ کے مٹا کر دریا میں شامل ہو کر خود
دریا ہو جائے۔ اسی طرح درد و عشق بھی ایک جزو ہے شفا و
حقیقی کا۔ اور اس کا جہد سے گزرنا خدا سے غیب میں ملنا
اور وصالِ معشوق حقیقی اور فنا فی الذات ہونا ہے۔

(۲) "قفل ابجا" اس قفل کو کہتے ہیں جس پر حروف منقش ہوتے
ہیں اور ان حروف سے ایک خاص لفظ بنتا ہے۔ جس کے
بننے پر قفل کھل جاتا اور حلقہ کھٹکے سے جدا ہو جاتا ہے۔
اس شعر میں اسی سے تمثیل کیا ہے۔ گویا تجھ سے صرف
اس لئے ملاقات ہوئی تھی کہ جانی کی مصیبت میں مبتلا
ہو جاؤں۔

(۸) کشمکش، کشش و کاوش، چارہ زحمت، علاج کلفت
 "عقد" گرہ۔ دل سے استعارہ و تشبیہ ہے۔ یعنی پہلے جو غم
 دل میں موجود تھا۔ اس کو رفع کرنے میں ایسی تکنیکیات اور
 آلام کا سامنا کرنا پڑا کہ یہ خود ایک مصیبت ہو گئی جس نے
 دل کو تمام کر دیا اور جس طرح گرہ کھولنے سے کھلتی تو ہے نہیں
 بلکہ گھس کر نا پید ہو جاتی ہے اسی طرح چارہ جو یوں کی
 و شوار یوں نے دل کو تمام کر دیا۔

(۹) شعر صاف ہے اور پانی کے ہوا ہو جانے کو اپنے گریہ کے
 سیدل بہ حرم سرور ہونے سے تمثیل کیا ہے۔

(۱۰) انگشت حسائی کی رعایت سے ناخن سے گوشت جدا
 ہونے کی ضرب المثل استعمال کی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ
 جس طرح وہ ناممکن ہے اسی طرح یہ خیال دل سے نکلتا
 محال ہے۔

(۱۱) غم فرقت میں روتے روتے میرا فنا ہو جانا ایسا ہی پُر لطف
 ہے جیسے ابر بہار کا برسنا اور برس کر کھلنا کہ ابر بہار کا کھلنا
 بھی خالی از لطف نہیں ہوتا۔

(۱۲) "نکبت گل" بوسے گل "گر و راہ" غبار راہ۔ صبا میں بوسے
 گل کے ملنے اور پھیلنے کی ایک شاعرانہ توضیح ہے۔

(۱۳) "ہوا" شوق، "اعجاز" کرشمہ، "قلعہ" جبلت، "آئینہ"
 نوا دی آئینہ پر مرطوب ہوا سے تنک آ جاتا ہے اس کو
 شاعرانہ انداز میں بیان کرتے ہوئے اعجاز شوق کا کرشمہ کہا

ہے کہ عقل بھی جوش شوق سے سبزی و نمو پیدا کر لیتا ہے
اور یہ بھی ہوائے موسم کی اشتیاق انگیزی ہے۔
(۱) جلوہ گل "خوبی و ناز ہنس گل یہ ذوق تماشا" لطف دید
اور ٹھیک۔ یعنی خود جلوہ گل ہی لطف دید پیدا کر دیتا ہے۔
اس لئے ہر حال میں آواز و دیدار رہنا چاہئے۔ لطف خود بخود
ہر چیز سے میسر آ جائے گا۔

رابطہ یک شیرازہ وحشت ہیں جزائے بہار | سبزہ بیگانہ صبا آوارہ۔ گل نا آشنا

(۱) "رابطہ" بنرش و جمع "شیرازہ" اور "کشب کی سلائی"
اسی رعایت سے جسرا استعمال ہوا ہے "سبزہ بیگانہ"
خود روگھاس "صبا آوارہ" پھیلی ہوئی اور چلتی ہوئی ہوا۔
یہ سب موصوفت صفت خاص خاص شاعرانہ اصطلاحیں
ہیں جن کا ظاہری و لفظی فائدہ نبوت وحشت کے لئے حاصل
کیا گیا ہے اور شعرا اپنے شاعرانہ انداز و محاسن اور حقیقت
ترجمانی میں اپنی آپ ہی نظیر ہے۔ مطلب ہے کہ سبزہ بیگانہ
صبا کے آوارہ اور گل نا آشنا کیونکہ بیگانگی آوارگی
اور نا آشنائی اور صفت وحشت میں سے ہے، بہار کے
اجزا ہیں انہیں کے مجموعہ کو بہار سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
حالانکہ یہ مجموعہ (یا عقبارا و صفا مذکورہ) محض رابطہ
شیرازہ وحشت ہے۔ گویا ایک خیال کی مختلف روایتوں نے
عالم اشکال پیدا کر دیا ہے۔

برہن شرم ہے باوصف شوخی اہتمام اُس کا
(۱) نگیں میں جو شرارِ سنگ ناپیدا ہے نام اُس کا

(۲) مسی آلودہ ہے مہرِ نوازشِ نامہ ظاہر ہے
کہ داغِ آرزوئے بوسہ دیتا ہے پیام اُس کا

(۳) بامید نگاہِ خاص ہوں محلِ کشِ حسرت
مبادا ہو عنانِ گیرِ تغافلِ لطفِ عمام اُس کا

(۱) ”برہن شرم“ پابند شرم و حجاب۔ ”باوصف شوخی“ باوجود شوخی۔
شوخی کے اہتمام سے اشارہ ہے کارِ ساز یوں اور قدرت
فرمایوں کی طرف۔ ”نگیں“ نگینہ۔ ”شرار“ پتنگا۔ یعنی باوجود شوخی
و ظہور کے اس کی کارِ فرمائیاں اور قدرتِ آرائیاں اس کے
جمال کے لئے حجاب ہیں اور ہر نگیں سے اُس کا نام
اس طرح غیر نمایاں ہے جس طرح مادہ آتش پتھر میں،
حالانکہ پتھر میں آگ ضرور ہے اور نگیں پر اس کا نام نامی بھی
ہے لیکن اس کی کارِ فرمائیاں باوجود ظہور اُس پر سے
حجاب نہیں اٹھاتیں۔

(۲) ”مسی آلودہ“ مسی لگی ہوئی۔ مہر اور داغ میں تشبیہ ہے اور
داغ اور مسی میں یگرنگی۔ مطلب ہے کہ خط کی مہر پر مسی کا نشان
ہے گویا میرے دل میں جو آرزوئے بوسہ نے داغ ڈال
دیا تھا اُس کا رنگ اُن لبوں پر نمایاں ہوا اور اب وہی
رنگ آرزوئے بوسہ اُس کی طرف سے پیامِ بوسہ لب کی
صورت میں مجھ تک پہنچا ہے۔

(۳) محل کش حسرت اور غمناں گیر میں عایت ہے یعنی یس زنگاہ
خاص کی آمید و حسرت کر رہا ہوں ایسا نہ ہو کہ ان کا لطف عام
مجھ ہی سے تغافل کر گزرے۔

دود کو آج اس کے ماتم میں سیاہ پوشی ہوئی
(۱) وہ دل سوزاں کہ کل تک شمع ماتم حنائی تھا
شکوہ یاراں غبارِ دل میں پتہاں کر دیا
(۲) غالب ایسے گنج گوشتیاں ہی ویرانہ تھا

(۱) ”دود“ دھواں۔ دھوئیں کے رنگ کو سیاہ پوشی و ماتم سے
تعبیر کیا ہے یعنی وہ دل سوزاں جو ماتم خانہ ارمان و تمنا کے
لئے باعتبار سوز کے شمع بزم ماتم کے مثل تھا آج مطلقاً جل
گیا اور صرف دھواں باقی رہ گیا جو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے
ماتم میں سیاہ پوش ہے۔

(۲) ”غبارِ دل“ غبارِ خاطر۔ ویرانہ سے دل کا استعارہ ہے۔ گویا
دل میں کچھ باقی ہی نہیں خواہشوں، تمناؤں اور طلبیوں کا حشر
ہو چکا شکوہ احباب جو کہ انکی دلچسپیوں اور مداراتوں پر منحصر
ہوتا ہے اس لئے اس کو گنج سے تعبیر کرنا نامناسب اور عایت
سے خالی نہیں۔ ”شایان“ لائق مستوجب۔ یعنی دوستوں کی
شکایت غبارِ دل میں پوشیدہ ہو گئی۔ (سرزمینِ دل میں تو
کچھ رہا ہی نہ تھا ویرانہ تھا اس سرزمین کے غبار میں گنج شکایت کا
پتہاں ہوتا یہ معنی رکھتا ہے کہ شکایت ہی باقی نہ رہی) ایسے شعر آ
سکتے ایسا ہی ویرانہ چاہئے تھا۔

پھر وہ سوئے چمن آتا ہے خدا خیر کرے ۱ | رنگ آٹا ہے گلستاں کے ہوا و افونگا

(۱) "ہوا داران چمن" یعنی پھول - یا پھولوں کے خیر طلب -

پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موج شراب
دے بطے کو دل دوست شام موج شراب (۱)

پوچھ مت وجہ سیہ مستی ارباب چمن
سایہ تاک میں ہوتی ہے ہوا موج شراب (۲)

جو ہوا غرقہ سے بخت رسا رکھتا ہے
سر سے گزے پر بھی ہے بال ہما موج شراب (۳)

ہے یہ برسات وہ موسم کہ عجب کیا ہے اگر
موج ہستی کو کرے فیض ہوا موج شراب (۴)

چار موج اٹھتی ہے طوفان طرب سے ہر سو
موج گل موج شفق موج صبا موج شراب (۵)

جس قدر روح بنا تی ہے جگر نشہ ناز
دے ہے تسکین بدھم آب بقا موج شراب (۶)

بسکہ دورے ہے رگزار میں خوں ہو ہو کر
شہر رنگ سے ہے بال کشا موج شراب (۷)

موجہ گل سے چراغاں ہے گزر گاہ خیال
ہے تصویریں رہیں جلو نما موج شراب (۸)

نشے کے پردے میں ہے مورتی شانی داغ
بسکہ رکھتی ہے سر نشو و نما موج شراب (۹)

ایک عالم پہ ہیں طوفانی کیفیت فصل (۱۰)

موجہ سبزہ نوخیز سے تا موج شراب

شرح ہنگامہ ہستی ہے زہے موسیم گل
(۱۱) رہیر قطرہ بدریا ہے خوشا موج شراب

ہوش اٹھنے میں سرے جلوہ گل دیکھ اسد
(۱۲) پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موج شراب

(۱) بال کشا "آئینہ پرواز۔ موج شراب کی بال کشائی سے
جوش شراب یا دودہ ساغر کی جانب اشارہ ہے۔ "بطے"
بط کی شکل کا ایک طرف جس میں شراب بھرتے ہیں۔ "دل"
ہمت۔ "دست" طاقت۔ "دل دوست" موقع یا اجازت۔ "شنا"
تیرنا۔ بط کی رعایت سے یہ لفظ استعمال کیا ہے مقصود دور ہے
مطلب ہے کہ آب وہ وقت آگیا ہے کہ شراب میں جوش پیدا ہو۔
دورہ ساغر اور بخاری ہو۔

(۲) "سیہ مستی" بدستی نشاط، مدہوشی۔ سایہ و سیاہ میں تشبیہ ہے
"ساک" انگور کی بیل یعنی اہل چین کی مسیہ مستی کا سبب کیا پوچھتے،
کیونکہ انگور کی بیل کے سایہ میں (غالباً اثر مصاحبت سے) ہوا میں
شراب کی تاثیر ہو جاتی ہے۔

(۳) "سخت رسا" اور سرے گزرنے کی رعایت سے "بال نہما" لایا گیا ہے۔
مطلب ہے کہ نشہ سے حد سے گزرنے پر بھی عیش و نشاط
سے خالی نہیں ہوتا۔

(۴) "موج ہستی" روح سے استعارہ ہے یا میلان و رجحان
اور کیفیات و جذبات روحانی مراد ہیں۔ یعنی یرسات ایسا

خوشگوار موسم ہے کہ فیض ہوائے لطیف سے اگر روح متکلیف
اور جذبات سے سرشار ہو جائے تو کوئی تعجب نہیں۔
(۵) "طوفان طرب" شدت طرب۔ گویا موج گل۔ موج شفق۔ موج
صبا اور موج شراب عالم مصرت و طرب کے بہترین مظاہر
و منظر ہیں۔ موج کی ترکیب تمام الفاظ میں طوفان کی رعایت
سے واقع ہوتی ہے۔

(۶) "روح نباتی" قوت نشو و نما۔ قوت نامیہ۔ "جگر تشہ ناز"
طلبکار نمو اور نشو و نما حاصل کرنے کا جوش و ہيجان "تسکین" کا
لفظ جگر تشہ کی رعایت سے استعمال ہوا ہے اور اسی رعایت
سے "آب بقا" جس سے مراد باران ہے۔ "جس قدر" سے
اشارہ ہے عام روح نباتی کی جانب جو تمام کائنات اور
انسانوں میں ہے۔ "ناز" کا لفظ نامیہ انسانیہ ہی کے لئے
خاص ہے۔ اور یہاں ولولہ اور مستی و نشاط مقصود ہیں مطلب
ہے کہ جس طرح یار مشق کا پانی نبات کی پیاس بجھاتا ہے
اسی طرح نامیہ انسانیہ کے لئے برسات میں شراب و جہ
تحریک و نمو ہوتی ہے۔

(۷) "رگ" ریشہ۔ "رنگ" بیل کی سبزی وغیرہ کی طرف
اشارہ ہے اور رنگاڑنے کی رعایت سے "شہر اور بال کشا"
استعمال ہوئے ہیں یعنی انگور کی بیل کے ریشوں وغیرہ میں
شراب خون کی طرح سرایت کرتی ہے اور پتوں میں رنگ
بن کر نمودار ہوتی ہے۔

(۸) گل و چراغان ہیں تشبیہ ہے۔ اور شراب و گل ہیں بھی رنگ و بھسبہ ہے۔ اور جلوۂ گل "نور چراغان اور جلوہ ثنائی" موج شراب سب رعایات ہیں۔ اور شراب کا ایک نام گل بھی ہے۔ مطلب ہے کہ تصور میں شراب جلوہ نما ہے اس لئے گذرگاہ خیالی روشن ہے۔

(۹) دماغ نظامِ عصبی کا مرکز اور حسیات و مدارکات وغیرہ کا فیج و منشأ ہے۔ "سرخیاں" نشہ اور منشأ (دماغ) ایک قبیل و مادہ کے الفاظ ہیں۔ مطلب ہے کہ شراب ہو نشہ بن کر دماغ میں پہنچتی اور دماغ میں گھومتی (محو تماشا) ہے۔ غالباً نشوونما چاہتی ہے یا یہی اس کے لئے نشوونما ہے۔

(۱۰) "طوفانی" شدت زیادتی۔ "سبزۂ نوخیز" نیا اگا ہوا سبزہ۔ یعنی فصل بہار نے سبزہ و شراب سب پر کیفیت و رونق اور لطف پیدا کر دیئے ہیں۔ سبزۂ نوخیز کے ساتھ موجد کی ترکیب بھی طوفانی کی رعایت سے ہے۔

(۱۱) "شرح" تفصیل۔ "نمایش" ہنگامہ، ہستی "موجودات و کائنات" "سبزۂ بدریا" قطرہ کو دریا سے ملا دینے والا۔ موسمِ گل موسم بہار میں نشو و ارتقا کا ظہور زیادہ نمایاں اور عام ہوتا ہے اور اس موسم میں نامیدہ کی کارپردازیاں تخلیق و تکوینِ عالم کی مثال کو زندہ و تازہ کر دیتی ہیں۔ پھر اس عالم میں ہمارے لئے وہی چیزیں ہیں۔ مخلوقات و کائنات اور حسنات و برکتوں۔ مخلوقات کی کیفیت نظارۂ نشوونما سے معلوم ہوتی ہے اور

ذات خالق تک رسائی کے لئے مظاہر سے قطع نظر کرنا ضروری ہے۔ موسم گل سے ہمیں علم نشو و ارتقا حاصل ہوتا ہے اور شراب سے خود فراموشی و عالم فراموشی یعنی خودی مٹنا اور ماسوا اللہ کا معدوم ہونا ہے۔ پھر بے خودی اور عالم فراموشی ہی وہ راہ ہے جس سے ذات یاری تک رسائی ہوتی ہے اور چونکہ ہمارا وجود باعتبار تنزلات ذات کے ایک قطرہ ہے اُس دریائے حقیقت کا۔ اس لئے اس قطرہ کی دریائے حقیقت تک رسائی مقصد حیات ہے۔ نیز شراب سے یہی شراب مراد نہیں بلکہ مستی و نشاط عشق الہی مقصود ہے۔ پس مطلب یہ ہے کہ دنیا میں دو ہی چیزیں قابل غور ہیں وجود اور حقیقت۔ وجود کی تفسیر و تشریح مطالعہ کائنات سے معلوم ہو جاتی ہے اور حقیقت شناسی خود فراموشی و عالم فراموشی سے میسر آتی ہے۔

(۱۲) ہوش اُڑنا۔ محاورہ ہے۔ اور اُڑنے کے لئے بال کشا اور ہوش اُڑنے کے لئے بال کشائی موج شراب بہترین مناسبت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ موسم بہار سے طبیعت پر ضبط و قابو نہیں اور بس عین مے نوشی کا وقت ہے۔

افسوس کہ دیدار کا کیا رزق فلک سے ۱ جن لوگوں کی تخی درخور عقد گہرا نگشت کافی ہے نشانی تری چھلے کا نہ دیتا ۲ خالی مجھے دکھلا کے بوقت سفر انگشت

لکھتا ہوں اسد سوز دل سے سخن گرم
تار کھونہ سکے کوئی مرے حرف پر انگشت

(۱) دیدانِ کیرے (عقیدہ گوہر انگشت گوہر موتیوں اور کیروں میں تشبیہ ہے یعنی ابھی ان کے خاک میں ملنے کے دن نہ گئے)

(۲) یہ شوخی یادگار ہے کہ نشانی مانگتے وقت تو نے انگوٹھا دکھایا یا خالی انگلی دکھادی کہ انگلی میں چھلا نہیں۔

(۳) حرف پر انگلی رکھنا "غلطی کی گرفت یا عیب چینی کرنا" یعنی گرمی سخن سے حرف بھی جلتے ہیں اب اگر کوئی عیب چینی کے لئے انگلی حروف پر رکھے گا تو انگلیاں جل جائیں گی۔

۱	رہاگر کوئی تاقیامت سلامت	تو اک روز مرنا ہے حضرت سلامت
۲	جگر کو مرے عشقِ خوتا بہ مشرب	لکھے ہے خداوند نعمت سلامت
۳	علی الرغم دشمن شہید و فاہوں	مبارک مبارک سلامت سلامت
۴	نہیں گریہ و برگ ادراک معنی	تماشا ہے نیرنگ صورت سلامت

(۲) "مشرب" طریق و مسلک لیکن یہاں لفظی رعایت سے استعمال کیا گیا ہے۔ مطلب صرف یہ ہے کہ عشقِ خون جگر سے پرورش پاتا ہے۔

(۳) "علی الرغم" ضد و مخالف۔ اس میں رعایات یہ ہیں کہ رقیب کی ضد و خلاف نشانیں شہید و فاہوں اس لئے مبارک یاد چونکہ شہادت اعتقادِ زندگی جاوید ہے اس لئے "سلامت"۔

(۴) "سرو برگ" ساز و سامان مراد اہلیت۔ "ادراک" علم عقلی۔ "معنی" حقیقت۔ "صورت" مجاز۔ "نیرنگ" عجائبات یعنی اگر حقیقت شناسی کی اہلیت نہ ہو تو عجائبات مجاز کی ظاہری سیر بھی

خالی از لطف نہیں۔

مُند گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں غالباً | | پار لائے مرے بالیں پہ اسے پر کس وقت

(۱۱) یعنی اتنے وقفہ میں کہ آنکھیں کھول کر دیدار یا رکروں آنکھیں
ہمیشہ کے لئے بند ہو گئیں (یعنی موت آگئی) احباب ان کو لائے
بھی تو آخری وقت لائے۔

دو دو شمع کشتہ تھا شاید خطِ خسارِ دوست
کون لاسکتا ہے تابِ جلوۂ دیدارِ دوست
صورتِ نقشِ قدمِ جہلِ فتنہ نقارِ دوست
کشتہ دشمن ہوں آخر گرچہ تھا بیمارِ دوست
دیدۂ پُرخوں ہمارا ساغرِ شرابِ دوست
بے تکلفِ دوست ہو جیسے کوئی غوارِ دوست
مجھ کو دیتا ہے پیامِ عدۂ دیدارِ دوست
سرکے ہوئے حدیثِ زلفِ عنبرِ بارِ دوست
ہنس کے کرتا ہے بیانِ شوخی گفتارِ دوست
یا بیاں کیجے سپاسِ لذتِ آزارِ دوست

آہِ خط سے ہوا ہے شرابِ بازارِ دوست
لے دلِ نا عاقبت اندیش ضبطِ شوق کر
خانہ ویراں ساز ہے حیرت تماشا کیجئے
عشق میں بیدارِ شکِ غیر سے مارا کیجئے
چشمِ بارِ روشن کہ اس بیدار کا دل شاد ہے
غیر لوں کرتا ہے میری پرستش اس کے بھر میں
تا کہیں جانوں کہ ہے اس کی رسانی ان تلک
جکھیں کرتا ہوں اپنا شکوۂ ضعفِ دلغ
چپکے چپکے مجھ کو روتے دیکھ پاتا ہے اگر
مہربان نہائے دشمن کی شکایت کیجئے

یہ غزل اپنی مجھ جی سے پسند آتی ہے آپ
بے دلفِ شعر میں غالب زینِ تکرارِ دوست

(۱۱) "سرد بازار ہو جانا" محاورہ ہے جس کے معنی طلب باقی نہ رہنا
وغیرہ وغیرہ ہیں۔ "بازارِ دوست" سرد ہو جانے سے کسی عشق و
عشاق مراد ہے۔ "خط آنا" دارِ بھی نکلتا اور بالوں کے رنگ کی
تشبیہ "دو دو خسار" کی شمع سے دی ہے نیز سرد اور شمع

گشتیں رعایت ہے۔ خیال بالکل ایرانی شاعری کا سا ہے جو ذوق سلیم کو مرغوب نہیں۔

(۳) "خیرانی" اور نقش قدم میں عدم حرکت وجہ شبہ ہے۔ "خانہ ویراں سازی" گھر کی تباہی۔ "زفتہ" وارفتہ بے خود اور لفظی طور پر وارفتہ رفتار سے پس ماندہ رفتار یعنی نقش قدم مترشح ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں ایسا وارفتہ خرام یا رہوں کہ دوسری کسی بات کی خبر ہی نہیں اور یہی بے خبری و عالم فراموشی خانہ ویراں ساز ہے۔ گویا اس کے چلے جانے کے بعد تین مٹا ہوا سا نقش قدم ہوں۔

(۴) رشک رقیب میں مرنے کو کشتہ دشمن اور عشق کو بیمار شی دوست سے تعبیر کیا ہے۔

(۵) چشم مارو شن دل ماشاد مشہور محاورہ ہے جو شعر میں مخصوص بندش کے ساتھ نظم ہوا ہے۔ دیدہ خو نقشاں اور ساغرے میں تشبیہ ہے چشم و دل کے دو متضاد احوال بیان کئے ہیں یعنی گوہم خون روتے ہیں اور وہمے نوشی کے عیش میں گزارتے ہیں۔ لیکن ہم ہر حال میں خوش ہیں کہ وہ خوش ہیں۔

(۶) (قطعہ ہے) اور رعایات لفظی سے بھرا ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رقیب بجائے تسکین اور دلا سے کے ہر بات آن کی یاد دلاتا اور سمند اضطراب پر تازیانہ لگاتا رہتا ہے۔ اور مجھے حیرت ہے کہ دوست کے لطف ستم کی تعریف کروں یا دشمن کی عنایت کی شکایت۔

۱	گلشن میں بند و لیست برنگت گرہ ہے آج	۱	قمری کا طوق حلقہ بیرون در ہے آج
۲	آتا ہے ایک پارہ دل ہر فتاں کیساتھ	۲	تار نفس کند شکار اثر ہے آج
۳	لے غایت کنارہ کر لے انتظام چل	۳	سیلاب گریہ در پے دیوار در ہے آج
۴	معزولی پیش ہوتی، افراط انتظار	۴	چشم کشودہ حلقہ بیرون در ہے آج

۱۱ "بند و لیست" لغوی طور پر اس کے معنی روک تھام کے اور عام طور پر انتظام و اہتمام کے ہیں "حلقہ بیرون در" دروازہ کی بیرونی زنجیر یا رخ کے اندرونی اہتمام اور بیرونی روک تھام کے لئے ضروری تھا کہ دروازہ باغ کی زنجیر اندر سے لگائی جائے لیکن حلقہ بیرون در سے معلوم ہوتا ہے کہ باہر سے دروازہ بند کیا گیا ہے۔ پھر قمری کے طوق کا قرینہ کچھ اور چاہتا ہے۔ قمری کے طوق کو شعر اگر قناری عشق سے تعبیر کر کے اور قمری کو سرو آزاد کی عاشق قرار دیتے ہیں اور عشاق کے لئے آداب عاشقی بھی وصال کے منافی ہیں اور حقیقی وصل یہ ہے کہ ہمہ تن محبوب اور یکسر محبوبیت ہو جائے اور تعلقات عاشقی اٹھائیے جائیں۔ چنانچہ غالباً قمری کا طوق حلقہ بیرون در سے ہی اشارہ ہے۔ مطلب ہے کہ تم میں آج عجیب انتظام ہے۔ اختیار و اجانب کا گزر نہیں۔ عشاق و معشوق یک رنگ و واصل ہیں اور اندر یکسر معشوقیت و محبوبیت کی شادمانیاں اور مستی ہیں۔ جمال آرا ہیں۔ دوسرا مطلب یہ بھی نکلتا ہے کہ باہر دروازہ بند کرنے کا بند و لیست غالباً اس لئے ہے کہ بیگانوں کی صرف روک تھام ہی نہیں بلکہ ان کا گمان و خیال بھی اس طرف

نہ جاسے کہ باغ میں کچھ ہے اور خدا جانے ایسے عالم راز میں
کیا ہو رہا ہے۔

(۲) ”پارہ دل“ نخت دل ”فغان“ نالہ ”نفس“ سانس تارِ نفس۔
کنند کی رعایت و تشبیہ کی وجہ سے کہا گیا ہے ”شکارا اثر“ اثر
جو شکار ہوا ہے۔ یعنی تاثیر جو حاصل و میسر ہوئی ہے۔
مطلب ہے کہ آج ہر نالہ کے ساتھ ایک پارہ دل یا ہر آتما
ہے گویا سانس کی کنند میں اثر نالہ پارہ دل کی صورت میں
شکار ہوا ہے۔

(۳) ”عافیت و انتظام“ سیلاب کی رعایات ہیں۔ شدتِ گریہ
کے لئے کنارہ کشی عافیت رخصتِ انتظام اور خطرہ و یوارود
شاعرانہ مبالغے ہیں۔

رم ”معزولی“ علیحدگی ”پیش“ جلن ”افراط“ زیادتی ”چشم کشودہ“
کھلی ہوئی آنکھ ”چشم انتظار“ چشم کشودہ اور حلقہ زنجیر میں
تشبیہ ہے۔ یعنی انتظار کی زیادتی نے کیفیت اضطراب و
سوز دل کو دور کر دیا ہے اور دروازہ کی جانب ہمہ تن
انتظار ہو کر اس طرح دیکھ رہا ہوں گویا حلقہ زنجیر میری چشم
منتظر بن گئی ہے۔

۱	اگر شراب نہیں انتظار ساغر کھینچ	نفس نہ انجمن آرزو سے باہر کھینچ
۲	برنگ خار مرے آئینہ سے تو ہر کھینچ	کمال گر حسی سعی تلاش دید نہ پوچھ
۳	کیا ہے کس نے اشارہ کہ نازِ بستر کھینچ	تجھے بہانہ راحت ہے انتظار لے دل
۴	بکوری دل و چشم و رقیب ساغر کھینچ	تیری طرف ہے بہ حیرت نظارہ نرگس

۵۔ نیام پردہ زخم جگر سے خنجر کھینچ برف سے سفرہ کہاں دل سمندر کھینچ	بہ نیم غمزہ ادا کر حق و دلایت ناز مرے قلع میں ہے صبا کے آتش نہاں
---	---

(۱) یعنی ایک سانس بھی انجمن آرزو سے باہر نہ گزار دیا بغیر
آرزو اور تمنا کے ایک سانس بھی نہ لو، اگر شراب نہ ہو تو جام
شراب کا انتظار ہی سہی، غرض کہ عیش طلبی کی سعی سے غافل
نہ ہونا چاہیے۔

(۲) "برنگ خار" کانٹوں کی طرح، جو ہر آئینہ اور رخا میں تشبیہ
ہے۔ آئینہ اشتیاق وید سے استعارہ ہے یعنی تلاش دیدار میں
جس سرگرمی سے میں پھرتا ہوں، اس کا حال کیا پوچھتے ہو، آئینہ
اشتیاق وید کے جوہر اگر دیکھتے ہوں، تو وہ کانٹے ہیں، جو اس
چکر میں، میرے پاؤں میں پھنسے ہیں۔

(۳) "ناز بستر اٹھانا" آرام و راحت کے منہ لوٹنا۔ دل سے
خطاب ہے، کہ یہ جو بستر پر پڑے پڑے انتظار کیا جا رہا
ہے، سب آرام طلبی کا بہانہ ہے، تجھ سے کس نے کہا،
کہ ناز بستر اٹھا۔

(۴) "پیشم نرگس" کو شعرا کو بھی لکھتے ہیں۔ نرگس و ساغر میں
تشبیہ ہے اور شراب کسی کی یاد میں پیتے ہیں۔

(۵) "نیم غمزہ" نگاہ غلط انداز سے استعارہ ہے۔ "دلایت"
امانت۔ پردہ زخم جگر سے نیام کی تشبیہ ہے۔ یعنی ناز پار سے
جو خنجر پردہ زخم جگر میں نیام کر دیا، اس امانت کا حق ہے کہ
نگاہ غلط انداز سے خنجر کو بے نیام کر دے۔ گویا، ناز سے جو

کسر باقی رہ گئی ہے۔ اُس کو غمزہ پورا کر دے گا۔

(۱) "قلعہ" پیالہ۔ دل سے استعارہ ہے۔ "صہبا" شراب
 "آتش پنہاں" عشق جہاں سوز "سفرۃ" دسترخوان۔ سمندر اُس
 کپڑے کا نام ہے، جو آگ میں نشوونما پاتا ہے۔ مطلب ہے کہ
 میرا دل ایک ساغر ہے جس میں شراب عشق موجود ہے اس لئے
 اُس کی مناسبت سے دل سمندر کے کیا پ درکار ہیں۔

حسن غمزے کی کشاکش سے چھٹا میرے بعد (۱)

بارے آرام سے ہیں اہل جفا میرے بعد

(۲) منصب شیفتگی کے کوئی متاثر نہ رہا
 ہوئی معزولی انداز وادامیر سے بعد

شع شجعتی ہے تو اس میں سے دھواں اٹھتا ہے (۳)
 شعلہ عشق سید پوش ہوا میرے بعد

(۴) خوں ہے دل خاک میں احوال ہوتاں پرینے
 اُن کے ناخن ہوئے محتاج حنا میرے بعد

(۵) درخور عرض نہیں جو ہر بیداد کو جیا
 نگہ ناز ہے تیرے سے خفا میرے بعد

(۶) ہے جنوں اہل جنوں کے لئے آغوش و دایع
 چاک کرتا ہے گریباں سے جدا میرے بعد

(۷) کون ہوتا ہے حریف سے مردافسگن عشق
 ہے مگر رلب ساقی پہ صلا میرے بعد

(۸) نظم سے مرتا ہوں کہ اتنا نہیں دنیا میں کوئی

کہ کرے تعزیت حرو و قایمیرے بعد
آئے ہے بیکسی عشق پہ رونا غالب
(۹) کس کے گھر جاتے گا سیلاب بلا میرے بعد

(۱۱) یعنی میرے مرنے کے بعد اہل حق کو غمزدہ روائی کی تکلیف
سے فرحت ہو گئی۔

(۲) "نصب" "تقریر و تعین" "معزولی" برخواست کرنا یعنی آب
شیفتگی و وارفتگی کی خدمت انجام دینے کے لائق کوئی باقی نہ رہا۔
اس لئے میرے بعد ناز و انداز حسن معطل کر دیئے گئے۔

(۳) یعنی شعلہ عشق کی بقا میرے دم سے تھی، میرے مرنے
پس یہ شعلہ بجھ گیا۔ اور شمع جب بجھتی ہے تو دھواں نکلتا ہے
پس شمع عشق کے بجھنے سے جو دھواں نکلتا ہے وہ تو یا میرے
ماں میں عشق کی سیہ پوشی ہے۔

(۴) یعنی حسینوں کے ناخن میرے خون سے رنگے جاتے تھے
اور چونکہ میرے بعد حنا کی احتیاج ہو گئی اس لئے نہ خاک میرا
دل آن کی اس حنا بندی پر خون ہوا جاتا ہے۔ — یا یہ کہ
اُن کے ناخنوں کو حنا کی ضرورت ہے اور میرا سوگ مانع
حنا بندی ہے۔ اس رنج سے میرا دل خون ہوا جاتا ہے کہ
میری وجہ سے اُن کی آرایش میں فرق آ رہا ہے۔

(۵) "در خور عرض" قابل اظہار مطلب ہے کہ میرے بعد
نگہ ناز سرمہ سے خفا ہے، کیونکہ اس جو ہر بیدار سے کام
لینے کا کوئی موقع نہیں رہا۔

(۶) "آغوش و دل" رخصتی بغل گیری۔

(۷) "حریف" مقابل۔ "مرد افکن عشق" وہ شراب عشق جس کی
مستی کو بڑے بڑے اہل ہمت ضبط نہ کر سکیں۔ "صلا" اذن
"مکر" کے لفظ سے سوال و جواب دونوں حاصل ہوتے ہیں۔
یعنی میرے مرنے کے بعد ساقی حسن و عشق، پیما نہ عشق
لے کر کتا ہے، کہ کوئی ہے جو اس سے مرد افکن کا مقابل ہو۔
(یعنی اس جام عشق کو پی سکے) اس خطاب و صلا پر
آواز سے بر فحاست کا مضمون ہوتا ہے، مجبور و مایوس
ہو کر مکر خود ساقی کتا ہے کہ "اے بھلا کون اس کا مقابل
ہو سکتا ہے!"

(۸) یہ غم مجھے اور بھی ہلاک کئے دیتا ہے کہ میرے بعد تعزیت
مرو وفا بھی کوئی نہیں کر سکتا۔ یعنی وفا تو وفا، کوئی تعزیت
وفا بھی نہیں کرتا۔

(۹) "سیلاب بلا" طوفان مصائب۔ استعارہ ہے عشق سے اور
سیلاب کا نتیجہ گھروں اور آبادیوں کی بربادی ہوتا ہے اگر
یہ نہ ہو تو سیلاب کی ناکامی و بے اثری ہے مطلب ہے کہ
عشق ویراں سائے کی میزبانی کرنے والا میرے بعد کوئی نہیں
اور اس کی اس بیگسی پر رونا آتا ہے کہ اس سیلاب بلا کے لئے
کوئی ٹھکانہ یا قی نہ رہے گا۔

۱۔ نگاہ شوق کو ہیں بال پر درو دیوا	۲۔ بلا سے ہیں جو یہ پیش نظر درو دیوار
کہ ہو گئے میرے نیوار و در، درو دیوا	و فوراً شک نے کاشانے کا یہ رنگ کیا

۳	نہیں ہے سایہ کہ شکر نویدِ مقیم بار	۴	گئے ہیں چن۔ ق۔ م پیش ترور و دیوار
۵	ہوئی ہے کس قدر رزائی سے جلوہ	۶	کہ مست ہے تھے کیچے میں ہرور و دیوار
۷	جو ہے تجھے مسرور اسے انتظار تو	۸	کہ ہیں دکان مستل نظر و دیوار
۹	وہ آدھے ہمارے ہمسایہ میں تو سایہ سے	۱۰	ہوئے قہار و دیوار پرور و دیوار
۱۱	نظر میں کھٹکے ہیں بن تیرے گھر کی آبا	۱۲	ہمیشہ روتے ہیں ہم دیکھ کر در و دیوار
۱۳	ہجوم گرہ کا سامان جب کیا میں نے	۱۴	کہ گر پڑے نہ مرے پاؤں پرور و دیوار
۱۵	نہ چھو بیخودی عیش مقیم سیلاب	۱۶	کہ ناچتے ہیں پڑے سر بسر در و دیوار

۱۰
نہ کہ کسی سے کہ غالب نہیں رہا میں
حریفہ رازِ محبت مگر در و دیوار

(۱) یعنی در و دیوار کے حجابات میں صاحب خانہ (محبوب) ہم سے لچب نہیں رہ سکتا، کیونکہ در و دیوار سے جب نگاہیں روکتی ہیں، طبیعت ابھرتی ہے، اضطراب بڑھتا ہے اور جوش شوق کا دھور ہوتا ہے۔ نگاہ شوق کی تلاش و جستجو زیادہ ہو جاتی ہے۔ گویا در و دیوار افزائش اشتیاق کے سبب ہوتے ہیں۔ غرض کہ نگاہ شوق کے لئے در و دیوار بال و پر ہو جاتے ہیں۔

(۲) "تو فوراً شک" آنسوؤں کا تار۔ یارو نے کی کثرتِ بدکاشانہ مکان "رنگ" حالی یعنی رونے کے طیفان نے دروازوں کو گرا دیا ہے، اور دروازوں کے سامنے انبار ہو گیا ہے یعنی ایک دیوار سی بن گئی ہے، اور دیواروں کی شکستگی سے دروازے بن گئے ہیں۔

(۱۳) لڑپڑ "خوشخبری" "مفہم" "آدم" یعنی سایہ درویدار نہیں ہے، بلکہ دوست کے خیر مفہم کے لئے درویدوار آگے بڑھے ہیں۔
(۱۴) جلوہ درویدار ہا ایکو مٹے سے تعبیر کیا ہے، اور یہ مبالغہ کلام ہے کہ درویدوار پر بھی مستی و نشاط کا عالم ہے۔

(۱۵) "متاع" جنس مراو ہے "متاع نظر" انتظار سے استعارہ ہے "میسووا" خیال خریداری یعنی اگر تجھ کو سولے انتظار خریدنا ہو تو آ۔ درویدوار اس جنس کی دکان ہے رکیوں کہ میری پر شوق نگاہیں، اور درویدوار پہنچ گئی ہیں،
(۱۶) یعنی میرے گھر کی درویدوار کا سایہ اس کے درویدوار پر پڑتا تھا گویا میرے درویدوار اس کے درویدوار پر قربان وقت راہور ہے تھے۔

(۱۷) دریائی و صحرائی کے مقابلہ میں آبادی، مہک کا شہر اور درویدوار سے مقصود ہے۔ ادرا نگاہوں میں کسی شے کے نگہ شکن سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ تو گویا یہ آبادی ناگوار ہے، اور گریہ ہجر و تراق کی غایت میں ہے۔

(۱۸) مبالغہ ہے یعنی کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے رونے کی تیاری کی ہو اور درویدوار گردہ پڑے ہوں "پاؤں پرگنا" یعنی اظہارِ غم کرنا کہ اگر آپ گریہ کریں گے تو سیل گریہ ہمیں بھسا دے گا، نگہ شکن ایک جہی نکلا کہ بجائے سیل گریہ سے گرنے کے غم و خوف سے گر پڑے۔

(۱۹) درویدوار کے گریٹے کو رقص سے تشبیہ دے گا، سیلاب

کی مسرت برپا دی کا اظہار کیا ہے۔

(۱۰) غالبؔ ابراز محبت، شہنے کی تاب و طاقت کسی میں نہیں،
و رو و دیوار، سے جان و دل ہیں۔ اس لئے شاید یہ سن کر سناکت
و جامد قائم رہ سکیں تو ان سے کہنا نہ کہنا برابر ہے۔

۱	گھر جب بنا لیا ترے در پر کے بغیر	۱	جانے گا اب بھی تو نہ مرا گھر کے بغیر
۲	کہتے ہیں جب رہی نہ مجھے طاقت سخن	۲	جانوں کسی کے دل کی میں کیا کر کے بغیر
۳	کام اُس سے آپڑا ہے کہ جس کا جہان ہیں	۳	لیوے تو کوئی نام، شہنشاہ کے بغیر
۴	جی ہی میں کچھ نہیں ہے ہمارے دگر ہم	۴	سمر جائے یا رہے نہ رہیں پر کے بغیر
۵	چھوڑ دینا میں نہ اُس بُت کا پوجنا	۵	چھوڑ دے نہ خلق کو مجھے کا فر کے بغیر
۶	مقص ہے ناز و غمزہ و گفشتا و سر کام	۶	چلتا نہیں ہے دشمنہ و دشمن کے بغیر
۷	ہرچیز ہو مشاہدہ حق کی گفتگو	۷	بہتی نہیں ہے باد و باران کے بغیر
۸	بہا ہوں میں تو چاہئے و نہا و الفت	۸	سنتا نہیں ہوں بات اگر کے بغیر

۹
ظاہر ہے میرا حال سب ان پر کے بغیر
ظاہر ہے کہ شہنشاہ میں تو پارہ پارہ عرض

(۱۱) یہ تمام بیان شعر بہانہ حال ہے۔ کہ جب مجھ میں تو سب
گویائی باقی تھی اُس وقت تو پرستش حال فرمائی نہیں۔ اب
سکوت موت کے وقت ارفع الزام کے لئے فرما ہے میں کہ
میں بھلا بغیر کے، کسی کے حال دل سے کس طرح واقف
ہو سکتا ہوں۔

(۱۲) یعنی شہنشاہ یہ زمانہ جفا پیشہ سے واسطہ الفت قائم ہے۔

(۱۳) یعنی ہم جہاں چاہیں ہیں تو اس لئے کہ دل میں کچھ باقی نہیں۔

ور نہ دل میں کچھ ہو تو بلا ان ریشہ اشجام کہ گذرتے ہیں۔
(۵) چاہے زمانہ مجھے کافر ہی کیوں نہ کہے لیکر میں افس منکر عشق
کی محبت سے منہ نہ موڑوں گا۔

(۶) مراد یہ ہے کہ مقوم قلبی، کی تفہیم کے لئے ضروری ہے کہ
تمثیلات و تشبیہات سے کام لیا جائے۔

(۷) سچ یہ ہے کہ امثال و تشبیہ اگر نہ ہوں تو ہزاروں اثرات
و کیفیات کے علم و تمیز اور سرسری احساس سے بھی انسان
محروم رہ جائے۔ پس مشاہدہ جمال حق کی گفتگو اگر ہو، تو سوائے
اس کے کیا چارہ کار ہو سکتا ہے کہ ہم ان تمثیلات سے کام
لیں۔ جو ہمارے دہن و فکر کے منتہا ہے پرواز تک پہنچتی
ہوں۔

(۸) ایک مطالبہ الثفات ہے۔

(۹) یعنی بار بار عرض کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ حضور کو
بقیر کے سبب مراد معلوم ہے۔

۱	کیوں جل گیا نہ تاب رخ یار ویکھ کر	جیتا ہوں اپنی طاقت ویدار ویکھ کر
۲	آتش پرست کہتے ہیں الیٰ جہاں مجھے	سگرگرم نالہ ہائے شرر یار ویکھ کر
۳	کیا آبرو ہے عشق جہاں عام ہو جفا	رکتا ہوں، تم کیسے سبب آزار ویکھ کر
۴	آتا ہے میرے قتل کو پرچہ ترشہ	میرتا ہوں افس کے ہاتھ میں تلوار ویکھ کر
۵	ثابت ہوا ہے گرہن دنیا پر توں خلق	لرزے ہے مجمع مٹے تیری رفتار ویکھ کر
۶	وا حسرتا کہ یار نے مجھ پر ستم سے ہاتھ	ہم کو شعلہ لہر لہر آزار ویکھ کر
۷	کہا جاتا ہے میں ہم آہن تاج سخن کیسا	سب سے عریاں تاج خدیار ویکھ کر

زُتار باندھ سبھہ صد روانہ توڑ ڈال ۸
 ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا جس ۹
 کیا بارگمان ہے مجھ سے کہ آئینے میں کسے ۱۰
 گرنی تھی ہم پہ برقی بجلی نہ طور پر ۱۱
 رہسرو چلنے ہے راہ کو ہموار دیکھ کر
 جی خوش ہوا ہے راہ کو پُر خوار دیکھ کر
 طوطی کا عکس سمجھے ہے رنگار دیکھ کر
 دیتے ہیں بارہ طرف فلج خوار دیکھ کر

سر پھوڑنا وہ غالب شوریدہ حال کا
 یاد آگیا مجھے تری دیوار دیکھ کر

۱۲

(۱۱) "جلتا ہوں" یعنی رشک سے جلتا ہوں (رشک و حسد سے
 جلنا محاورہ ہے) مطلب ہے کہ اگر برقی جمال سے بچ گیا تو
 رشک سے جلتا ہوں۔ بہر حال جلتا ہوں!
 (۱۲) "شرر باری نالہ"، اور آتش پرستی کی رعایت لفظی ہے۔
 (۱۳) "بے سبب آزار" بے وجہ ستانے والا۔ معشوق کے ستانے
 کی صرف ایک ہی وجہ ہونی چاہئے۔ یعنی راعتماد، امتحان
 عشق، اور اگر محبوب امتحان اور اعتماد نہ ستاتا ہو بلکہ عادتاً
 جفا جو ہو تو عشاق کو لذت الم نہیں ملتی، اور غم و حسرت میں
 امتیاز عشق باقی نہیں رہتا!

(۱۴) یعنی تلوار ان کے ہاتھ میں ہو، اور ہم اُس و سب رنگین
 کو کبھی چھو بھی نہ سکے، اور گو وہ ہمارے ہی قتل کو آتے ہیں
 مگر ہم پہلے ہی سے اداسے تیغ کے رشک میں ہلاک ہوئے
 جلتے ہیں۔

(۱۵) "سُحان الہ"۔ کیا ہی رنگین کلام ہے اور کیسا دل کش انداز
 بیان ہے۔ "مینا" اگرچہ نقوش جواہرین کو کہتے ہیں مگر شعرا کے

یہاں صراحی مئے کے لئے مستعمل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تیری رفتار میں بستی و نشاط نے اور زیادہ متوالا پن پیدا کر دیا۔ جس کو دیکھ کر ہزاروں ہلاک خرام ہو گئے، تو گویا، خلق اللہ کا یہ خون صراحی کی گردن پر سوار ہوا اور اس خون ناحق کے خوف سے موج مئے کانپ رہی ہے۔

(۶) "واحسرتاً الفاظ" تاسفت میں سے ہے۔ یعنی افسوس انہوں نے مجھے لذتِ آزار کا طالب دیکھ کر شتم کرنا بھی چھوڑ دیا۔ (۷) "مقلع" جلسِ فروختنی "سخن" کلامِ شاعر "عیار طبع" مصیبت۔ طبیعت۔ یہاں قدر شناسی اور داد کی اہلیت مراد ہے۔ مطلب ہے کہ ہم تو کلام کے ساتھ خود پاک جاتے ہیں، بشرطیکہ سامع میں قدر دانی، سخن بینی، اور جوہر شناسی کی اہلیت ہو ورنہ خود پاک جانے کا مفہوم بن۔ وہ احسان ہوتا ہے (یعنی اگر کوئی ہمارے کلام کی قدر کرے، تو ہم احسان مند بھی ہوتے ہیں۔

(۸) ظاہر ہے کہ شجر و تسبیح کے دانوں سے تاکے میں نشیب و فراز پیدا ہو جاتے ہیں ان ہی نشیب و فراز سے ہمواری و ناہمواری راہِ زمار و سچہ بیان کی ہے۔

(۹) یعنی اب کانٹوں سے آیلے ٹوٹ جائیں گے۔

(۱۰) "آئینہ" دل سے، طوطی، معشوق سے، رنگارنگ۔ "لوٹ حرمان" نصیبی، اور تکرار طبع سے استعارہ ہے "رنگار" و "طوطی" ہیں رنگ و جبرِ شمع ہے مطلب ہے کہ وہ میرے آئینہ "دل

میں، لوٹ حرمیں نصیبی دیکھ کر یہ بدگمانی کرتا ہے کہ کسی اور کی محبت میں مبتلا ہے۔

(۱۱) جلوہ طور سے خطاب ہے کہ شراب، میخوار کا طرف دیکھ کر دیا کرتے ہیں، بھلا پتھر میں برق جمال کی برداشت کہاں تھی یہ بھلی تو ہم ہی پر گرتی تو مناسب تھا! (۱۲) یعنی اسی دیوار سے سر بھوڑا کرتا تھا، دیوار دیکھنے سے غالب یاد آ گیا۔

لڑتا ہے میرا دل زحمت ہر درخشاں پر
میں ہوں وہ قطرہ شبنم کہ ہو خایہ بیاں پر (۱)
نہ چھوڑی حضرت یوسف نے یاں بھی خانہ آراں
سفیدی دیدہ یعقوب کی پھرتی ہے زنا پر (۲)

نما تعلیم درس بخود ہی ہوں اس نے سے
کہ مجنوں لام الف لکھتا تھا دیوار و بستاں پر (۳)
فراغت کس قدر رہتی مجھے تشویش مرہم سے
بہم گم صبح کرتے پارہ ہائے دل نمکناں پر (۴)

نہیں اقلیم الفت میں کوئی طومار ناز ایسا
کہ پشت چشم سے جسکے نہ ہوئے ہر عنوان پر (۵)
مجھے اب دیکھ کر ابر شفق آلودہ یاد آیا
کہ فرقت میں تری آتش پرستی تھی گلستاں پر (۶)

بجز پرواز شوق ناز کیا پاتی رہا ہو گا
قیامت اک ہوائے تندر ہے خاک شہیاں پر (۷)

بہ لڑنا صحیح ہے غالب کیا ہو اگر بسنے شہادت کی
ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریباں پر

(۸)

(۱) لفظ بیاباں "کو پہلی نظر رکھ کر اگر خیال آفرینی سے کام
لیا جائے، تو "زحمت ہر درخشاں" کا یہ مفہوم ہو گا، میں ان
نکک کو ملے کر فے اور اس وحدت و حرارت میں خود آفتاب پر
کیا کچھ تکلیف نہ گذرتی ہوگی باقی شعر میں، زحمت ہر درخشاں
کے لئے کوئی ثبوت نہیں۔ البتہ دل کے لرزے کی تشبیہ اس
قطرہ شبنم سے جو سرخار پر ہو، بہت ہی اعلیٰ و لطیف ہے۔
(۲) خانہ آرائی "کی آرایش" سفیدی دیدہ آنکھ کی پتلی کے گرد
جو سفید حصہ چشم ہوتا ہے اس کو سفیدی ہی کہتے ہیں لیکن
مجاورہ میں آنکھیں سفید ہو جانا "کے معنی بینائی اور نور
جاتا رہنا، اور اندھے ہو جانے کے ہیں۔ اور خصوصاً روتے
روتے اندھے ہو جانے کے لئے یہ مجاورہ مخصوص ہے۔
بیٹے کو بھی مجاورہ میں نور نظر، نور چشم وغیرہ کہتے ہیں شعر میں،
حضرت پوسٹا کے قصہ سے تلکچ ہے اور باقی لفظی رعایات ہیں
(۳) فنا تعلیم درس بخودی "بخودی کے سبق سے تعلیم فنا
حاصل کرنے والا۔ اصل میں "بخودی" کے معنی اپنے آپ سے
بے خبر ہو جانے کے ہیں، اور اہل سلوک و معرفت کے یہاں
اسی مقام کو "فنی" انایت "سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ مقام
مراتب فنا میں سے ہے "فنا" اس مقام و مرتبہ کا نام ہے جبکہ
سالک اپنی ہستی، یعنی خودی اور تمام غیر میتواں کو مٹا، اور

فرا موش کر چکا ہو۔ لام، الف (لام) عربی میں لائے نفی ہے
 کلمہ تو حید "لا الہ الا اللہ" کی ابتداء اسی حرف نفی سے ہوتی ہے،
 پھر صوفیائے کرام کے یہاں "موجودیت" "غیر الہی" "مقصودیت"
 "غیر الہی" اور "محبوبیت" "غیر الہی" وغیرہ کے لئے بھی کلمات ہیں،
 اور نفس کشی کی تعلیم کا مبرا یہیں سے ہے! ————— "مجنوں"
 رقیس کی طرف، "لام الف" "نسب کرنے میں، دوسری رعایت
 یہ ملحوظ ہے، کہ نام بیلی کا پہلا حرف (لا) ہی ہے "ولہستائ"
 (اولہستائ) مکتب۔ یا مدرسہ "دیوار پر لکھنا" یا سکل ہی
 مبت۔ یا نہ اور ططلانہ پن کا ثبوت ہے۔ مطلب ہے کہ اس میں
 تعلیم فنا میں اس وقت سے مصروف ہیں۔ جب قیس مبتداری
 تھا، یا جب کہ قیس کو لیلے کا پورا نام بھی لینا نہ آتا تھا بلکہ صرف
 لام الف کی مشق کرتا تھا، یا جب کہ اس کے خاندان عشق میں
 صفر (۰) تھا، یا جب کہ وہاں عشق کے نام، نفی تھی گویا مجکو
 قیس پر افضلیت حاصل ہے!!

(ہم) "نشیش مرہم" جستجوئے مرہم۔ یعنی، بعض پارہ ہائے دل
 لذت گیر نمکدان ہونا چاہتے ہیں، اور بعض کو مرہم درکار ہے
 کاش سب کے سب لذت نمک کے طالب ہوتے تو تلاش
 مرہم کی کاوش نہ ہوتی۔

۱۵) "اقلیم ملک" دارالحکومت حسن مراد ہے۔ "طومار" حکم یا
 فرمان، یا شاہی مراسلات "طومار ناز" معشوق سے استعارہ
 ہے "چشم و قمر" میں تشبیہ ہے "پشت چشم" الٹی نگاہ، یا پرمی ہوئی

آنکھ، یا بدلی ہوئی نظر۔ مطلب یہ ہے کہ، فرا میں حسن پر
کچ ادا یوں کی مڑ ہوتی ہے۔ یا معشوق کی فرمائشیں ستم سے
خالی نہیں ہوتیں۔

(۷) شفقتی بادل، اور آگ میں، رنگ و چہرہ ہے۔

(۸) یعنی شوق و یادِ جہاں، کی پرواز کے سواء شہدائے ناز نہیں
اب باقی ہی کیا ہو گا کہ قیامت ان کو اٹھا لے گی، البتہ
ہو اسے تیز و تند ہو کر خاکِ مزار اڑا سکتی ہے، یا قیامت
اُس ہو اسے تنہا سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی، جو پرواز میں
دروے۔

(۸) یعنی نامعنے اگر نصیحت میں شدت کی تو اس کا یہی جواب
ہو سکتا ہے، کہ فی الفور گر بیان چاک کر دیا جائے تاکہ اسے
معلوم ہو جائے کہ اُس کی نصیحت کی کس قدر وقعت کی گئی۔

ہے بسکہ ہر اک ان کے اشارے میں نشاں اور

کر تے ہیں محبت تو گزرتا ہے گسٹاں اور (۱۱)

یار ب! وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گمری بات

دے اور دل ان کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور (۱۲)

آہ و دے سے کیا اُس نگہ ناز کو پیوند

ہے تیر مقرر مگر اس کی ہے کمان اور (۱۳)

تم شہر میں ہو تو ہمیں کیا غم جب ابھیں گے

لے آئیں گے بازار سے جا کر دلِ جاں اور (۱۴)

ہر چہ سبک دست ہوئے بُت شکنی میں (۱۵)

ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہیں سنگ گراں اور

ہے خون جگر چوٹی میں دل کھول کے روتا
(۶)

ہوتے جو کئی دیدہ و خوشیا بہ قشاں، اور
مرتا ہوں اس آواز پہ ہر حید سزا دے جائے
(۷)

لوگوں کو ہے نور شہ جہاں تاب کا دھوکا
(۸)

ہر روز دکھاتا ہوں میں، اک دن اے نہاں اور
لیتا، نہ اگر دل تمہیں دیتا، کوئی دم چین
(۹)

کرتا، جو نہ مرتا، کوئی دن آہ فغاں اور
پاتے نہیں جب راہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے
(۱۰)

روکتی ہے سری طبع تو ہوتی ہے رواں اور
ہیں اور بھی دنیا میں مخیر بہت اچھے
(۱۱)

کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور

(۱) یعنی اے فریب حسن! یہ کچھ سمجھت افزائی نہیں، "دھمکا،

(۲) یعنی وہ میرے کلام شوق سے، آرزوئے وصل پر آگاہ

نہیں ہوتے، اور میں رعب حسن یا خود اسی ضبط سے کام

لیتا ہوں، اور صاف صاف عرض مطلب سے قاصر ہوں۔

پس، اے خدا! ان کو دل جذبات شناس نہیں دیتا تو مجھی کو

زنا نہ کلاتی کی قوت عطا فرما دے!

(۳) "لگان" عام استعارہ، "ابرو" سے ہے۔ مطلب ہے کہ

ابرو سے نگاہوں کا کوئی تعلق ہی نہیں، نگاہ بتر ضرور ہے۔ لیکن

اس تیر کی کمان تو گردش چشم کو سمجھنا چاہئے۔

(۴) یعنی اس کے حسن نے تو سارے شہر کو جاں بلب اور دل
بکعب بنا رکھا ہے، ہم جس سے چاہیں گے، دوسرے جان و
دل، بازار سے خرید لائیں گے۔

(۵) "سنگ و سرت" تیر و سرت، یا ہاتھ کا صاف ہونا "بت شکنی"
بت توڑنا "عالم توحید" میں الفاظ "بت" و "شتم" کا ہر موجد و غیر
خدا اور ہر مفہوم ماسوا اللہ پر اطلاق ہوتا ہے اور راہ معرفت
میں، "انا بت" و "خودی" بھی، ایک بھٹوگر، ایک سنگ راہ
اور رکاوٹ ہے۔ چنانچہ شعر میں "ہم" یعنی "خودی"، ہی کہ
سنگ گراں کہا گیا ہے۔ مطلب ہے کہ اگرچہ بت شکنی میں
ہمارا ہاتھ صاف اور رواں ہو گیا ہے، لیکن جب تک ہم کو
اپنی ہستی کا احساس باقی ہے اس وقت تک شرک کا خاتمہ
نہ سمجھنا چاہئے!

(۶) "ویدہ خونہا بہ فشاں" خون رو بہنے والی آنکھ۔

(۷) یعنی اس کی آواز ترغیب شہادت ہے۔

(۸) شعراء داغ کی آفتاب سے تشبیہ دیا کرتے ہیں، ہر روز
تازہ داغ کھانے اور دکھانے میں، یہ تازگی ہے، کہ آفتاب بھی
ہر روز نکلتا ہے۔

(۹) یہ بہت لطیف تقریر ہے "لینا" کو ربط ہے "چہن" سے

مکرتا "مربوط ہے" آہ و فغاں سے۔ عربی میں تعقیب معنوی اور

لفظی دونوں معیوب ہیں۔ فارسی میں تعقیب معنوی عیب ہے تعقیب

لفظی جائز، بلکہ فصیح و ملج۔ یہ بیختہ، تقلب ہے فارسی کی۔ مائل
 معنی مصرعین یہ کہ۔ اگر دل نہیں نہ دیتا، تو کوئی دم چین لیتا، اگر
 نہ مریا تو کوئی دم اور آہ و فغاں کرتا (ما خود از مکتوبہ استا و غالب)
 (۱) "راہ" "روانی" وغیرہ مناسبات لفظی ہیں، یعنی جب آہ،
 ٹکلو گیر ہوتی ہے، یا دم گھٹتا ہے تو نالے بلند ہوتے ہیں، اور
 جب طبیعت الجھتی ہے تو اضطراب برپا ہوتا ہے (۱) اور اضطراب
 مماثل روانی ہے)

صفائے حیرت آئینہ ہے سامانِ رنگِ آخر
 (۱) تغیر، آبِ برجامانہ کا، پاتا ہے رنگِ آخر
 نہ کی سامانِ عیش و بجاہ لے تا بہرِ وحشت کی
 (۲) ہوا جامِ زمرہ بھی مجھے داغِ پلنگِ آخر

(۱) "صفائے حیرت" آئینہ کی قلعی۔ آئینہ کا وصف شعراء، "حیرت"
 لکھا کرتے ہیں۔ اور حیرت کی خاصیت "جمود" و عجزِ حرکت ہے
 "آبِ برجامانہ" ٹھیکہ ہوا کا ہوا، غیر روان پانی۔ "تغیر"
 تبایلی۔ مطلب ہے کہ جس طرح رُکے ہوئے پانی پر، گاہی
 وغیرہ جم جاتی ہے، اُسی طرح آبِ آئینہ رنگ سے متبیل
 ہو جاتا ہے۔

(۲) وحشت و خوف سے وہمِ شبی کی تمثیل دی ہے۔ یعنی وحشت
 میں مجھے جامِ زمرہ چیتے کے داغ کی طرح معلوم ہوتا ہے۔

جنوں کی ہستگیر ہی کس سے ہو کر ہو نہ عریانی
 (۱) گریباں چاک کا حق ہو گیا ہے میری گروں پر

برنگ کاغذ آتش زدہ نیزنگ بیتابی
 ہزار آئینہ دل پاندھے ہے بال یکتہ پیدن پر (۲)
 فلک سے ہم کو فیش رفتہ کا کیا کیا تقاضا ہے
 متاع بڑوہ کو سجھے ہوئے ہیں قرقم رہزن پر (۳)
 ہم اور وہ بے مہذب پنج آشنا دشمن کہہ رہتا ہے
 شعلہ ہر سے تہمت نگر کی چشم روزن پر (۴)
 فنا کو سوئے گر مشاق ہے اپنی حقیقت کا
 فروغ طالع خاشاک ہے موقوف کلخن پر (۵)
 اس پہل سے کس انداز کا تامل سے کہتا ہے
 کہ مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر (۶)

(۱) گریبان چاک "باضافت مقلوب، چاک گریبان - یعنی
 چاک گریبان کا میں سنت کش ہوں اگر یہ باعث عریانی نہ بن
 جایا کرے، تو میرے دیوانگی کے سب ولولے مٹ جائیں۔
 (۲) "نیزنگ" مثل "کاغذ آتش زدہ" جلتا ہوا کاغذ۔ "نیزنگ" طرح
 طرح کے۔ یا شعبہ سے "آئینہ بند ہی" چمکانا، یا فروغ دینا مراد
 سے۔ آتش زدگی اور آئینہ بند ہی میں تشبیہ ہے بال "پر۔
 "تپیرن" تڑپنا۔ اور مبالغہ اڑنے سے تعبیر کیا ہے کاغذ
 جب چلتا ہے، تو مسکڑ جاتا ہے مسکڑنے کی تشبیہ "تپیرن"
 ہے۔ مطلب ہے کہ شربت سوز دل سے بے تابی اس طرح
 پڑتی ہے، جیسے کاغذ سوزاں، جلنے سے بیچ و تاب میں
 آتا ہے۔

(۱۱) "غیش رقیہ" گذرا ہوا عیش۔ "متاع بروہ" بہ بادِ شہ،
 یا مسروقہ مال۔ رہزن "مسافروں کو لوٹنے والا۔ یعنی عیش
 گذشتہ کو ہم نلک سے اس طرح واپس مانگ رہے ہیں۔
 جس طرح، کوئی نادان، اپنی مسروقہ دولت چور پر قرض
 سمجھتا، اور واپسی کا تقاضا کرتا ہو۔

(۱۲) "بے سبب رنج آشنا" بے وجہ رنجیہ۔ ہو جانے والا
 رکھتا ہے "تہمت" سے مربوط ہے "نگہ" سے عاشق کی نگاہ
 مراد ہے۔ دیوارِ دور کے "روزن" کی تشبیہ آنکھ سے دی
 گئی ہے۔ مطلب ہے، کہ ہم، اور ہزاروں قسم کے شوق و
 مطلب، اور وہ ایسا فتنہ جو، کہ آفتاب کی شعاع، جو روزن
 دیوار میں سے چھنتی ہو، اس پر نگاہ عاشق کی تہمت رکھ کر
 خفا ہو جاتا ہو، (دیکھئے کس طرح بنتی ہے)

(۱۳) "آفرغِ بللح خاشاک" گھاس پھوس کی قسمت کا عروج
 "گلخن" انگلیٹھی۔ یا آتش۔ ان گھاس پھوس ہستی انسان کی
 تہلیل سے۔ یعنی اگر اپنی حقیقت معلوم کر لیا تو وہ کو فروغِ اصلیت
 و معرفت تک پہنچانا چاہتا ہے تو خودی مٹا دے اور اپنے
 خاشاک ہستی کو آتشِ عشقِ الہی میں جلا دے، کیونکہ خاشاک
 کی قسمت انگلیٹھی ہی میں چلتی ہے!!

(۱۴) "خدا چاہے، اُس" کس اداسے ناز کا دیوانہ ہے، کہ خود
 قاتل کو ترغیب دے رہا ہے اور دونوں جہاں قربان کئے
 رہتا ہے (سبحان اللہ کیا مضمون، اور کیا اسلوب بیان ہے)

(۱) شکش مصلحت سے ہوں، کہ خواباں تجھ پر عاشق ہیں
مکلف برطرف مل جائے گا تجھ سار قیاب آخر

(۱) "شکش" بیداد پسند ہے مکلف برطرف "آخر الامر، یا المختصر،
یا غرضیکہ۔ یعنی میں مصلحتاً بیداد عشق کو گوارا کر رہا ہوں۔ اس لئے
کہ تجھ پر اکثر حسین بھی ہوتے رہتے ہیں کبھی نہ کبھی تیری صورت
و جمال کا مجھے کوئی رقیب، مل جائے گا، تو اپنی دل بستگی
اسی سے ہو جائے گی!

۱	ہے داغ عشق زینت جیب کفن ہنوز	فارغ مجھے نہ جان کہ مانن۔ صبح ہر
۲	ہوں کفروش شوخی داغ کہن ہنوز	ہے ناز مفلساں زرا ز دست رفتہ پر
۳	غیا زہ کھینچے ہے بیت بیداد فن ہنوز	میخانہ جگر میں یہاں خاک بھی نہیں

(۱) "فارغ" بے علاقہ ہے فکر۔ سفید۔ نئی کفن سے صبح کی اور داغ
سے آفتاب کی تسبیہ ہے۔ "داغ دل" کا مقام، گوشہ صدر ہے،
جیب کا لفظ اسی رعایت سے لائے ہیں۔ مطلب ہے کہ مجھے
مرنے کے بعد بھی دورہ لیل و نہار نے فرصت نہ دی اور صبح کفن
سے آفتاب داغ نکلا ہوا ہے اور مصروف کار و بار۔

(۲) "زرا ز دست رفتہ" ضائع شدہ، یا خرچ شدہ دولت
"داغ کہن" پرانا داغ، گل "داغ شرنی" "و دیم" (دولت) اور
"زخم" یا داغ، سب میں تشبیہ اور رعایت ہوتی ہے۔ بلکہ عام
ظہور پر، گل داغ اور داغ گل۔ گل زخم و شہیرہ لکھا کرتے ہیں۔
یہاں بھی یہ تمام رعایتیں ملحوظ ہیں۔ مطلب ہے کہ جس طرح
فضول کثر چپوں سے مفلس ہو کر لوگ مفاسی میں اپنی گزشتہ

دولتمندی پر فخر کرتے ہیں، میں بھی اپنے زخم کھن کو تازہ رکھتا، اور
اُس داغ کھن میں نئی نئی شونیاں نظر کرتا ہوں!

(۴) ”خمیازہ“ کہنے سے ”انگڑاٹی“ لیتا ہے۔ خون و شراب میں
”رنگسا“ وجہ مشابہہ ہے۔ اسی رعایت سے جگر کے ساتھ
میخانہ استعمال ہوا ہے۔ انگڑاٹیاں نشہ اُترنے اور شراب کی
مزید طلب میں آیا کرتی ہیں ”خمیازہ“ سے یہاں راہ بچا کر نکلتا بھی
ظاہر ہوتا ہے، اور خود معشوقوں کی انگڑاٹی بھی ایک اولیٰ ناز
اور اشتیاق انگیز حرکت ہوا کرتی ہے۔ مطلب ہے کہ وہ
ابھی تک آمادہ سستم ہیں، اور یہاں طاقت ضبط ہی نہیں!
یادہ آمادہ ایذا رسانی ہیں اور یہاں غم میں روئے روتے
سب خون جگر ختم ہو چکا۔

۱	دعا قبول ہو یا رہا! کہ عمرِ خضر و راز	حریفِ مطلبِ مشکل نہیں فسونِ نیاز
۲	ہنوز تیرے تصویر میں ہے نشیبِ فراز	نہ ہو بہر زہِ بیاباں نورِ وہم و دیور
۳	کہ دیجئے آئینہ انتظار کو پرواز	وصالِ جلوہ تماشا ہے پر دماغ کہاں
۴	گئی نہ خاک ہوئے پر ہوئے جلوہ تاز	ہر ایک ذرہ عاشق ہے آفتاب پرست

انہ پوچھ و سعت سے خانہ جنوں غالب
(۵) جہاں یہ کاسہ گریوں ہے ایک خاک انداز

۱۱ ”حریفِ مطلبِ مشکل“ یعنی کسی مشکل کے حل پر آمادہ اور مقابل
”فسون“ اثر و تاثیر ”نیاز“ عجز و الحاح۔ یعنی کسی دشواری میں
ہماری عاجزی کا تو کوئی اثر ہوتا ہی نہیں تو، اسے خدا، آب
ہم اس قسم کی دعا مانگا کریں گے جس میں کسی تاثیر کی ضرورت

ہی نہ ہو، اور گویا مقبول ہی ہو چکی ہو، مثلاً، اے خدا، حضور کی عمر دراز کر، یا اے خدا، کل صبح آفتاب نکلے، اور شام کو چھپ جائے۔ یا اے خدا آفتاب جب نکلے تو وہ چھپ بھی آس کے ساتھ ہو، وغیرہ۔

(۲) "ہرزہ" تافہی سے "وجود" ذات باری تعالیٰ "پیایان ثور" صحر اگر د، اور یہاں آوارہ گرد و یا وہ مناسب ہے "دہم" و خیال جو غیر واقعی امور، اور غیر موجودہ اشیاء کو واقعی اور موجود کی طرح ذہن میں پیش و نمایاں کر دے "لشیب و فراز" پستی و بلندی، یا تنزل و عروج، یا مراتب امکان و وجوب مطلب ہے کہ جستجوئے ذات باری میں، اوائم و خواطر کی آوارہ گردیوں میں مبتلا نہ ہو، یہ سب واہمہ کی صورت آفرینیاں ہیں، اور ابھی تک تیرے تصور میں، پستی و عروج، اور این و آن کا امتیاز باقی ہے۔ اور بیک رنگی و وحدۂ خیالی میسر نہیں!

(۳) "تماشا" دید-نظارہ "دماغ کہاں" "تاب کہاں" "انتظار" محاورہ کے معنی میں استعمال نہیں ہوا بلکہ لغوی معنی، نظر کرنا، نظارہ کرنا وغیرہ مراد ہیں۔ "غور و تحسس" سے دیکھنے اور چاروں طرف نظر دوڑانے کا مفہوم، لفظ پرواز سے مترشح ہے۔ مطلب ہے کہ نظارہ عام (تماشا) کرنے سے (یا مطالعہ و مشاہدہ کرنے سے) جلوہ سے وصل (یا حقیقت کا انکشاف) تو ہوتا ہے لیکن اتنی تاب و طاقت کہاں (یا اتنی قدرت و عقل کہاں) کہ چاروں طرف نظر دوڑائیں (یا عام موجودات و مطلقا ہر قدرت پر۔

غور کر سکیں)

(۴) یعنی عاشق کا ہر ذرہ خاک آفتاب کے مقابل ہے، اور مرنے کے بعد اشتیاق نظارۂ جمال میں نہیں۔

(۵) "میخانہ جنوں" عالم جنوں و الہیت مراد ہے۔ اسی رعایت سے "آلہ لکڑیوں" کے ساتھ "کاسہ" (پیالہ) کی ترکیب ہے، لیکن پھر بھی اس کو جام شراب یا ساغر سے نہ کہنا، شانِ مضمون پر دلالت کرتا ہے۔ "خاک انداز" گور و غیرہ بھینکنے کا برتن۔ یعنی عالم جنوں اتنا وسیع ہے کہ آسمان کی عظمت خاک انداز کیا جا رہی ہے۔

۱	گذر سے ہے آبلہ پا ابر گریبان ہنوز	وسعت سعی کرم دیکھ کہ ہوتا سر خاک
۲	نقش پا پس ہے تپ گرمی رفتار ہنوز	یکلم کاغذ آتشزدہ ہے، صفحہ دشت

(۱) "سعی" کے لغوی معنی دوڑنے سے ہیں۔ "سرتاسر" بلندی سے سطح زمین تک مراد ہے۔ قطراتِ باران سے آبلہ پانی کی تشبیہ ہے۔ "وسعت" میں آبلہ پانی کی رعایت ملحوظ ہے۔ مطلب ہے کہ جوشِ کرم کی فراوانی دیکھئے کہ سارے جہان میں پھرتے پھرتے گویا ابر گریبان آبلہ پا ہو گیا ہے۔

(۲) "یکلم بالکل" کاغذ و نقش کی لفظی رعایت ملحوظ ہے۔ "دشت" ریگستانِ تپ گرمی۔ مطلب ہے کہ ابھی تک گرمی رفتار سے نقش پا چل رہی ہیں، اور صفحہ دشت، کاغذ آتشزدہ بن گیا ہے۔

۱	کیا نہیں ہے بے ایمان عزیز	کیونکر اس نسبت سے رکھوں جان عزیز
۲	ہے تیرے تیر کا پیکان عزیز	دل سے نکلا یہ نہ نکلا دل سے

<p>تاب لائے ہی بنے گی غالب واقعہ سخت ہے، اور جان عزیز</p>	<p>۳</p>
<p>(۱) یعنی عشق ہمارا اندھ ہے، اور اس بہت سے عشق ہے تو اس پر ایمان ہے، ایمان، جان سے زیادہ عزیز ہوتا ہے ایمان کی راہ میں جان جاتی رہے، تو پروا نہیں! (۲) پیکان تیر کی آبی یا پیر یعنی گویا تیر دل کے پار لنگ گیا لیکن اس کی یاد و نشان زخم ہاتی ہے۔ (۳) یعنی لطف زندگی، بلکہ زندگی کا انحصار تو عشق پر ہے، اگر عشق میں مصائب کا سامنا ہوتا ہے تو ہوا کرے، تمام سختیاں گوارا ہیں کیونکہ جان عزیز ہے، جو عشق سے وابستہ ہے۔</p>	
<p>۱ میں ہوں اپنی شکست کی آواز ۲ میں، اور اندیشہ اسے دور دراز ۳ ہم ہیں اور راز اسے سینہ گراں ۴ ورنہ باقی ہے طاقت پر داز ۵ ناز کھینچوں، بجائے حسرت ناز ۶ جس سے مرگیاں ہوتی نہو گل باز ۷ اے ترا ظلم سر بسر انداز ۸ ریزش سجدہ جبین نیاز ۹ میں غریب اور تو غریب نواز</p>	<p>۱ نہ گل نعمت ہوں نہ پردہ ساڑ ۲ تو اور آرائش خم کا کل ۳ لاف تمکیں فریب سادہ دلی ۴ ہوں گرفتار الفت صیاد ۵ وہ بھی دن ہو کہ اس ستمگر سے ۶ نہیں دل میں مے وہ قطرہ خوں ۷ اے ترا جلوہ یک قلم انگیز ۸ تو ہوا جلوہ گر مبارک ہو ۹ مجھ کو پوچھا تو کچھ غصہ نہ ہوا</p>
<p>اسد اللہ خاں تمام ہوا اے دروغا! وہ زند شاہد باز</p>	<p>۱۰</p>

۱) ”گل“ کا استعمال بہت سے معنوں میں ہوتا ہے، اور مختلف لفظوں سے ترکیب پاکر ہر موقع پر مناسبت کے اعتبار سے مختلف معنی دیتا ہے۔ لیکن اس سے یہ خیال نہ ہونا چاہئے کہ مفہوم وضعی بدل جاتا ہے، بلکہ یوں سمجھنا چاہئے کہ ”گل“ رنگ، بو، شگفتگی وغیرہ رکھتا ہے، پس کہیں رنگ کی رعایت مقدم ہوتی ہے، کہیں بو کی مناسبت ملحوظ رہتی ہے، کہیں شگفتگی منقص و دریایاں ہوا کرتی ہے۔ ”گل نغمہ“ میں شگفتگی مطلوب ہے۔ کیونکہ کلی سے پہلے پھول ہوتا ہے، تو اس کھلنے کو پھلنا کہتے ہیں، اور چمکنا اس کا صوت میں سے ہے اور ”صوت“ ”نغمہ“ ایک ہی حقیقت رکھتے ہیں۔ ”ساز“ یا چار نغمہ کی رعایت سے استعمال ہوا ہے۔ ”پرودہ“ یا جے کے وہ آلات، جن کے دبانے یا ضربہ کرنے سے نغمہ پیدا ہوتا ہے۔ ”شکست“ لہجہ و غم شراوہ ہے، اور نغمہ و صوت وغیرہ کی رعایت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تو میں صدائے عیش و سرور ہوں نہ پرودہ ساز ہوں بلکہ اپنی شکستہ خاطر ہی کا نالہ زار اور اپنے لہجہ و غم کی صدائے فغاں ہوں۔

۲) ”آرائش“ سنوارنا۔ غم کا گل ”زلفوں کے بیج، یا بالوں کے حلقے یا پھولے۔ درازی زلف شعرا کے یہاں مسلم ہے، اسی درازی زلف کی رعایت سے اندیشہ کا (خطرے اور افکار) استعمال ہوا ہے۔ یعنی خدا جاسے آج کیوں، آرائش مد نظر ہے کیا کہیں وغیرہ تو نہیں؟

(۳۱) لاف "دعویٰ، یا شیخی۔ تمکین" ضبط، یا خودداری۔ "فریب
سادہ دلی" نادانی کے دھوکے میں رہنا۔ "راز" مائے سینہ گداز
سینہ دل سے استعارہ ہے، وہ راز جو دل پگھلا دیں یا جن
رازوں کے تجمل کی طاقت نہ ہو۔ یعنی وہ ہمارے ضبط و
خودداری کے دعوے، سادہ دلی کے فریب پر مبنی تھے
ورنہ ہمارے دل میں تو سوزِ عشق کے ایسے راز ہیں جو دل
پگھلا دیں!

(۳۲) جب صیاد سے محبت ٹھیری تو صید ہو جانے کا ڈر ہی
کیا۔ اور گرفتارِ اُلفت، طاقت پر وار ہوئے پر بھی نہیں
اڑ سکتا!

(۳۳) یعنی اب تو صرف، ناز برداری کی حسرت ہی حسرت ہے۔ خدا
وہ دن لائے کہ بھائے حسرت کشی کے ناز کشی میسر ہو۔

(۳۴) گلابازی "پھول بکھیرنا" یعنی میرے دل میں ایسے ناکارہ خون کا
کوئی قطرہ نہیں جس نے آنسوؤں کو رنگین نہ کیا ہو۔

(۳۵) "انگیز" اٹھا ہوا، یہاں غالباً انداز کی رعایت سے لائے ہیں
کہ "انداز" و "انگیز" انداختن و انگیزان سے ماخوذ ہیں جو متضاد
معنی رکھتے ہیں۔ مطلب ہے کہ تیرا غمزہ التفات اٹھا دیتا ہے
اور تیرا ظلم گرا دیتا ہے۔ یا تیرا غمزہ بیباختہ ہے اور تیرا ظلم بھی
ادا کے ساتھ ہے۔

(۳۶) سجدے ادا کرنے کو فارسی والے "ریزش" سجدہ لکھا کرتے
ہیں۔ "جین" پیشانی۔ "نیاز" عجز و منیت۔ یعنی تو جلوہ فرما ہوا۔

اس نیا زمند کے سجدہ ہائے ملت تجکو مبارک ہوں۔

(۹) دبے شک

(۱۰) "اسے دریغاً" کلمہ ماتم واقسوس۔ شاہد باز حسن
یا معشوق پرست۔

مژدہ اسے فوق اسیری کہ نظر آتا ہے

(۱)

دام خالی قفس مرغ گرفتار کے پاس

جگر تشنہ آزار تسلی نہ ہوا

(۲)

جوتے خوں ہم لے بہائی، بے ہزار کے پاس

مزد گیش کھولتے ہی کھولتے آنکھیں ہے مہ

(۳)

خوب وقت آئے تم اس عاشق بیمار کے پاس

میں بھی رک رک کئے مرتا، جوڑیاں کے بدلے

(۴)

دشمن اک تیز سا ہوتا سرے غمخوار کے پاس

دہن شیر میں جا بیٹھتے لیکن اسے لال

(۵)

نہ کھڑے ہو جتے خوبان دل آزار کے پاس

دیکھ کر تجکو چمن، بس کہ منو کرتا ہے

(۶)

خود بخود پیچھے ہے گل گوشہ دستار کے پاس

مرگیا پھوڑ کے سر غائب وحشی ہے ہے

(۷)

بیٹھنا اس کا وہ آکر تری دیوار کے پاس

(۱) نیا طاثر پھانسنے کے لئے، چال کے پاس، ایک طاثر کا

پنجرہ بھی رکھ دیتے ہیں، تاکہ ہم جنس کو دیکھ کر طاثر آزاد چال میں

آجاسے۔ یہی مطلب شعر کا ہے کہ تمام سامان گرفتاری

موجود ہے۔

(۲) "جگر تشنہ آزار" جگر ایذا طلب تسلی نہ ہوا۔ راحت یاب نہ ہوا
یعنی آیلہ پانی میں دشت توردی کر کے ہم نے ہر کاسے کے
قریب ایک جوسے خون، پہا بہا دی، مگر پھر بھی چسکری ایذا
طلب کی تشنگی خونفشانہ نہ بچھی۔

(۳) یعنی نظارہ دیدار کے لئے آنکھیں کھولنے کا ارادہ کرتے
ہی کرتے، ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند ہو گئیں (یعنی موت
آگئی)

(۴) غنچوار کے سارے دلا سے اور تسلیاں مریض عشق کے لئے
بیکار نہ ہوتی ہیں ذرا اس کے دلا سوں سے طبیعت ٹھہرتی ہے
پھر بگڑ جاتی ہے، گویا سنبھلنا، پھر بگڑنا، رک رک کے مرنے
سے، اور ظاہر ہے کہ رک رک کے مرنے تکلیف دہ ہوتا ہے
مطلب ہے کہ میرے غنچوار کے پاس، بجائے اس زبان کے
جس پر الفاظ تسکین و تسلی جاری رہتے ہیں، تیز سی پتھری
ہوتی، اور وہ چلتی تو آسانی سے موت آجاتی!

(۵) "شیر کے منہ میں جاتا" محاورہ ہے، جس کے معنی، قضا کا سامنا
کرنے کے ہیں۔

(۶) شاعرانہ انداز بیان ہے، کہ سب اس کے شایق ہیں، اور
شوق کی تعبیر ٹوٹے کی ہے۔

(۷) "ہے ہے" کلمہ افسوس ہے۔ مصرعہ ثانی میں لفظ "وہ" محاورہ
کی کمال بیباختگی کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔

<p>۱ نگار سے خانہ آئینہ میں روشنی نگار آتش ۲ نہ نکلے شمع کے پائے نکالے گرنہ خارا آتش</p>	<p>نہ لہو گر خورشید جو ہر طراوت سبزہ خط سے فروغ حسن سے ہوتی ہے لہو شکل عاشق</p>
<p>(۱) ظاہر ہے کہ تروتازہ تنکے، یعنی سبز گھاس، جلتی نہیں جوہر کی تشبیہ تنکوں سے دی ہے اور روسے جانناں کی سرخی جو آئینہ میں منعکس ہے، آتشزدگی کے مشابہ ہے۔ مطلب ہے کہ خورشید جوہر آئینہ، خط جانناں سے تری حاصل کر لیتا ہے ورنہ آتش رخسار آئینہ میں آگ لگا دیتی۔ (۲) کاناٹھ لکھنا، مشکل آسان ہو جانے کے معنی میں مستعمل ہے شمع کی بٹی کی تشبیہ "خار" سے دی ہے۔ مطلب ہے کہ پائے شمع کا کاناٹھا آتش شمع نکال دیتی ہے۔ اسی طرح عاشق کے دل کے خار پائے حسرت، آتش جمال دوست سے نکل سکتے ہیں۔</p>	<p>(۱) "تار شعلہ" وہ خطوط ابھرتے ہیں جو غروب کے بعد آفتاب پر نمایاں ہوتے ہیں اسی کو "جواہرہ راہ" (راہ نشان راہ) خط راہ آفتاب کہا گیا ہے، اور ہلال یا ماہ تو نصف دائرہ اور آغوش کی شکل کا ہوتا ہے، اس کو آغوش وداع سے تعبیر کر کے اس قدر آفتاب کو تمثیل کیا ہے۔ یعنی آفتاب کی راہ سفر تار شعلہ ہے اور آسمان کی آغوش وداع ماہ تو۔</p>
<p>۱ ہوتی ہے آتش نکل آب زندگانی شمع ۲ یہ بات بزم میں روشن ہوتی زبانی شمع ۳ بظہر زابل فنا ہے فنا نہ خوانی شمع</p>	<p>۱ نرغ نگار سے ہے سوز جادو دانی شمع ۲ زبان اہل زبانی ہے مرگ خاموشی ۳ کوسے ہے صرف با میاں شعلہ قصہ تمام</p>

۴	غم اس کو حسرت پر دانہ کا ہے اے شعلہ	ترسے لرزے سے ظاہر ہے ناتوانی شمع
۵	تسے خیال سے روح اہتر اڑ کرتی ہے	ہر جلوہ ریزتی باد و بہ پر فشانے شمع
۶	نشاط داغ غم عشق کی بہار نہ پوچھ	شگفتگی سے شہید گل خزانے شمع

جلے ہے دیکھ کے بالین یار پر غم کو
نہ کیوں ہو دل پر سے داغ بدگمانی شمع

(۱) شمع، رُخ محبوب کی آتش حسد سے جلا کرتی ہے، شعراء کے مسلمات میں سے ہے، رُخ محبوب گل، اور شمع میں آب و تاب اور رنگ و چہ شبہ ہیں۔ مطلب ہے کہ محبوب کے رُخ سے شمع کو سوز دہائی حاصل ہے، اور یہی آتش گل، شمع کے لئے آب حیات ہے۔

(۲) شمع کی لو کو زبان شمع کہتے ہیں۔ اور بجھی ہوئی شمع کو شمع کشتہ لکھتے ہیں۔ گویا شمع کی زندگی زبان شمع پر منحصر ہے۔ ”روشن ہوئی“ محاورہ برجستہ ہے بمعنی ثابت ہوئی یعنی، یہ بات شمع کی زبانی ثابت ہوئی کہ خاموشی آثار موت میں سے ہے۔

(۳) ”ایمانڈ اشارہ، لو کو اشارہ سے تعبیر کیا ہے۔ سوز شمع کو سوز عشق کہا جاتا ہے اور مصرعہ ثانی میں اہل فنا سے سوختہ جانان عشق مراد ہیں۔ ”قصہ تمام کرنا“ مٹانا یا فنا کرنا، اسی کا ترجمہ ”فسانہ خوانی“ استعمال ہوا ہے۔ مطلب ہے کہ جس طرح سوختہ جانان عشق کی فنا اور ان کی بربادی سے زبان حال، فسانہ خوانی و داستان عشق ہوتی ہے۔ اسی طرح شمع پر اشارت شعلہ سوز عشق کا قہر بیان کرتے ہوئے اپنا حنا تہہ کر لیتی ہے۔

(۴) کمزوری سے یکلی پیدا ہوتی ہے، اور یہ کیفیت، غم اور غصہ دونوں حالتوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ اور شعلہ کی حرکات کو لرزے پر محمول کیا ہے، مطلب یہ کہ لے شعلہ اترے کانپنے اور تھر تھرانے سے معلوم ہوتا ہے کہ شمع، حال حسرت مال پڑا نہ پڑنا تو انی غم سے کانپ رہی ہے۔

(۵) "اہتراز" حرکت کرنا، پھر ٹکنا، رُوح کا پھر ٹکنا "دوا اعتبار سے" بخاورہ میں مستعمل ہے، یا تو جوش طلب اور اضطراب تما میں پھر ٹکنا، یا مسرت حاصل پر پھر ٹک جانا یہاں جوش مسرت اور اضطراب تما دونوں کیفیات مترشح ہیں۔ اگر خیال کے معنی "یاد" کے لئے جائیں تو اضطراب تما مفہوم ہوگا، اور اگر خیال کے معنی "تصور" سمجھے جائیں، تو جوش مسرت سے پھر ٹک جانا مراد ہے۔ اور مصرعہ ثانی میں "جلوہ ریزی باد" کا قرینہ مقتضی ہے، کہ خیال یعنی تصور دل خوش کن، اور اہتراز بر بنائے جوش مسرت ہے۔ یہ دونوں جگہ قسیدہ ہے۔ جس سے تاکید اثبات، اور شوکت کلام مقصود ہے۔

"یاد" (ہوا) چونکہ خیال (تصور) سے مربوط ہے، اس لئے "جلوہ ریزی" کہا گیا ہے (اور یہ نئی بات ہے) غالباً یہ مناسبت بھی ملحوظ ہے کہ "لو" جلوہ ہے، اور ہوا بھی اس کو متحرک و مشتعل کرتی ہے، اور ہوا کے بغیر اشتعال ناممکن ہے پس "جلوہ ریزی" ہوا ہی سے ہوتی ہے! پر فشتانی شمع کی ترکیب

تمثیل، دقیق و بلیغ ہے۔ "پریشانی" (طائر کا پرواز کے لئے
پر پھیلا دینا) ہوا کی شدت سے آواز، سرعت کے ساتھ متحرک
اور زبردست ہوتی ہے، اسی کو "پریشانی" شمع سے تعبیر کیا ہے۔
پھر شمع، اس طرح پریشانیوں کے بعد، اکثر بجھ جاتی اور
اپنی حیات ختم کر دیتی ہے، تو ہو ہوا، یا عدت اشتعال
(حیات شمع) یا باعث جلوه ریزی ہوتی ہے۔ "اسی ہوا" کی
زیادتی اس کو (شمع کو) پریشان (کو کا زیر زبر کرنا) کرتی اور
بجھا دیتی ہے۔

"روح" اور "روح" زیادہ ہوا، ایک ہی مادہ کے الفاظ اور
تقریباً ایک ہی خاصیت رکھتے ہیں مطلب ہے، کہ تیرا خیال
میری روح (چراغ حیات انسانی) کو اس طرح اہتراز میں لاتا
ہے، جس طرح ہوا شعلہ شمع کو، کہ باعث حیات بھی ہے۔
اور باعث ہلاکت بھی، یعنی تیرے خیال بغیر جی بھی نہیں سکتا۔

اور تیری یاد میں مرتا بھی ہوتا ہے!
(۱) "نشاط" خوشی۔ "داع" کو تشبیہاً گل لکھتے ہیں، اس اعتبار سے
بہار و خزاں، لوازم گل سے ہیں۔ پھر گل "شعلہ شمع" سے
استعار ہے اور چونکہ یہ گل شمع، ہستی شمع کو جزا دیتا ہے اس لئے
شمع کے لئے یہ گل باعث خزاں و بربادی ہے "شگفتگی" تاراج بہار
میں سے ہے۔ "شہید" رنگ گل کی رعایت ہے اور معنی عاشق
اشتعال ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ غم عشق نے گلہائے داع
کھلائے ہیں، ان کی بہار و شگفتگی گل شمع کے مانند ہے یعنی

ایسی بہار ہے جس سے خزان سوز نشوونما پاتی ہے۔
 (۱) ”ہالین“ سر ناتہ یعنی شمع جو جمالِ یار کے رشک و حشر میں
 جل رہی ہے یا سر ہالین یار، محکوم دیکھ کر جلتی ہے، مجھے یہ
 جلن ہوتی ہے، کہ یہ سر ہالین کیوں ہے؟ اس بدگمانی نے
 میرے دل پر داغ ڈال دیئے ہیں۔ کہ یہ رقابت کیسی؟

بیم رقیب سے نہیں کرتے وداع ہوش	۱	مجبوریاں تلک ہوئے اپنے اختیار حیف
جلتا ہے دل کہ کیوں نہ ہم کیا جل گئے	۲	اسے ناتما می نفس شعلہ یار حیف

(۱) ”بیم رقیب“ غیر کا خوف۔ ”وداع“ رخصت۔ ”حیف“ کلمہ
 ”تاسف“۔ ”مجبور و اختیار“ دو متضاد المعنی الفاظ ہیں، اُن کو
 مترادف المعنی طریقہ پر استعمال کیا ہے، اور یہ حسن استعمال
 ہے، یعنی رقیب کے اندیشہ سے ہمارے ہوش و حواس
 (خود دارانہ) رخصت نہیں ہوئے اور ہم باوجود اضطراب
 عشق، طبیعت پر اختیار اور قابو رکھتے ہیں، کہ وہ ہمارے غیر
 حال کا مضحکہ نہ کر سکے، پس افسوس ہے کہ مجبوراً ہم اختیار کا
 عمل کرتے ہیں!

(۲) ”ناتما می“ عدم کمال۔ ”نفس“ سانس۔ ”شعلہ یار“ سانس کی وہ
 مسہ صفت ہے جو اہل سوز و درد کے یہاں تسلیم کی جاتی ہے
 یعنی نفس شعلہ یار کی اس ناتما می پر دل جلا جاتا ہے کہ
 اس نے ہم کو ایک مہرِ تپہ ہی میں کیوں نہ خاک کر دیا!

زخم پر چھڑکیں کہاں طفلانِ بے پروا تک
 کیا مزرہ ہوتا اگر پتھر میں بھی ہوتا نمک

(۲) گردِ راہِ یار ہے سامانِ نازِ زخمِ دل
ورنہ ہوتا ہے جہاں میں کس قدر پیدا نمک

بجوارِ زانی رہے چکو مبارک ہو جیو
(۳) نالہ بیل کا درد اور خندہ گل کا نمک

(۴) شورِ جولاں تھا، کنارِ بحر پر کس کا کہ آج
گردِ ساحل ہے، بزخمِ موجہ دریا نمک

داد دیتا ہے مرے زخمِ جگر کی واہ واہ
(۵) یاد کرتا ہے مجھے دیکھتے ہیں وہ جس کا نمک

(۶) چھوڑ کر جانا تین مجروح عاشق حیف ہے
دل طلب کرتا ہے زخم اور مانگیں ہیں اعضا نمک

غیر کی محنت نہ کھینچوں گے توفیر درد
(۷) زخمِ مثلِ خندہ وصال ہے سرتاپا نمک

یاد ہیں غائب تھے وہ دن کہ وجدِ ذوق میں
(۸) زخم سے گزرتا تو میں پلوں سے چلتا تھا نمک

(۱) لوازمِ دیوانگی میں سے لڑکوں کا پتھر مارنا بھی ہے۔ شعرا کے

بہاں زخم پر نمک پاشی کی ایذا طلبی بھی عام ہے یعنی پتھر سے

زخم تو ہوتا ہے۔ لیکن نمک پاشی کی کمی رہ جاتی ہے، طفلان

بے پروا، بھلا اس زحمت کو کیوں گوارا کریں، کاش کہ پتھر میں

قدرتِ نمک کا ذخیرہ قرار دیتے!

(۲) یعنی اگر چہ دنیا میں کسی کی نہیں، لیکن میں اس سے

مستثنیٰ ہوں، کیونکہ وہ گزیر یا رنگی نہ کہ باورِ پیرِ لطیف ہوتی ہے۔

اور میرے زخموں کے لئے بہترین نمک کا کام دیتی ہے۔
(۳۳) حاصل یہ کہ میری قسمت میں ہی عاشقانہ ستم کشی رہے، اور
تمہیں معشوقانہ جفا پروری مبارک۔

(۳۴) شور شور و غل۔ اور نمک کو بھی کہتے ہیں اور سمندر کا پانی
بھی شور (کھاری) ہوتا ہے۔ اور یہی لفظی قاعدہ شعر میں
اٹھایا گیا ہے۔ ”جولاں“ دوڑنا۔ جوش و تموج دریا کو بھی جولانی
کہتے ہیں۔ ”گردِ ساحل“ دریا کے کنارے کی خاک ”بزخیم موجہ دریا“
موج، زخم کے مشابہ ہوتی ہے، یعنی آج کس کے جولانی
اسپ کا ”شور“ چھا ہوا تھا، کہ جس نے تمام گردِ ساحل کو
نمکیں (پروٹن) کر دیا، پھر یہ گردِ جو اڑ کر موج زخیم دریا میں
پڑی تو اس نے یہ نمک پاشی کی، تیری (موج کی) جولانی
بہج ہے، جولانی ایسی ہوتی ہے!

(۳۵) یعنی وہ جو نمک، دیکھ کر مجھے یاد کر لیتا ہے، گویا نمک پاشی کے
ضمن میں میرے زخموں کی یاد واد ہو جاتی ہے۔

(۳۶) یعنی ابھی تو بہت کچھ ستم باقی ہیں، تم نے صرف جسم کو
مخیر و صحر کر دیا، دل کے لئے زخم اور نمک پاشی باقی رہے، اور
افسوس تم خاتمہ سمجھ کر چل دیے!

(۳۷) ”توفیر“ زیادتی۔ ”خندہ“ ہنسی۔ معشوق نمکیں کی ہنسی بھی نمکیں
ہوتی ہے، زخم کے شگاف کی خندہ سے تشبیہ کرتے ہیں پھر
جب خندہ زخم، خندہ قائل کے مماثل ہو تو ظاہر ہے کہ نمکیں
بھی ہو گا۔ یعنی مجھے اضافہ درد و آئندہ کے لئے کسی اور کے

احسان کی کیا ضرورت! میرے رخم خود نمکین ہیں۔
(۸) ”وحد ذوق“ نحویت شوق ”نمک پلکوں سے چلنا“ تعظیماً
مشہور ہے۔

- آہ کو چاہتے اک عمر اثر ہونے تک
(۱) کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک
- دام ہر موج میں ہے، حلقہ صد کام نہنگ
(۲) دیکھیں کیا گزرتے ہے قطرے پہ گہ ہونے تک
- عاشقی صبر طلب اور تمت ابیتاب
(۳) دل کا کیا رنگ کروں خون جگر ہونے تک
- ہم نے مانا کہ تعسافل نہ کرو گے لیکن
(۴) خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خیر ہونے تک
- پرتو خور سے ہے شبنم کو فنا کی تم تسلیم
(۵) میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہونے تک
- یک نظر بیش نہیں فرصت ہستی غافل
(۶) گر حئی بزم ہے اک رقص شر ہونے تک
- غم ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج
(۷) شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

”اک عمر“ ایک زمانہ دراز۔ سر ہونا جس کے معنی فحتمندی اور
مستقر کرنے ہیں۔ لذت تاثیر آہ کی رعایت سے ”زلف“ استعمال
کیا ہے، کیونکہ درازی زلف بھی مسلم ہے! (انداز بیان بہت
دل کش ہے)

وہاں شوق کی ڈام سے تشبیہ دیکر، ہر مروج میں وہ علم لکھا ہے۔
 "حلقہ" صدمہ کام ننگ "ص" حلقہ ہائے کام ننگ یا حلقہ کام
 صدمہ ننگ یعنی وہ ننگ کے سینکڑوں حلقے مراد ہیں طلب
 ہے تاکہ وہ صدموں کا جال ہے، جس کے حلقے، وہ ننگ ہائے
 ننگ ہیں، دیکھئے، قطرہ عیسائی پر گرنے والے ننگ، کیا گزرتی
 ہے یا اس عالم جوت وابتلا کا ذرہ ذرہ انسانی مسرت کا
 شوق ہے اگر ان الجھنوں سے نکل گیا تو کیا سیلاب ہو گیا۔ یا اس
 پھر کثرت کی، ایک ایک مروج دام ہے جس میں وہ ننگ ننگ
 ہیں وہاں کے سینکڑوں حلقے ہیں، ان سے ایمان بچ جائے
 تو گو بہر مقصود پاسے، مگر دیکھئے "عرواں" "تقیہ" ننگ
 میں اس پر کیا گزرتی ہے؟

(۴) "صبر طلب" حالت طلب، طوالت طلب، وہی حکمت
 عشق کا، متعارف ہے، اور چونکہ دل کی چارہ، طلبی یعنی اس کے
 مقابلہ میں "خون جگر" لائے ہیں۔ قریب قریب اسی مقصود کا
 ایک شعر اس سے پہلے گزر چکا ہے، یعنی، دل ہوا کشکاش
 چارہ زحمت پر تمام، مرٹ گیا بھستے ہیں، اس عقود کا نام
 جاتا، یہاں زحمت چارہ دل نے دل کو تمام کر دیا، اور یہاں
 صبر طلبی سے خون جگر ہوتا، اور خون جگر ہوئے، ایک دل کی
 حالت کی طرف متوجہ کیا ہے؟

(۵) یعنی جب تک آپ کو خیر ہوگی، ہمارے جہان جاتی ہے
 گی، مانا کہ آپ تغافل نہ فرمائیے، کیا آپ کو ہمارے

حال کی خبر بھی تو ہو۔

اٹھا پر تو غور "فورا آفتاب" آفتاب کی تشبیہ بھی آنکھ سے کسب
کرتے ہیں، عاشق کی ہستی بے ثبات کی تمثیل بے ثباتی شبنم
سے کی ہے۔ چونکہ آفتاب کا وجود، کائنات کے لئے منبع
فیض ہے، اسی رعایت سے چشمِ کرم یا رستہ تشبیہ دی گئی ہے
یعنی جس طرح چشمِ آفتاب یا وجودِ فیض، شبنم کو فنا کر دیتی ہے،
اسی طرح عاشق کو نگاہِ کرم بھی ہلاک کر دیتی ہے۔ دوسرے
الفاظ میں شعر کا یہ مطلب ہو گا کہ فنا سے وہ مقسم
معرفت و ملوک مراد ہے، جو عشقِ الہی میں پیش آتا ہے۔
میں بھی ہوں گے معنی زبانِ اہل عرفان میں "انانیت" اور
مخودی کے ہیں، اور اسی میں بھی ہوں "کہ ٹھٹھ کو فنا" کہتے
ہیں، اسی کو دوسرے الفاظ میں یہ خودی و خود تراوشی کہہ
سکتے ہیں، معشوق کی نگاہ اور خصوصاً نگاہ التفات کا اثر
بے خودی مسلم ہے، یعنی میری جہان گاہ ہستی، یا خودی، یا انانیت
تو تیری نظرِ کرم ہونے تک باقی ہے، جو وقت نگاہِ عنایت مجھ پر لگی
میری ہستی، فنا ہو جائے گی، جس طرح تابشِ آفتاب شبنم کو
بخاراتی حالت میں متحول کر دیتی، اور شبنم کو فنا کر دیتی ہے!
(۲) ایک نظر پیش نہیں ایک لحظہ سے زیادہ نہیں فرصت ہستی
مدتِ زندگی "گر می بزمِ رونق و آرایشِ محفل" "شر" (پیشنگاہ)
سے چکراتا ہوا شاہکنا اور بچھ جاتا ہے، اس کے نکلنے کو
رقص سے تعبیر کرتے ہیں، یعنی مدتِ عمر اس سے زیادہ

نہیں کہ عالم موجودات کا صرف ایک نظارہ دوسری کر لیا جائے
جس طرح شہر کے لئے سارا لطف محفل اس کی ایک گردش
تاک ہے، محفل، سہی کو قائم رہتا ہے، لیکن اس کو اس سے
زیادہ ہمدت بقا نہیں۔

(۱) موت کو شہر صبح فنا لکھتے ہیں، اور شمع بھی صبح کو، شمع کشتہ
کھاتی ہے۔ یعنی غم ہستی کے سوز و گداز کا علاج سوائے
فنا کے کچھ نہیں، جس طرح شمع کو رات بھر جلنا پڑتا ہے
بالآخر صبح جو اس کے لئے فنا ہوتی ہے اس کے سوز کا علاج
کرتی ہے۔

گر تجھ کو یہ یقین اجابت، دعا مانگ	۱	یعنی بغیر ایک دل سے دعا مانگ
آتا ہے داغ حسرت دل کا شمار یاد	۲	مجھ سے میرے گنہ کا حساب و خزانہ مانگ

(۱) "اجابت" اصطلاحاً، قبولیت و "دعا" بے مدعا "بے طلب"۔
یعنی اگر تجھ کو یہ یقین ہو جائے کہ دعا قبول ہو جائے گی، تو یہ
دعا مانگ کہ اے خدا، مجھے ایسا دل عنایت فرما جس میں کوئی
خواہش و طلب نہ ہو، تاکہ یہ استغناء زمانہ پھر سے داغ کر دے!
(۲) حسرت کا مفہوم، آرزو مندی ہے، آرزو پوری نہ ہونے سے
داغ ہوتا ہے، مطلب ہے کہ اے خدا مجھ سے مزید گناہوں
کا مواخذہ نہ فرما، کیونکہ ناکردہ گناہوں کی حسرتوں نے میرے
دل میں جو داغ دیئے ہیں وہ بھی یاد آتے ہیں، اور مجھے اور
زیادہ شرمندگی ہوتی ہے اسی مضمون کو دوسری جگہ، دوسرے
عنوان سے اس طرح بیان فرمایا ہے:-

ناگروہ گناہوں کی بھی حسرت کی علامت ہو

یاد رہے: اگر زین یا گروہ گناہوں کی حسرت ہو

۱	پہلے کس قدر ملک فریب و فاسدے گل	۱	پہلے کس قدر بار بار ہر شے ہلے گل
۲	اگر ادنیٰ قہم ہمارے کہ ہر طرف	۲	اگر ادنیٰ قہم ہمارے کہ ہر طرف
۳	جو تھا سو سوچ رہا کہ کچھ ہو گیا	۳	اے گلے نالہ لہو خویش لڑائے گل
۴	خوش حال اس پر لہو سپید صفت کا گروہ	۴	رکھتا ہو شل سایہ گل سر پہ اسے گل
۵	ایچا کر فتنے سے فتنے سے لے لے بہار	۵	بیرا قہم پہ نفس خطرنا سے گل
۶	شہر سے کچھ نہیں ہے یاد بہار سے	۶	دینا سے لے لے شہر اشد دل سے ہوا سے گل
۷	سوا سے پیر سے جلد کا حسین غور کی	۷	خون سے پیر کی نگاہ میں رنگا سے گل
۸	خوش ہو رہا ہے کچھ سوچ رہا ہے	۸	دینا سے لے لے شہر اشد دل سے ہوا سے گل

حالت ہے جس سے ہمراہی خوش آرزو
پس کو خیالی ہے گل چپ قبا سے گل

۱) انہی گلوں سے وقار اور قیام ہو گا اگر تو فتح کیے ہو گے ہیں
پہلے کسی آئی ہوئی ہے اس پر چھوٹا
۲) شہر، نگارہ کی بار بار ہے۔ گل چپ قبا کی صورت میں
تھا کہ یا و ام ہوا سے ملکوں میں چکڑا ہوا تھا رنڈو کی شکل
۳) لہو تھا تو و ام ہوا کہ اس سے یعنی اب حلقہ ہائے و ام ہوا
لوٹے ہوئے ہیں (۱) رنڈو کی شکل سے ہیں (۲) شہر کی شکل، حلقہ ہائے
و ام ہوا کی شکل سے (۳) تصویر کیا ہے (۴) اور پورے گل، اور
شہر کی شکل کو آواز دینا چاہیے ہوئی ہے۔

۵) "نہ لہو خویش لڑائے گل" یہ عبارت سے لہو سوچ رہا

(۱) گل پر لب قباے گل پیروں گل کی جیب کا پھول یا معشوقوں
کا معشوق یا معشوق حقیقی۔ مطلب یہ ہے کہ مجھے اس سے وصل
ہونے کی آرزو ہے جو معشوقوں کا معشوق ہے۔

غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش از یک نفس
(۱) برق سے کہتے ہیں روشن شمع ماتم خانہ ہم
مخفلیں پر ہم کرے سے گنجفہ باز خیال
(۲) ہیں ورق گردانی نیزنگ یک بست خانہ ہم
یا جو دیک جاں ہنگامہ پیدائی نہیں
(۳) ہیں چراغان شبستان دل پروانہ ہم
صف سے ہے نے قناعت سے یہ ترک جستجو
(۴) ہیں وبال تگسیہ گاہ ہمت مروانہ ہم
دامم الجیس اس میں ہلاکھوں تمنا میں آسہ
(۵) چاہتے ہیں سینہ پرخوں کو زنداں خانہ ہم

(۱) بزم کے التزام سے شمع کا ذکر ہے۔ "برق سے روشن
کرتے ہیں" یعنی برق کی شمع روشن کرتے ہیں۔ "بیش از یک نفس"
برق کی سرعت نمود کی تو جیسے ہے مطلب یہ کہ آواز و جنبش لوگوں
کو ایک لمحہ سے زیادہ کوئی غم نہیں ہوتا۔ ان کی بزم ماتم صرف
اتنی دیر پر پامرتی ہے جتنی دیر میں بجلی چمک جاتی ہے۔
(۲) محفل سے مراد محفل حسینان ہے۔ حسینین شاعرانہ زبان
میں بہت بھی کہتے ہیں اس لیے بزم حسینان اور بہت خانہ
مراد مفہوم ہیں۔ مثلاً علی محفل کی رعایت سے گنجفہ باز

اور گنجفہ باند کی رہنمائی سے "درواقع گروانی" استعمال ہوئے ہیں۔
 "پیرنگ" انقلابی بات و عجائب گنجفہ پازخیال معشوق متلون
 مزاج سے استعارہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ شاعر متلون مزاج
 محفل آرائیاں اور محفلیں برہم کرتا رہتا ہے۔ گویا ہم بھی انقلابات
 بہت خانہ کے تحتہ مشق ہیں۔ گویا مشیت الہی کی طرف اشارہ
 ہے کہ اسکی مشیت نے ہم کو حوادث کا تحتہ مشق بنا رکھا ہے۔

وہاں باوجود یک جہاں ہنگامہ "باوجودیکہ اتنا ہنگامہ اور
 بچل ہے کہ ایک جہاں معلوم ہوتا ہے۔ یا باوجودیکہ ہنگامہ نے
 ایک دنیا بنا دی ہے۔" پیالی "نمود و چود چراغ یا شمع کے
 فلور و جلوہ کی یہ ہنگامہ آرائی ہے کہ چرواہوں کو فریفتگی اور اندر
 سوز کی شورش پیش ہے۔ لیکن حقیقتاً ان چراغوں اور شمعوں
 میں یہ قدرت کہاں کہ کسی میں کوئی فریفتگی پیدا کر سکیں۔

یہ تو خالق و صانع کائنات نے جہالت و خفاقت میں اس
 قسم کے خواص بطور فرما دیئے ہیں کہ پروانہ شمع کا عاشق
 ہوتا ہے اور وہ اور ہی چراغان قادر ہے جو دل پروانہ میں
 ہے۔ اور محراب عشق شمع ہے یعنی وہ اصل ہنگامہ چراغ و دل
 پروانہ میں روشن ہے۔ اور پروانہ عام چراغوں کو وہی چراغ
 سمجھ کر سوز عشق میں جلتا ہے۔ یہی کیفیت تمام موجودات عالم
 کی ہے کہ وجود کو نظر آتا ہے۔ لیکن وہ وجود حقیقی کا صرف
 پرتویا عکس ہوتا ہے اور یہی مثال ہمارے وجود کی حقیقت
 کی ہے کہ ہم گو شمع کی طرح ظاہر و پیدا ہیں لیکن ہماری

لکھی ہے اور عہد شباب کے فراق و وصال دونوں کی یاد اور
 نوک و مرو و جو کے حسرت و شوق پر مشتمل ہے۔ عز دل نہایت مختصراً
 عام فہم اور ریاں ہے۔

(۱) کی وفا بیٹھنے تو غیر اس کو جفا کہتے ہیں
 ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو پڑا کہتے ہیں

(۲) آج ہم اپنی پریشانی خاطر ان سے
 کہنے جانتے تو ہیں پر دیکھتے کیا کہتے ہیں

(۳) اگلے وقتوں کے ہیں لوگ انہیں کچھ نہ کہو
 چومے و غصے کو اندر دھربا کہتے ہیں

(۴) دل میں آجائے ہے ہوتی ہو جو فرصت غش
 اور پھر کون سے ناسے کو رسا کہتے ہیں

(۵) ہے پر سے سرحد اور اک سے اپنا مسجو و
 قباے کو اہل نظر قباۃ نس کہتے ہیں

(۶) پاسے افکار پر جب سے تجھے رحم آیا ہے
 خار رہ کو تیرے ہم مر گیا کہتے ہیں

(۷) اک شرر دل میں ہے اس سے کوئی گیارہ گنا گیا
 آگ سے مطلوب ہے ہم کو جو ہوا کہتے ہیں

(۸) دیکھتے لاتی ہے اس شمع کی شخت کیا رنگ
 اُس کی ہر بات پر ہم نام خدا کہتے ہیں

(۹) و شست و شستہ آب مر تیر کہو میں شاید
 مر گیا تو لب آب شستہ نہ لیا کہتے ہیں

(۱۱) یعنی جب ہم سے وفا کی توفیقاً غیروں سے موجود ثانی ہوئی
اس لئے وہ بُرا کہتے ہیں لیکن ہم سے وفا کرنا خوبی ہے اور اختیار
اُن کی وفا کے مستحق نہ تھے۔ اس لئے اُن کا بُرا کہنا ایسا ہی ہے
کہ اچھوں کو اکثر بُرا ہی کہا کرتے ہیں۔

(۱۲) مصرعہ اولیٰ عام مجاورہ سا ہے۔ جو اگلے زمانہ کے لوگوں
کے لئے کہا گیا ہے۔ دورِ موجود کے لوگ اس خیال سے کہ زمانہ
ترقی کر رہا ہے اور ہر ماضی ہر حال سے نسبتاً تار پکی اور
جمل میں گذرا ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس کے اگلے وقتوں کے
لوگوں کو ان کی بزرگی و اولیت کا لحاظ کرتے ہوئے پُرانیوں
کہتے۔ مصرعہ ثانی کا مطلب ہے کہ شراب اور راک سے
غم غلط نہیں ہوتا کیونکہ غم غلط ہونے والی چیز نہیں پھر غم
عشق تو ان سے اور ترقی کرتا ہے۔

(۱۳) نالہ کی یہ رسائی کیا کم ہے کہ جہاں غش سے فرصت ملی کہ
دل میں آہنچا۔

(۱۴) "اوراک" فہم۔ اور سمجھ۔ "مسجود" مسجود جس کو سجدہ کیا جاتا ہے،
قبیلہ "مرجع عبادات و سجدہ" جس کے سامنے یا جس کو سامنا
پنا کر سجدہ اور عبادتیں ادا کئے جاتیں۔ اور چونکہ نماز وغیرہ
کعبہ کی طرف پڑھتے ہیں اس لئے اس کو قبیلہ کہتے ہیں۔ لیکن
مقصود بالذات جو قبیلہ عبادت ہے وہ وعدہ لا شریک لہ ہے
پس قبیلہ اول سے مقصود عبادات، اوقات باری تعالیٰ مراد ہے
اور قبیلہ ثانی سے کعبہ عربستان جس کو عرف عام میں قبیلہ کہتے ہیں

مطلب یہ ہے کہ ہمارا پیسہ بڑھتا رہے اور ہمارا ملک بڑھتا رہے
 ہمارا ہر شے بڑھتی رہے اور ہمارا ہر شے بڑھتی رہے
 ہمارا ہر شے بڑھتی رہے اور ہمارا ہر شے بڑھتی رہے
 ہمارا ہر شے بڑھتی رہے اور ہمارا ہر شے بڑھتی رہے
 ہمارا ہر شے بڑھتی رہے اور ہمارا ہر شے بڑھتی رہے
 ہمارا ہر شے بڑھتی رہے اور ہمارا ہر شے بڑھتی رہے
 ہمارا ہر شے بڑھتی رہے اور ہمارا ہر شے بڑھتی رہے
 ہمارا ہر شے بڑھتی رہے اور ہمارا ہر شے بڑھتی رہے

ہمارا ہر شے بڑھتی رہے اور ہمارا ہر شے بڑھتی رہے
 ہمارا ہر شے بڑھتی رہے اور ہمارا ہر شے بڑھتی رہے
 ہمارا ہر شے بڑھتی رہے اور ہمارا ہر شے بڑھتی رہے
 ہمارا ہر شے بڑھتی رہے اور ہمارا ہر شے بڑھتی رہے
 ہمارا ہر شے بڑھتی رہے اور ہمارا ہر شے بڑھتی رہے
 ہمارا ہر شے بڑھتی رہے اور ہمارا ہر شے بڑھتی رہے
 ہمارا ہر شے بڑھتی رہے اور ہمارا ہر شے بڑھتی رہے
 ہمارا ہر شے بڑھتی رہے اور ہمارا ہر شے بڑھتی رہے

آپ کو کیا خاک میں مل گئی کہ گناہ میں نہیں

(۱)

سب سے زیادہ تم کو یاد ہے اور میں نے اس کو یاد کیا

نہایت سے تم کو یاد ہے کچھ باتیں سے تم میں ہیں

(۲)

ہنگامہ سیکڑا کی پوٹوں کو دامن میں لیں

پہلے کے ہیں پھر آج کے ہیں

112

وہ ہے اس کے لئے کہ وہ اپنے

کیا تمہیں کبھی زبانِ غم نہ آئے

165

پیشہ گوئی کے لئے جس کے روشن دماغ میں

روشنی، جن پر غور کیا جائے میرا سامنے سے



انجمن علمیہ کے زیر اہتمام

نہ ختم ہو گا! میرے سے بھروسہ داروں کی ساری باتیں

143

مجلس ششمین

میں کہہ رہی ہوں کہ یہاں ہمارے کیا کام ہے۔

(4)

جیلوہ جنگل کے سوا اگر وہاں کچھ اور فتنے ہوں تو نہیں۔

مجلس شورای ملی

454

[illegible]

کے لئے ساری خوشیوں کا شادی

1993

موج سے کی گئی ایک بیٹھائی کر دیا گیا ہے

وہاں پہنچ کر انہوں نے کہا کہ یہاں کی عورتوں

(19)

۱۰۸

مجلس شورای ملی

44

مجلس شورای اسلامی

وہی وہی رہا لیکن

میں نے کیا کیا کوششیں کی ہیں۔

کرنے کے لئے میں زخم سلاواتا ہوں۔ اور پھر یہ سمجھتا ہے کہ چارہ
زخم مقصود ہے۔

(۷) "پہار ناڑ" جس میں گونا گوں ناز و انداز کے پھول کھلتے
ہوں معشوق سے استعارہ ہے۔ یہاں ناز کی لفظی رعایت
سے جلوہ گل کہا گیا ہے۔

(۸) "ہیو پائی" کا لہجہ۔ مادہ۔ یعنی ہر ایک قطرہ میں ناسور ہو جائے
گیا مادہ موجود ہے۔ اور میرے جسم کا خون بھی ذوق درد کی
ملا حیت رکھتا ہے۔

(۹) "نخوت" زخم مراد ہے۔ قلم آشنائی۔ کثرت سے نوشی
قلم کی رعایت سے موج اور خط یا نشان سے کو غرور و نخوت
کے تلازمہ ہیں "رگ" کہا گیا ہے۔ "ہینا" صراحی سے اور
گردن میں رعایت ہے۔ یعنی ساقی کو تنہی شراب پر بہت
ناز تھا۔ لیکن میں سب پی گیا۔

(۱۰) "فشا" دبانے یا چکڑنا۔ مبالغہ ہے۔ یعنی جھکنا بھی محال ہے۔
(۱۱) "مشت خس" شمشیر بھرنے کے "مغل خن" انگلیٹھی۔ تنکوں کی ان
سے وطن جنگل میں پڑسش ہی کیا۔ پھر جنگل سے باہر غربت
میں مشت خس کی حیثیت کوڑے کی ہوتی ہے۔ البتہ گلخن کو
بھوڑی ویر و دشن کر دینے کے کام آسکتے ہیں۔ یہی مطلب
شعر کا ہے کہ وطن اور غربت دونوں جگہ ہماری شان و قدر
ہی کیا ہاں تشکرہ عشق میں ڈال دیئے جائے تو بہتر تھا
کہ ہم اس قابل ضرور ہیں۔

۱۔ اگر ایک آدمی مرنے لگے اپنے قضا کرے
 ۲۔ پھر تیار نہ لگے تو کنگر سے ساگروں
 ۳۔ میں اور ایک شنبین اگر کنگر
 ۴۔ ہے یہ خدا نکر وہ ہے جو کنگر

[illegible][illegible][illegible]

(۳) آگمان "بمعنی سوئے ظن استعمال ہوا ہے" منفعل "شمر شدہ" خدا نکر وہ محاورہ ہے۔ جیسے خدا نخواستہ اپنی میرے ساتھ ایسا پر تاؤ نہ کر کہ خدا نخواستہ میں زبان سے تجھے بیوفا کہنے پر مجبور ہو جاؤں۔ کیونکہ ابھی تک میں اپنی بدگمانی سے یہ مقابلہ بھی کرتا ہوں کہ تو بیوفائی نہ کرے۔

۱	مہرباں ہو کے بلالو مجھے چاہو جس وقت	۱	میں گیا وقت نہیں ہوں کہ کچھ بھی سکوں
۲	ضعف میں طعنہ اغیار کا شکوہ کیا ہے	۲	بات کچھ سرتو نہیں ہے کہ اٹھا بھی سکوں
۳	زہر ملتا ہی نہیں مجھ کو ستمگور نہ	۳	کیا قسم ہے تیرے ملنے کی کہ کھا بھی سکوں

(۴) وقت جا کر نہیں آتا۔ شدت ضعف میں سر اٹھانا مشکل ہوتا ہے معشوق سے ملنے کی قسم کھانا عاشق سے ناممکن ہے۔ تینوں اشعار میں یہ تینوں باتیں نہایت بے ساختگی سے یا محاورہ لکھی گئی ہیں اور محاسن استعمال قابل داد ہیں۔

۱	ہے کھل جاؤ وقت سے پرستی ایک دن	۱	ورنہ ہم چھڑینگے رکھ کر عذر مستی ایک دن
۲	غمرہ اورچینا سے عالم امکاں نہ ہو	۲	اس بلندی کے نصیبو نہیں ہے پرستی ایک دن
۳	قرض کی پیتے تھے مے لیکن ابھی تھے کہ	۳	رنگ لائینگے ہماری فاقہ مستی ایک دن
۴	نغمہ ہائے غم کو بھی ایدل قیمت جانے	۴	بے صدا ہو جائیگا یہ ساز ہستی ایک دن
۵	دعول دھپا اس سر پانا ز کا شیوہ تھا	۵	ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیش دستی ایک دن

(۱) "کھل جاؤ" بے تکلف ہو جاؤ۔ یعنی مے خواری کے وقت ہم سے کسی دن بے تکلف ہو جاؤ ورنہ ہم نشہ کا بہانہ کر کے کبھی نہ کبھی خوب چھڑیں گے اور یوں بے تکلف ہو جانے میں تمہاری شان میں بھی فرق نہ آئیگا کیونکہ نشہ کا عذر معقول ہے۔

(۱۲) ”غزوة“ گھمنڈ ”اوج“ عروج ”عالم امکان“ دنیا یعنی اس عالم کے اسباب پر یا بنا پر کسی عروج و کمال کا گھمنڈ نہ ہو جائے کیونکہ یہاں ساری ترقیوں اور بلندیوں کے لئے پستیاں اور تنزل ہیں اور ایک دن ہی اس عالم کا حشر ہو جائیگا۔
(۱۳) ”رنگ لائے گی“ فساد و فتنہ پیدا کرے گی یعنی مفلسی میں شراب پیتا رنگ لائے گا۔

(۱۴) ”ساز ہستی“ جسم انسانی سے استعارہ ہے۔ اور ساز کی رعایت سے ”صد اور نغمہ“ استعمال ہوئے ہیں ”خاموشی“ خاصہ موت ہے۔ اس لئے آواز خواہ درد و غم ہی کی کیوں نہ ہو لوازمات زندگی میں سے ہے۔ اس لئے نغمہ ہائے غم کو بھی غنیمت سمجھنا چاہئے۔

۱	ہم پر حقیقت ترک و قافا کا گماں نہیں	۱	اک چھپر ہے وگرنہ مراد امتحان نہیں
۲	کس ثمن سے شکر کیجئے اس لطف خاص کا	۲	پرستش ہے اور پائے سخن درمیاں نہیں
۳	ہم کو ستم عزیز ستمگر کو ہم عزیز	۳	نامہرباں نہیں ہے اگر ہرباں نہیں
۴	یوسف نہیں نہ دیکھئے دشت نام ہی ہی	۴	آخر زباں تو رکھتے ہو تم گردن نہیں
۵	ہر چند جاں گداز ی قہر و غتاب ہے	۵	ہر چند پشت گرمی تاب و تواں نہیں
۶	جہاں مطرب ترانہ ہل من مزید ہے	۶	لب پر وہ سنج زمرۃ الاماں نہیں
۷	خیر ہے چیر سینه اگر دل نہ ہو و نیم	۷	دل میں چھری چھو مژہ گر خوشکان نہیں
۸	سہم ترک سیمہ دل اگر آتشکدہ نہ ہو	۸	سہم ہار دل نفس اگر آذر فشاں نہیں
۹	آفتماں نہیں جنوں میں بلا ہے ہو گھر خراب	۹	سو گز زمیں کے لئے بیاباں گراں نہیں
۱۰	کہتے ہو کیا اکہا ہے تری ہر نوشتہ میں	۱۰	گویا جہیں پہ سجدہ بست کا نشان نہیں

پاتا ہوں اُس سے اد کچھ اپنے کلام کی ۱۱ | رُوح القدس اگرچہ مرا ہنر باں نہیں

جاں ہے بہانے بوسہ دے کیوں کہتے بھی

(۱۲)

غالب کو جانتا ہے کہ وہ تمہاں نہیں

(۱) ہم پر انہیں ترک وفا کا گمان نہیں ہے۔ بلکہ وہ جفا کے امتحان کا نام لیتے ہیں یہ ایک قسم کی چھوڑ ہے۔

(۲) یعنی ہم سے تو بات چیت ہوتی نہیں دوسروں سے ہمارا حال پوچھ لیتے ہیں یہ خاص معشوقانہ انداز ہے۔ اور یہ پرسش حال لطف خاص ضرور ہے لیکن اس کا شکر کون ادا کرے۔ خود ہم پوچھتے ہو تو ہم ہی شکر ادا کرتے۔

(۳) ہم ستم پسند ہیں اور وہ جفا پسند۔ وہ چونکہ جفا پسند ہے اس لئے لطف و عنایت نہیں کرتا۔ اور ستم کرتا ہے جو ہمیں عزیز ہے پس ہمارے لئے وہ نامہربان نہیں ہے۔

(۴) معشوق کی صفت بے دہانی (مبالغہ تنگی دہن) ہے پھر بوسہ دہن کا مطالبہ بھی ہوا کرتا ہے۔ اور طلب بوسہ پر گالیاں کھانے میں بھی مزہ آتا ہے۔ مطلب یہی ہے کہ بوسہ نہ سہی۔ گالیاں تو دے دیجئے۔ دہن نہیں ہے زبان تو ہے۔

(۵ و ۶) "جانگدازی" بیقراری و بے چینی مراد ہے پشت گرمی ہمت برداشت۔ "تاب و توان" طاقت و ضبط "مطرب" گانے والا "ہل من مزید" کچھ اور زیادتی۔ "پروہ سنج" مطرب کی رعایت سے یہ لفظ بمعنی "جنش لب" استعمال ہوا ہے "زمزمہ" نغمہ۔ یعنی اگرچہ قہر و عتاب یا جفا و ستم سے بے چینی و اضطراب ہیں

اور ضبط و تحمل کی طاقت نہیں لیکن جان ہے کہ ترانہ ہر بل میں مزید
گواہی ہے اور نہ لبوں پر لفظ الا مان ہے۔ دونوں شعروں میں
ایذا طلبی ظاہر کی گئی ہے۔

(۸) ”آذر“ اس آتشکدہ کے بانی کا نام ہے جس میں ابراہیم
خلیل اللہ ڈالے گئے تھے۔ آذر فشاں کی ترکیب اسی تلخ سے
بہتی آتش افشانی و شر افشانی ماخوذ ہے اور نہایت پُر شوکت
ترکیب ہے۔ یعنی اگر زخم عشق سے دل پارہ پارہ نہ ہو تو سینہ
خجھر سے چیر ڈالو۔ اور دل کو دو نیم کر لو۔ اور پیکوں سے اگر دم گرم
خون نہ پکتا ہو تو دل میں جھری چھو کہ خوتا بہ فشاں کریں۔
دل میں اگر آتشکدہ عشق نہیں تو سینہ کے لئے ایسا سرد و
مروہ دل نہک و عار ہے۔ اور ہوساں شر فشاں نہ ہو وہ
دل کے لئے باعث شر ہے راہِ اذہا طلبی کا ایسا پُر لطف اسلوب
بیان یہ خدا کا سزاوار ہے اس کا لطف کچھ زخمی دلان عشق
اور سوختہ جاتانِ الفت ہی اٹھا سکتے ہیں)

(۹) یعنی گھر کا رقبہ دشت و حشت و جنوں کے بالمقابل ناقابل لحاظ
ہے۔ گھر کی بریادی کے عوض اہل جنوں کو اتنی وسعتِ بیاباں
میں سزا جاتی ہے تو جنوں میں کچھ نقصان نہیں۔

(۱۰) یعنی آپ کے در پر جو سجدہ کرتے کرتے پیشانی پر داغ پڑ گیا ہے
بس اسی کو قیمت کا لکھا سمجھ لیجئے۔ اب یہ کیا پوچھتے ہو کہ
تیرے قیمت میں کیا لکھا ہے۔

(۱۱) ”روح القدس“ حضرت جبریل مراد ہیں۔ گورِ روح القدس میرا

ہمزیاں نہیں لیکن وہی دادِ سخن دے سکتا ہے کیونکہ وہ تلامذہ
غیب سے واقف ضرور ہوتا ہے۔

(۱۲) بوسہ کی قیمت ایک جان ہے۔ لیکن وہ ابھی قیمت ظاہر
نہیں کرتا کیونکہ جانتا ہے کہ جان دیکر بوسہ لیا جاسکتا ہے قیمت
اُس وقت ظاہر کرے گا جب میں نیم جاں ہو جاؤں گا اور قیمت
ادا کرتے کے قابل نہ رہوں گا۔

۱	ایک چکر ہے میرے پاؤں میں زنجیر نہیں	۱	بارغِ دشتِ نوردی کوئی تدبیر نہیں
۲	جادو غیر از نگہ دیدہ تصویر نہیں	۲	شوق اُس دشت میں دوڑا ہے مجھ کو کہ چھا
۳	جادو راہِ فنا جز دمِ شمشیر نہیں	۳	حسرتِ لذتِ آزار رہی جاتی ہے
۴	خوش ہوں گزرا لہ زبونی کس تاثیر نہیں	۴	ریخِ دو میدی جاوید گوارا رہو
۵	لذتِ سنگ باندازہ تقریر نہیں	۵	سر کھاتا ہے جہاں زخمِ سر چھو جاتے
۶	کوئی تقصیر بجز خجالتِ تقصیر نہیں	۶	جب گرم رخصتِ میا کی وگستاخی دے

غالت اپنا یہ عقیدہ ہے بقولِ نازم

آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ تمیر نہیں

(۱) دشتِ نوردی سے باز رکھنے کی کوئی تدبیر بھی نہیں۔ زنجیر جو
میرے پاؤں میں ہے وہ بھی میرے پاؤں کو جو چکر لگا ہوا ہے
اُس کے مماثل ہے۔

(۲) ”جادو“ ”خطِ راہ“ ”دیدہ تصویر“ ”تصویر کی آنکھ“ ”تصویر ہمہ تن
حیرت ہوتی ہے۔ گویا تارِ نگاہ حیرتِ خطِ راہ ہے۔ یا جہاں کی
راہ حیران کن یا حیرانی ہے۔ یا جہاں ہمہ تن حیرت ہو کر چلتا پھرتا
ہے یعنی شوقِ مجھ کو عالمِ حیرت میں دوڑاتا ہے اور یہ ہلکے عرفت

الہی کا وہ مقام گو گویا ہے جہاں سے سالک پر آثارِ فنا طاری
ہونے شروع ہوتے ہیں۔

(۱۴) وہاں پرستانِ عشق کے لئے تلوار کی یاڑہ راہِ فنا ہے۔
لیکن یہ وہ راستہ ہے کہ ایک لمحہ میں طے ہو جاتا ہے۔ اس لئے
رک رک کر جان دینے اور ستم ہائے گونا گوں کے مرتے لینے کی
حسرت باقی رہ جاتی ہے۔

(۱۵) ”تربونی کش“ لذت کش۔ یعنی نالہ کو تاثر کے احسان اٹھانے کی
ذلت کو نہ ہونی۔ میں خوش ہوں بہتر ہے کہ دائمی نا اُمیدی کا
رنج ہی میرے لئے گوارا ہے۔

(۱۶) ”باندازۃ لقا“ نہیں یعنی حدیثان سے باہر ہے۔
(۱۷) ”کرم“ معشوقی کمالِ التفات، اس کی رواداری۔ ”تقصیر“ قصور
کرنا۔ یہاں دستِ درازیاں اور اطہارات شوق مراد ہیں مطلب
ہے کہ جب محبوب کی رواداری بیباکی کی اجازت دے اور
اُس کا کرم گستاخ دستیوں سے نہ روکے تو قصور کرنے سے
شرمانا یا جھجکنا سب سے بڑا گناہ ہے۔

مرت مردِ مکشیدہ میں سمجھو یہ نگاہیں ۱ | ہیں جمع سویدائے دل چشم میں آہیں

(۱۱) ”مردِ مک“ آنکھ کی پتلی۔ ”سویدا“ دل کا لقطہ سیاہ۔ سویدہ اور
مردِ مک اور سویدہ و دل اور تارِ نگاہ اور آہوں میں تشبیہ ہے۔
یعنی پتلی میں نگاہیں نہیں ہیں۔ بلکہ سویدائیں آہیں ہیں۔

برشکالِ دیدہ عاشق نہ پیکھا چاہئے ۱ | کھل گئی مانند گل سوچا سے دیوارِ چین
الفن گل سے غلط ہے دعویٰ وارستگی ۲ | سرو ہے یا وصفِ آزادی گرفتارِ چین

(۱) "برسکال" (بارش) شاعرانہ مبالغہ نگاری ہے۔

(۲) "وارثگی" آزادی۔ سرو کی بھی صفت آزادی ہے۔ لیکن سرو باغوں ہی میں ہوا کرتا ہے۔ گویا وہ باوصف آزادی اُلفتِ گل کے باعث زنداں خانہ نگلشن سے باہر نہیں نکل سکتا اور دعویٰ آزادی غلط ثابت ہوتا ہے۔

عشق تاثیر سے نومید نہیں	۱	جان سپاری شجر بید نہیں
سلطنت دست بدست آتی ہے	۲	جام سے خاتم جمشید نہیں
ہے تجسلی تری سامان وجود	۳	ذرہ بے پروا خورشید نہیں
راز معشوق نہ رسوا ہو جاتے	۴	ورنہ مرجانی میں کچھ بھید نہیں
گردش رنگِ طرب کے ڈر ہے	۵	غمِ محسوس چا وید نہیں
کہتے ہیں جیسے ہیں امید پہ لوگ	۶	ہم کو جینے کی بھی امید نہیں
سے کشی کو نہ سمجھ بے حاصل	۷	یادہ غالب عرق بید نہیں

(۱) "جان سپاری" جان دینا۔ شجر بید بید کا درخت جو برگ سے محروم پیدا ہوتا ہے یعنی عشق تاثیر سے یا یوں نہیں ہے چونکہ عشق میں جان بھی جاتی ہے اور جان جیسی شے دینا بے نتیجہ و بے ثمر نہیں ہو سکتا جیسا کہ شجر بید۔

(۲) "دست بدست" ہاتھوں ہاتھ۔ یعنی یکے بعد دیگرے۔ خاتم جمشید جمشید کی انگوٹھی۔ یہاں مقصود یہ ہے کہ جام شراب سلطنت ہے یہ ہاتھوں ہاتھ جمشید سے ہم تک پہنچا ہے لیکن جام انگشتی جمشید نہیں کہ اسی کا نام کندہ تھا اسی کے ہاتھ میں رہی اور کسی کو دستیاب نہ ہو سکی۔ اگر وہ بھی جام کی طرح

الٹی کا وہ مقام گوگو ہے جہاں سے سالک پر آثارِ فنا طاری ہونے شروع ہوتے ہیں۔

(۱۳) وفا پرستانِ عشق کے لئے تلوار کی پاڑہ راہِ فنا ہے۔ لیکن یہ وہ راستہ ہے کہ ایک لمحہ میں طے ہو جاتا ہے۔ اس لئے رگِ رک کر جان دیتے اور ستمِ مائے گوناگوں کے مرتبے لینے کی حسرت باقی رہ جاتی ہے۔

(۱۴) اُتریونی کش لذت کش۔ یعنی نالہ کو تاثیر کے احسان اٹھانے کی ذلت کو نہ ہونی۔ میں خوش ہوں بہتر ہے کہ دائمی نا اُمیدی کا رنج ہی میرے لئے گوارا ہے۔

(۱۵) "باندازۂ تھوہر نہیں" یعنی حد بیان سے باہر ہے۔ (۱۶) "کرم" معشوقی کا التفات، اس کی رواداری، "تقصیر" قصور کرنا۔ یہاں دوست درازیاں اور اطہارات شوق مراد ہیں مطلب ہے کہ جب محبوب کی رواداری بیباکی کی اجازت دے اور اس کا کرم گستاخ دستیوں سے نہ روکے تو قصور کرنے سے شرمانا یا جھجکنا سب سے بڑا گناہ ہے۔

مرتبہ مردانہ دید میں بھوینہ لگا ہیں | ۱ | ہیں جمع سوید اسے دل چشم میں آ ہیں

(۱) "مردانہ" آنکھ کی پتلی۔ "سوید" دل کا لفظ سیاہ۔ سویدہ اور مردانہ اور دیدہ و دل اور تارنگاہ اور آہوں میں تشبیہ ہے۔ یعنی پتلی میں لگا ہیں نہیں ہیں۔ بلکہ سوید میں آہیں ہیں۔

پر شکال دیدہ عاشق نہ پکھا چاہے | ۱ | کھل گئی ماتند گل سو جا سے دیوار چمن
الفٹ گل سے غلط ہے دعوتی و راستگی | ۲ | سرو ہے یا وصف آزاد و زرقا رہیں

(۱) "بزرگمال" (بارش) شاعرانہ مبالغہ نگاری ہے۔
 (۲) "دارشکی" آزادی۔ سرو کی بھی صفت آزادی ہے۔ لیکن سرو
 باغوں ہی میں ہوا کرتا ہے۔ گویا وہ باوصف آزادی الفت
 گل کے باعث زنداں خانہ نگلشن سے باہر نہیں نکل سکتا اور دعویٰ
 آزادی غلط ثابت ہوتا ہے۔

عشق تاثیر سے نوید نہیں	۱	جان سپاری شجر بید نہیں
سلطنت دست بدست آتی ہے	۲	جام سے خاتم جمشید نہیں
ہے تجلی تری سامان وجود	۳	ذرہ بے پروا خورشید نہیں
راز معشوق نہ رسوا ہو جاتے	۴	ورنہ مرجائے میں کچھ بید نہیں
گردش رنگ طرب سے ڈر ہے	۵	غم محسوس می جاوید نہیں
کہتے ہیں جیتے ہیں امید پہ لوگ	۶	ہم کو جینے کی بھی امید نہیں
سے کشتی کو نہ سمجھ بے حاصل	۷	باد غالت عرق بید نہیں

(۱) "جان سپاری" جان دینا۔ "شجر بید" بید کا درخت جو برگ و ثمر سے
 محروم پیدا ہوتا ہے یعنی عشق تاثیر سے مایوس نہیں ہے چونکہ
 عشق میں جان بھی جاتی ہے اور جان جیسی شے دینا بے نتیجہ و
 بے ثمر نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ شجر بید۔

(۲) "دست بدست" ہاتھوں ہاتھ۔ یعنی یکے بعد دیگرے۔ خاتم
 جمشید جمشید کی انگوٹھی۔ یہاں مقصود یہ ہے کہ جام شراب
 سلطنت ہے یہ ہاتھوں ہاتھ جمشید سے ہم تک پہنچا ہے لیکن
 جام انگشتی جمشید نہیں کہ اسی کا نام کتہہ تھا اسی کے ہاتھ میں
 رہی اور کسی کو دستیاب نہ ہو سکی۔ اگر وہ بھی جام کی طرح

سلطنت ہوتی تو متواتر ہوتی رہتی۔

(۳) تجلی پر تو جمال عکس نور سامان وجود "باعث تکوین" وجہ تخلیق آفتاب کے مقابلہ میں جس ذرہ کا تذکرہ ہوا کرتا ہے وہ وہ ذرہ ہوتا ہے جو آفتاب سے اکتساب نور کر کے خود منور ہو چکا ہو ورنہ آفتاب کے ساتھ عام ذرات خاک و ریگ کا کبھی تذکرہ نہیں ہوتا۔ مطلب یہی ہے کہ جس طرح ذرہ بے پروا نور شید نہیں ہوتا اسی طرح یہ ظہور کائنات و شہود عالم خلق بغیر تیرے نور جمال کے کائنات موجود کے حیثیت نہیں رکھتے۔ گویا یہ خود تیری تجلی کے سامان ہیں۔ یا معمل اور محل ہیں۔

(۴) مرجانے میں کوئی راز و سیرا تو ہے نہیں خیال یہ ہے کہ لوگ کہیں گے اُس کے عشق میں مر گیا اور یہ اُس کی رسوائی کا باعث ہو گا۔

(۵) گردش انقلاب "رنگ طرب" حال مسرت و عیش و بھوری و محرومی کا علم و یقین ہوئے گئے بعد نہ کوئی تمنا ہو سکتی ہے اور نہ کوئی مصیبت باقی رہتی ہے جس میں مبتلا ہوئے گا انا ریشہ و خوف ہو۔ لیکن مسرت و عیش کی حالت میں ہر وقت خوف رہتا ہے کہ کہیں یہ زمانہ انقلاب پذیر نہ ہو جائے۔

(۶) یعنی عرق بید میں نشاط و سر نہیں ہوتا اور سہمے میں ہوتا ہے۔

جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں	۱	خیابان خیابان ارم دیکھتے ہیں
دل شفق گاہاں شال کنج و ہن کے	۲	سوید میں سیر عدم دیکھتے ہیں

<p>۳ قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں</p> <p>۴ تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں</p> <p>۵ کہ شب رو کا نقش قدم دیکھتے ہیں</p>	<p>ترے سر قامت اک قد آدم</p> <p>تماشا کر لے جو آئینہ داری</p> <p>سراغ لے لے داغ دل سے</p>
<p>۶</p>	<p>بنا کر فیروں کا ہم بھین غالب</p> <p>تماشا ئے اہل کرم دیکھتے ہیں</p>
<p>(۱) "خیاباں" یا غچہ تکرار لفظی سے قدم قدم پر خیابان ارم مترشح ہے۔ معشوق کی نقش قدم کی تشبیہ گل و گلزار سے عام ہے۔</p> <p>(۲) "دل آشفنگاں" پریشاں دلان عشق "خال" تل "کنج دہن" گوشتہ دہن مراد ہے۔ سویدا (نقطہ قلب) اور خال میں تشبیہ ہے۔ سویدا سے قلب وہ نقطہ ہے جہاں الوار باطنی پر تو افشگن ہوتے ہیں اور یہی نقطہ تماشا ئے معرفت کے لئے بصیرت ہے۔ دہن معشوق کو معدوم لکھتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ دہن (چونکہ معدوم ہوتا ہے) کے خال میں ہم سیر عدم کرتے ہیں۔</p> <p>(۳) ایک قد آدم کم ہونا گویا فتنہ قیامت گیر قدموں میں پڑا ہوا ہے۔ طرز بیان بہت بدیع ہے۔</p> <p>(۴) "تماشا کر" یعنی تماشا دیکھ "جو آئینہ داری" آئینہ کے سامنے بناؤ سنگھار کرنے میں جو یعنی لے بناؤ سنگھار میں جو جو جانیوالے ذرا اوپر دیکھ کہ ہم تجھے کس تمنا و شوق سے دیکھ رہے ہیں گویا تیرا بناؤ سنگھار کامیاب ہے کہ شوق و پسندیدگی کی نظریں</p>	

پر رہی ہیں۔۔۔ یا جس قدر تو آئینہ کے سامنے بناؤ سنگھار
 کرنے میں تجھ سے اسی قدر ہم تیرے جلوے سے متحیر ہیں۔
 (۱۵) "سُراغِ پتہ" نشان "تف نالہ" نالہ کا نشانِ سوزِ یادہ گرمی
 جو داغِ دال دینے والی ہو، شبِ رو "مسافرِ شب" گرمی کے
 موسم میں اکثر مسافِرات کو سفر کرتے ہیں۔ اور تالے بھی
 رات ہی کو کھینچے جاتے ہیں۔ یعنی نالہ ہائے شب ہجر کی گرمی کا
 داغِ دل سے پتہ چلا جس طرح رات میں سفر کر جانے والے
 مسافر کا سُراغِ نقشِ قدم سے ملتا ہے۔ گویا داغِ دل نالہ
 شبِ رو کا نقشِ قدم ہے۔

ملتی ہے خوستے یار سے نارِ التباب میں
 (۱) کافر ہوں گرنہ ملتی ہو راحتِ عذاب میں

کب سے ہوں کیا بتاؤں جہانِ خراب میں
 (۲) شبِ ہائے ہجر کو بھی رکھوں گرجاں میں

تا پھر نہ انتظار میں نیند آئے عمر بھر
 (۳) آنے کا عہد کر گئے آئے جو خواب میں

قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں
 (۴) میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں

مجھ تک کب آن کی بزم میں آتا تھا دورِ جام
 (۵) ساتی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

جو مُنکر و قاف ہو فریبِ اُس پہ کیا چلے
 (۶) کیوں بدگماں ہوں و سب دشمن کے یاب میں

میں مضطرب ہوں وصل میں خوفِ رقیب کے
(۷) ڈالا ہے تم کو وہ ہم نے کس بیچ و تاب میں

(۸) میں اور خطر وصلِ حسدِ سازِ باغ ہے
جاں نذر دینی بھول کیا اضطراب میں

ہے تیوری چڑھی ہوئی اندر نقاب کے
(۹) ہے اک شکن پڑی ہوئی طرفِ نقاب میں

(۱۰) لاکھوں لگاؤ ایک چسپانا نگاہ کا
لاکھوں بساؤ ایک بگڑنا عتاب میں

وہ نالہ دل میں خس کے برابر جگہ نہ پاسے
(۱۱) جس نالے سے شکاف پڑے آفتاب میں

(۱۲) وہ سحرِ مدعا طیلی میں نہ کام آئے
جس سحر سے سفینہ رواں ہو شراب میں

غالب چھٹی شرابِ پیاب بھی کبھی کبھی
(۱۳) پیتا ہوں روزِ ابرو شبِ ماہِ تاب میں

(۱) "نارِ آگ"۔ "التهاب" سوزش یعنی دوست کی آتشِ مزاجی سے
آگ بھی جلتی جلتی ہے۔ اس لئے عذابِ دوزخ سے اگر لذت
وراحت حاصل نہ کروں تو کافرِ عشق ہوں۔

(۲) شعراء و عشاق کے یہاں ہجر کی مدت برسوں کی ہوتی ہے
اگر شبِ ہجر کا حساب کیا جائے تو ایک ایک ات کئی سو برس کی
ہوگی اور یہ اندازہ مشکل ہو جائے گا کہ جہاں خراب "دنیا" میں
آئے ہوئے کتنی مدت ہوئی۔

(۳) یعنی خواب میں آکر اس لئے آنے کا وعدہ کر گئے کہ انتظار میں
عمر بھر نیند نہ آئے ان کی یہ کیسی شوخی ہے اور عاشق کی
کتنی سادگی ہے کہ خواب کے وعدہ پر سچ سچ عمر بھر انتظار میں
جائے پر تیا ہے۔

(۴) یعنی ہمارے سوالات کا اپنی عادت کے مطابق وہ جو
جواب دیں گے معلوم ہے اس لئے ایک خط اور ان کے
جواب میں لکھ رکھوں۔

(۵) یعنی آج مجھے خلاف عادت جام دیا جا رہا ہے۔ سیاق سے
کچھ ملا تو نہیں دیا۔

(۶) یعنی معشوق سے بدگمانی بحث ہے کہ اس نے رقیب سے
پیمان محبت کیا ہو۔ کیونکہ وہ تو فنا ہی سے منکر ہے چہ جائیکہ
جھوٹے اظہار عشق کے دھوکے میں آجائے۔

(۷) ”وہم“ خیال باطل۔ اور رقیب کے خیال کو عاشق خیال
باطل ہی سے تعبیر کر سکتا ہے۔ مصرعین کے تقدیم و تاخیر سے
شعر کے معنی صاف ہو جاتے ہیں یعنی تم کو وہم نے خدا جاسنے
کس الجھن میں ڈال دیا ہے مجھے تمہاری خاموشی دیکھ کر بے چینی
ہے اور یہ خوف ہوتا ہے کہ کہیں رقیب کا خیال تو تمہارے
دل میں نہیں ہے۔

(۸) ”ہیں اور حقیقہ وصل“ بندش مقام تعجب کی ہے۔ یعنی بھلا
مجھے اور ایسی کیفیت میں آجائے۔ ”خدا ساز“ محاورہ ہے ایسا
امر جس کی ظاہر میں کوئی توقع نہ ہو محض غیب سے نامعلوم

اسباب کی بناء پر واقع ہو جائے۔ اور اسی کثرتِ تعجب کی وجہ سے اور یک لخت یہ لطف یسر آجانے سے مجھ میں اس قدر اضطراب ہوا کہ جان نذر نہ کر سکا۔ ورنہ موقع تو جان دینے کا تھا۔

(۹) "طرفِ نقاب" گوشہ نقاب یعنی نقاب کے ایک گوشہ میں جو شکن پڑ گئی ہے غالباً نقاب کے اندر آن کے تیور پر بل ہے۔

(۱۰) اس شعر کی خوبی حد بیان سے باہر ہے اور ان اداؤں کے نظارہ ہی سے محسوس ہو سکتی ہے۔ کیونکہ بیگانوں سے نگاہ نہیں چھرایا کرتے اور غیروں سے اظہارِ برہمی نہیں ہوا کرتا۔

(۱۱) شکاف اور خش کی تشبیہ ہے۔ اور خش کے برابر جگہ نہ پانا محاورہ ہے۔

(۱۲) "سحر" استعارہ ہے عشق سے "سفینہ" کشتی "شراب" ریگِ رواں جس پر پانی کا دھوکا ہوتا ہو۔ یا سحر سے محبوب کی قدرت تمام مراد ہے کہ باوجود اس قدرت کے کہ کائنات کے ذرہ ذرہ پر محبوب کا کرشمہ حکمرانی کرتا ہے، ہمارا مقصد پورا کرتے ہیں اس کی ساری کار سازی بے کار ثابت ہو رہی ہے۔

۱	یہ سو وطن ہے ساقی کوثر کے باب میں	۱	کل کیلئے کہ آج نہ خست شراب میں
۲	گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں	۲	پہلے آج کیوں لیل کہ کل تک تھی پسند
۳	گروہ صداسمائی ہے چنگِ یاب میں	۳	جان کیوں نکلنے لگتی ہے تن سے دم سماع
۴	نہ باقہ باگ پر ہے نہ پایہ رکاب میں	۴	رو میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھتے تھے
۵	جتنا کہ وہم غیر سے ہوں تیج و تاب میں	۵	اتنا ہی مجھ کو اپنی حقیقت کے بعد ہے

۶	اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے	۶	حیراں ہوں پھر شاہد ہے کس حساب میں
۷	ہمیشہ مشتمل نمود و صورت پر و جو و بحسب	۷	یاں کیا دھڑ ہے قطرہ و موج و حباب میں
۸	شراب اک اداسے ناز ہے اپنے ہی سے ہی	۸	میں کتنے بے حجاب کہ ہیں میں حجاب میں
۹	آرائش جمال سے فانی نہیں ہنوز	۹	پیش نظر ہے آئینہ و ائیم نقاب میں
۱۰	ہے غیب غیب شکوہ ہے ہم شہود	۱۰	میں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

غالب ندیم دوست آتی ہے بونے دست
مشغول حق ہوں بندگی بو تراب میں

۱۱

(۱) شعر میں "کل" ذو معنی ہے۔ ایک تو آسٹے والی کل۔ دوسرے فرد اسے قیامت۔ پھر اگر ہم آج مر گئے تو کل ہی ہماری قیامت ہے۔ یعنی شراب میں نجست و نجل نہ کر اور کل کے لئے باقی نہ رکھ۔ کیونکہ کل تک جینے ہی کی کیا اُمید۔ کل کی فکر کرنا ساقی کو شرکی شان میں سوئے زنی و گستاخی ہے۔ کیونکہ "کل" شراب عطا کرنے کا منصب صرف اسی ساقی عالی جناب کو ہے۔

(۲) "کل" کا اشارہ یوم تخلیق آدم کی جانب ہے جب فرشتوں سے جناب باری نے سجدہ آدم کا حکم دیا تھا وَاذْکُلْ سَرَّابَکَ لِلْمَلَاَئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِیْکَ خَلِیْفَہٗ قَالَوْا اَجْعَلْ فِیْہَا مِنْ یَّقِیْنٍ فِیْہَا وَیَقِیْسُ الَّذِیْ صَاعَرَ وَنَحْنُ نَسْتَعِیْجُ یَحْیٰی اَنْتَ تَقْدِرُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَالَ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ اِنَّہٗ ارشاد فرمایا کہ ہم زمین پر آدم کو اپنا خلیفہ بنانے والے ہیں تو انہوں نے عرض کیا کہ کیا تو ایسوں کو خلیفہ بناتا ہے جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور خوش مزینیاں کرینگے

اور ہم تو تیری حمد کی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں (گویا ہم مستحق
خلافت ہیں) تو ہماری حمایت میں ارشاد ہوا کہ ہم خوب
جانتے ہیں تم نہیں جانتے۔ یعنی انسان کے متعلق فرشتوں نے
جو محبت پیش کی تھی اس سے ان کی زبان بندی کر دی گئی، اور
خلافت ارضی کی قابلیت ہم ہی میں ثابت رہی۔ پھر آج کیوں
ذلیل ہیں۔

(۳) ”دم سماع“ گانا یا ساز سننے کے وقت ”وہ“ کا اشارہ معشوق
حقیقی کی جانب ہے۔ ”چنگ وریاب“ یا جوں کے نام ہیں۔ یعنی
دم سماع جو جان سی ٹکلی جاتی ہے یہ کیا بات ہے۔ اگر چنگ
وریاب میں معشوق کی آواز سہانی ہوتی ہے تو وہ صدا جان فزا
ہونی چاہئے۔ نہ کہ جان گدار۔

(۴) ”رخش“ گھوڑا۔ ”رویں ہے“ سرگرم رفتار ہے۔ یعنی جان پر
کوئی اختیار نہیں نہ معلوم کس وقت ٹکل جائے۔
(۵) یہ ایک اصول تصوف ہے کہ غیریت اور کثرت مد نظر رکھنے سے
توحید حاصل نہیں ہوتی۔ اور اپنی حقیقت جو گو وحدت ہے
توحید سے بعید ہو جاتی ہے پس ان تمام مظاہر میں جن کو
کثرت سے تعبیر کیا جاتا ہے اپنی ہستی بھی شامل کر کے ایک ہی
عینیت کا مشاہدہ کرنا چاہئے۔ یہی شعر کا مطلب ہے کہ
جس قدر غیریت اور غیر سے مجھ وابستگی ہے اتنی ہی اپنی
حقیقت سے دوری ہے۔

(۶) ”شہود“ ”شاید“ ”مشہود“ یہ سب تصوف کی اصطلاحیں ہیں۔

شہودِ عالم وجود و ظہور اور ہی عالمِ شہود، شاہد یعنی دیکھنے والے کے شاہد سے شہود ہوتا ہے، نظر آتا ہے تو گویا شہود و شہود اور شاہد تو ایک ہیں لیکن شاہد وہ شے جس سے شاہد کو شہود و مشہود ہوتا ہے یعنی وہ قوتِ بصر کیا ہے۔
ظاہر ہے کہ ہمہ اوست۔

(۷) "مثمل" شامل "صور" صورتیں اور شکلیں یعنی وجودِ دریا کا ظہور صورتوں اور شکلوں کی بنا پر ہوتا ہے۔ قطرے موج اور جنابِ دریا کی مختلف شکلیں ہیں جو دریا سے علیحدہ وجود و ہستی نہیں رکھتیں و رآں حالیکہ دریا کی نمود انہیں اشکال پر منحصر ہے۔ اگر دریا میں روانی نہ ہو۔ موجیں نہ آئیں تو ایک سطح سا کن کی طرح دریا کی ہستی متاثر ہے۔ اسی طرح یہ کائنات اور یہ عالم صور و اشکال خالقِ حقیقی کے وجود کے مظاہر ہیں۔

(۸) شرم کو اداسے ناز یا ایک اندازِ تمکنت کہا ہے۔ اور کسی اندازِ تمکنت و ناز کے لئے بیباکی اور بے حجابی ضروری ہے گویا یہ شرم خود بے حجابی ہے۔ اپنے ہی سے سہی۔ یعنی خود بخود۔ آپ ہی آپ۔ خود اپنے آپ سے۔ شعر میں شاعرانہ انداز میں متصوفانہ نتیجہ نکالا گیا ہے۔ یعنی شرم اداسے ناز ہے اس لئے بے حجابی ہے۔ گویا اس جمالِ حقیقت کا ظہور، تنہا اور خفا ظہور۔
(۹) "آرایش جمال" حسن کا بناؤ سنگھار۔ یہ عالم خلق و دنیا صفت خالقیت کا منظر ہے۔ گویا اس کی خالقیت اس کے جمالِ صفت

کا آئینہ ہے۔ لیکن یہ کائنات مخلوقات خود اس کے جمال ذات کے لئے
حجاب و نقاب بھی ہے۔ اور چونکہ اس کی صفت و قدرت خالقیت
پر کبھی تعطل وارد نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ بنائے اور سنوارنے
سے فارغ نہیں ہو سکتا۔ گویا حجاب کائنات و مخلوقات کے
اندر آئینہ خالقیت لئے ہوئے وہ شاہد حقیقی آرائش ذات میں
مصرف ہے۔

(۱۰) ”غیبِ غیب“ کی ترکیب تصوف کی اصطلاح غیب الغیب سے
ماخوذ ہے۔ اور یہ ذات الہی کی صفت یا مرتبہ ہے۔ اس دنیا کو عالم
شہود کہتے ہیں۔ اور شہود بھی اس کی ایک صفت یا مرتبہ ہے
گویا ظہور ذات کا دوسرا نام شہود ہے۔ لیکن اس ظہور سے کہتے
ذات پر اور حقا وارد ہوتا ہے۔ اس لئے غالب سے بکمال بلاغت
و دقیقہ رسی مرتبہ ظہور کو غیب الغیب سے تعبیر و ثابت کیا ہے۔
اور جس کی نہایت بدیہہ تمثیل اس طرح کی ہے کہ جو لوگ خواب میں
بیداری کا خواب دیکھتے ہیں وہ بیدار نہیں بلکہ خواب میں خواب
دیکھتے ہیں۔

(۱۱) ”نایم“ مقرب ”بو تراب“ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی کنیت
ہے یعنی میں حضرت علی کی پرستش سے خدا ہی کی عبادت کرتا ہوں
کیونکہ مقربان دوست سے دوست ہی کی بوائی ہے۔

جیسا ہوں دل کو رووں کہ پیٹوں جگر کو میں
مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں
(۱)
(۲) چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں

ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کہ نہ کروں

جانا پڑا قریب کے در پر ہسینا در یار
(۳) اسے کاش! جانتا نہ ترے رہ گذر کو میں

ہے کیا جو کس کے باندھے میری بلا ڈرے
(۴) کیا جانتا نہیں ہوں تمہاری کمر کو میں

لو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے تنگ و نام ہے
(۵) یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں

چلتا ہوں تھوڑی دُور ہر اک تیر رو کیساتھ
(۶) پہچانتا نہیں ہوں ابھی رہبر کو میں

خواہش کیا محقوں نے پرستش دیا قرار
(۷) کیا پوچھتا ہوں اُس بت بیدا و گر کو میں

پھر بے خودی میں بھول گیا راہ کوئے یار
(۸) جانا اگر نہ ایک دن اپنی خبر کو میں

اپنے پہ کر رہا ہوں قیاس اہل و ہر کا
(۹) سمجھا ہوں ولیزیر مستاع ہنر کو میں

غالب خدا کرے کہ سوارِ سہمنہ ناز
دیکھوں علیؑ پیسادر عالی گھر کو میں

(۱۰) یعنی میں دل یا جگر دونوں میں سے کسی ایک ہی کا ماتم کر سکتا
ہوں۔

(۱۱) یعنی رشک سے تو یہ گوارا ہوا نہیں، نہ پرستہ گھر کا نام لوں نہ اور تلاش
تیرے گھر کی میری ہوس، نہ طلبہ تلاش میں ہر ایک سے میرا پوچھتا

تھا کہ گھر جاؤں۔

(۵۸) تیری راگزار تو دیر رقیب کی جانب سے تھی۔ اور مجھے معلوم ہو گیا تھا اس لئے ہزاروں مرتبہ تیرے اشتیاق میں رقیب کے دستک جاتا پڑا۔ کاش تیری رہگزر معلوم نہ ہوتی تو دیر رقیب پر جاتا نہ پڑتا۔

(۵۹) یعنی آپ جو کر سکتے ہیں۔ یہ محفل قتل کی دھکی ہی دھکی ہے۔ میں کیا تمہاری کمر جانتا نہیں ہوں کہ یہ یعنی مشوق کی کمر ہوتی ہی نہیں، یہ کمر کسنا جھونٹ مونٹ کا ہے۔ پھر میں کیوں ڈروں۔

(۶۰) یعنی میں تو یہ سمجھتا کہ وہ میری رفاہی اور قربانیوں کی قدر کریں گے لیکن وہ بھی مجھے بے نام و تنگ کہنے لگے۔ اگر یہ خبر ہوتی تو گھر بار کیوں لٹا دیتا۔

(۶۱) یعنی رہبر کی کوئی شناخت تو ہے نہیں۔ تیز روی باعث ترغیب تھی اور ہر تیز رو کے ساتھ ہو لیتا تھا۔ بعد میں معلوم ہوتا تھا کہ یہ رہبر اور اپنی منزل مقصود کا عنصر راہ نہیں ہے۔ یعنی تیز روی دلیل رہبری ہے۔

(۶۲) یعنی بے خودی و عالم خود فراموشی اس قدر بڑھ گئی کہ کوئی یار کا پتہ یاد نہ رہا۔ اگر بے خودی نہ ہوتی تو اپنے آپ کے کی تلاش میں ایک دن وہاں جاتا۔ کیونکہ میں وہیں جا کر کھو سا جاتا ہوں۔ یا یہ کہ خود میری ہستی کوئے یار کا پتہ ہے۔ اعدا اب چونکہ کوئے یار کا پتہ نہیں رہا۔ میں اپنے سے بھی بے خبر ہوں اور یہی میری بے خودی ہے۔

(۹۱) ”دلپذیر“ پست رسیدہ اور قابلِ قدر۔ یعنی میں جنسِ ہنر سے متوقع ہوں کہ اسی میں مقبولیت عامہ۔ گویا اہلِ دنیا کو بھی اپنے جیسا سمجھتا ہوں۔ دوراںِ حالے کہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔

۱	غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دور نہیں	۱	ذکرِ میرا بہ بدی بھی اسے منظور نہیں
۲	مردہ قتلِ مقادیر ہے چونکہ کور نہیں	۲	وعدہ سیرِ گلستان ہے خوش طالع شوق
۳	لوگ کہتے ہیں کہ ہے پر ہمیں منظور نہیں	۳	شاہدِ ہستی مطلق کل کمر ہے عالم
۴	ہم کہ تقلیدِ تنگِ ظرفی منہمور نہیں	۴	قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے وریا لیکن
۵	عشق پر عہدہ کی گویں تو رنجور نہیں	۵	حسرت اسے ذوقِ خرابی کہ وہ طاقت نہیں
۶	کس سے عورت کا وہ کہتے ہیں کہ ہم حور نہیں	۶	میں نہ کہتا ہوں کہ ہم لینگے قیامت میں نہیں
۷	تو تغافل میں کسی رنگ سے معذور نہیں	۷	ظلمِ نظام اگر لطفِ دروغ آتا ہو
۸	واسے وہ بادہ کہ افشردہ انگور نہیں	۸	صافش دردی کش پیمانہِ حم ہیں ہم لوگ

ہوں نظوری کے مقابل میں خفا فی غالب
میر سے دعوے پر یہ نچرتا ہے کہ مشہور نہیں

۹

(۱۰) یعنی غیر حسب دستور میری برائیاں ان کے سامنے بیان کرتا ہے اور ان کو مجھ سے اس قدر نفرت ہے کہ کسی عنوان سے میرا ذکر سننا منظور نہیں۔ کچھ عجیب نہیں کہ رقیب سے بھی وہ ناراض ہو جائیں۔

(۱۱) ”خوش طالع شوق“ شوق کی خوش قسمتی، یعنی انہوں نے سیرِ گلستان کا وعدہ کیا۔ گویا مردہ قتل اس وعدہ میں مقدر ہے کیونکہ سوائے ارادہ قتل اور وہ سیرِ گلستان میں میری ہمراہی کیوں پسند

کرنے لگے تھے۔ خوش اطالع شوق کہ آرزوئے قتل پوری ہونے والی ہے۔

(۳۴) ”ہستی مطلق“ وجود مطلق، معشوق حقیقی، منظور نہیں“ یعنی نظر نہیں آتی۔ اس عجیب و غریب فلسفہ اور تصوف میں استاد نے شاعری کی روح پھونکی ہے۔ تصوف کا مسئلہ ہے کہ یہ عالم کون و خلق۔ عین ذات و وجود ہے۔ فلسفہ کہتا ہے کہ امکان وجود بین العارین کا نام ہے۔ یعنی ممکن عاید سے آتا ہے۔ اور عدم کو چلا جائے گا۔ گویا معدوم ہو جائیگا۔ یہ عالم امکان بھی عدم سے ممکن ہوا ہے اور معدوم ہو جانے والا ہے۔ لیکن اگر فنا و عدم اس کی حقیقت ہے تو تصوف کا دعویٰ باطل ہو جاتا ہے۔ کہ عین وجود ذات یا ہمہ اوست یا وحدت الوجود کے لئے عدم لاحق ہوگا۔ غالب کی شاعری اس کا فیصلہ کرتی ہے۔ کہ یہ کائنات ممکن بھی ہے اور واجب بھی عین وجود بھی ہے۔ گویا یہ عالم معشوق حقیقی کی کمر ہے کہ ہے اور نہیں ہے۔ اور ہے تو ابھی کی ہے۔ کیونکہ شعراء کے یہاں محبوب کی کمر بھی ایسا ہی ٹھہرے۔

(۳۵) ”یعنی منصور کے آوازہ انا الحق جو توحید وجودی کے اصول پر مبنی تھا کہ موافق ہم بھی وجود الہی سے مہر ہی نسبت رکھتے ہیں۔ لیکن ہم تنہا نظر فی منصور کی تقلید کرتا نہیں چاہتے۔“

(۳۶) ”عشق پر عریذہ“ ”عشق جنگجو۔ گویا“ قابلیت و طاقت۔

”تنہا رنجور۔ جسم بیمار و زار یعنی اسے فرق بر باد ہی بخت حسرت و

افسوس ہے کہ عشق پر عہدہ کے قابل میرا جسم گزار نہیں ہے اور
اب وہ ثبوت مقابلہ اور برداشت ستم باقی نہیں۔
(۶) گویا وہ خود کو خور سے بڑھ چڑھ کر سمجھتے ہیں۔ اور پھر کیا
معقول پر جیسے اور شیخ جواب ہے۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہے
کہ جو میں معاوضہ طاعت و عبادت الہی میں اور یہاں خود اور عبادت
لجھائی ہے۔

(۷) ”لطفت دریغ ہوتا ہو“ لطفت کرنے میں اگر دریغ ہے تو ظلم
سمجھئے۔ اور تغافل سے تو آپ کسی طرح معاف فرمائی نہیں۔ وہی کرو۔
کہ وہ بھی ظلم ہے۔

(۸) ”وہ زہنی کش“ تلخ چٹ پینے والے۔ اور یہاں مقلد مراد ہے۔
”صاف“ زرد کے مقابلہ کا لفظ ہے۔ نیز تاکید و تصریح محکم
معنی میں آتا ہے۔ ”افشردہ انگور“ انگوروں سے بچوڑی ہوئی
یا انگوری شراب۔ اس شراب پر افسوس ظاہر کر کے جو انگوری
نہ ہوا اپنا مشرب ظاہر کیا ہے۔ کہ ہم بھی ہمیشہ کی طرح انگوری
شراب پیتے ہیں۔

(۹) ”ظہوری“ شاعر مشہور۔ اور لفظ ظہوری کے معنی ظاہر اور
شہیر کے ہیں۔ اس کے مقابلہ کا لفظ خفائی یعنی پوشیدہ وغیرہ
نمایاں ہے۔ مطلب ہے کہ میں اور ظہوری ہم مرتبہ ہیں۔
لیکن وہ چونکہ مشہور ہے اس لئے ظہوری ہے اور میں چونکہ
گمنام ہوں اس لئے خفائی۔ اور دلیل تقابل یہ ہے کہ میں
مشہور نہیں ہوں۔

۱	نالہ جز حسن طلب اے ستم ایسا د نہیں	۱	ہے تقاضائے جفا شکوہ پیدا نہیں
۲	کم نہیں وہ بھی خرابی میں یہ وسعت معلوم	۲	دشت میں ہے مجھے وہ عیش کہ گھیرا نہیں
۳	عشق و مزدوری عشرت کہ خوش کیا خوب	۳	ہم کو تسلیم نہ کو نامی فسر ہا نہیں
۴	اہل بینش کو ہے طوفانِ حوادث کشمکش	۴	سطح موج کم از سیلی استاد نہیں
۵	ولائے ٹھوڑی تسلیم و بیا حال و وفا	۵	جانتا ہے کہ ہمیں طاقت خرابا نہیں
۶	رنگ تمکین گل ولالہ پریشاں کیوں ہے	۶	گر چراغان سر بہ گداز باد نہیں
۷	سب گل کے تلے بن کرے ہے گلچیں	۷	شرودے مرغ کہ گلزار میں صفا نہیں
۸	نفی سے کرتی ہے اثبات تراوش گویا	۸	دی ہے جائے دہن اسکو دم بجا نہیں
۹	کم نہیں جلوہ گری میں ترے کو چہ سو بہشت	۹	یہی نقشہ ہے ولے اس قدر آباد نہیں

کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت غالب

تم کو بے مہرٹے یا ران وطن یاد نہیں

(۱) یعنی اے ستمگر میرا نالہ شکوہ جفا نہیں ہے بلکہ حسن طلب ہے اور جفا کا تقاضا ہے۔

(۲) یعنی گھر بھی اگرچہ صحرائے ویرانی اور خرابی میں کم نہیں لیکن گھر کی وسعت ہی کیا تھی۔ اس لئے صحرائیں مجھے ایسی آسودگی ہے کہ گھر یاد نہیں آتا۔ اسی مضمون کا ایک شعر اس سے پہلے گذر چکا ہے۔

نقصاں نہیں جنوں میں بلا سے ہو گھر خراب

سو گز نہیں کے بارے بیا باں گراں نہیں

(۳) خسرو فرہاد کا مایاب رقیب۔ اس شعر میں محل سرا ہے

خسرو و شیریں کی تعمیر سے تلخ ہے کہ فرہاد کی شہرت ہمارے

مزد و یک مسلم نہیں۔ کجا عشق۔ کجا عشرت گاہ خسرو کی مزدوری۔

(۴) ”اہل بیت“ صاحب بصیرت۔ عقلاء ”حوادث“ آفات ارضی و سماوی مراد ہیں۔ ”لطرہ“ بھپتر۔ ”موج“ طوفان کی رعایت سے استعمال ہوا ہے۔ ”سُیالی“ بھپتر۔ یعنی اہل عقل کے لئے طوفان مصائب بھی گویا کتب عبرت و استغفال ہے۔ جس کی موجوں کے بھپترے استاد کی تادیب و تنبیہ کی مثل ہیں۔

(۵) ”وائے“ افسوس۔ ”بدا“ کس قدر بُرا یعنی افسوس ہے۔ تسلیم و رضا کی محرومی پر اور کس قدر بُرا حال ہے و فاداری کا کہ ہمارے ضبط سے وہ سمجھتا ہے کہ فریاد کرنے کی طاقت نہیں ہے۔

(۶) ”تمکین“ خود داری۔ اور یہاں مجموعہ اوراقِ گل و لالہ مراد ہے اور اسی جماعت پر گل و ہار کی متاسبت سے ”پریشانی“ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ”سیرِ رنگِ رباو“ ہوا کی گزرگاہ میں۔

”چراغوں“ اور گل و لالہ کی تشبیہ ظاہر ہے۔ اور ہوا چراغ اور خزاں و بہار کے لئے مشترک ہے۔ یعنی اگر یہ پھول و غنیرہ ہوا کی رنگدہن کے چراغ نہیں ہیں تو گل و لالہ کا رنگ تمکین کیوں پریشاں ہے۔ یا بادِ خزاں سے اوراقِ گل و لالہ کیوں بکھرے پڑے ہیں۔

(۷) ”سیدِ گل“ پھولوں کی ٹوکری۔ یعنی گلچیں پھولوں کی ٹوکری کے نیچے بند کرتا ہے۔ اور پھولوں سے وصل کا موقع مل جاتا ہے۔ مشورہ سے باغ کہ باغ میں سیاد نہیں ہے کہ شکار کر کے باغ سے لیجائے۔ اور مبتلائے دام و قفس کر کے پھول سے پرہیز دے۔ (۸) یعنی صانعِ انزل نے اس کو بجائے ”وہن“ کے لفظ ”نہیں“ کو دیا

ہے۔ تو گویا یہ نفی یعنی انکار اور نہیں ثابت کرتی ہے کہ معشوق کے
 وہن ہے کیونکہ اگر وہن نہ ہو تو نہیں کہاں سے نکلتے۔
 (۹) یعنی عشاق کا ایسا جھگڑا وہاں نہیں ہے۔

۱	یاں آپڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں	دوڑوں جہاں جیکے وہ سمجھے یہ خوش رہا
۲	ہو غم ہی جاں گزار نہ تو غنچہ ار کیا کریں	کیا شمع کے نہیں ہیں ہوا خواہ اہل بزم
۳	تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں	ٹھک ٹھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے

(۱) "دوڑوں جہاں" دین و دنیا۔ وہ کا اشارہ خدا کی جانب ہے۔

(۲) یعنی اہل بزم تو چاہتے ہیں کہ شمع کو شبات ہو۔ لیکن جلتے جلتے
 بالآخر وہ ختم ہو ہی جاتی ہے۔

(۳) گویا مسرت کی منزل مقصود تک رسائی میسر نہ آئی۔

عشق کا اس کو گماں ہم بے زبانوں میں	ہو گئی ہے غیر کی شیریں بیانی کا رگڑ
------------------------------------	-------------------------------------

(۱) یعنی غیر کی شیریں زبانی کا اثر ہے اور ہم کم گوئی کی وجہ سے
 محروم ہیں۔

قیامت ہے، کہ سن لیلیٰ کا دشتِ قیس میں آنا
 تعجب سے وہ بولالوں بھی ہوتا ہے زمانے میں (۱)

دل نازک پہ اُس کے رحم آتا ہے مجھے غالب
 نہ کہ سرگرم اُس کا فر کو الفت آزمائے میں (۲)

(۱) یعنی جذبِ عشق پر تعجب ہوا۔

(۲) یعنی اپنے جذب و کششِ الفت سے اُس کے دل نازک پر
 تکلیفاتِ عشق و وفا عائد ہو جائیں گی۔ اس لئے اس کے دل پر
 رحم آتا ہے۔

دل لگا کر لگ گیا ان کو بھی تنہا بیٹھنا

(۱)

بارے اپنی بیگسی کی ہم نے پانی وادیاں

ہیں زوال آمادہ اجزاء آفرینش کے تمام

(۲)

مگر گردوں سے چراغ رہگذار بادیاں

(۱) یعنی اب معشوق کو بھی عشق ہو گیا ہے شک ہے کہ ہماری بیگسی کی پانی

وادیاں کہ خود بدولت بھی تنہا پس ہو گئے ہیں۔

(۲) "زوال آمادہ" زوال پذیر۔ "عزوب انحرطاطہ" اجزاء آفرینش "اجزاء"

کائنات "چراغ رہگذار باد" وہ چراغ جو کہ ہول کے جھونکیوں میں جل

رہا ہو۔ موجودہ دور کے حکماء آفتاب کو مرکز کائنات مانتے ہیں

ان کے عقیدہ میں کہہ ارض اور کہہ ارض کی تمام موجودات کی بقا کا

انحصار آفتاب کی حرارت و کشش اور نور وغیرہ پر ہے۔ پھر

یہ بھی عقیدہ ہے کہ آفتاب کی حرارت روز بروز کم ہوتی جاتی ہے

غالب کا شاعرانہ تخیل اس جدید علمی تحقیق یعنی زوال حرارت

آفتاب سے زوال اجزاء آفرینش پر است۔ لال کرتا ہے۔

اور علمی اعتبار سے دلیل ایسی راست اور صحیح ہے کہ موصوف

کے شاعرانہ تخیل کو اعجاز و کرامت کے مرتبہ تک پہنچا دیتی ہے۔

یعنی اجزاء آفرینش کائنات زوال پذیر ہیں۔ اور آفتاب بھی گویا ہوا

کے جھونکیوں میں رکھا ہوا چراغ ہے۔

۱	کبھی صبا کو، کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہیں	یہ ہم چہ بچہ ہیں دیوار و در کو دیکھتے ہیں
۲	کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں	وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
۳	یہ لوگ کیوں سے نہ ختم جگر کو دیکھتے ہیں	نظر لگے نہ کہیں ان کے دست بازو کو

	ترسے جو اہر طرف کلہ کو کب دیکھیں ہم اور طالع لعل و گہر کو دیکھتے ہیں	(۳)
<p>(۱) صبا کے لئے دیوار اور نامہ بر کے لئے در۔</p> <p>(۲) فیمر متو قہم آمد۔ خدا کی قدرت ہے اور مہر عہ ثانی میں جمع خدا پیرا تہمار تجیب ہے۔</p> <p>(۳) یعنی زخم کے کاری ہونے پر ان کے ہاتھ اور قوت کو نظر نہ لگ جائے۔</p> <p>(۴) یعنی ہم جو اہرات کو کب دیکھتے ہیں۔ ہم تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ ان کا نصیب ہے کہ تیرے ہر ترک پہنچ گئے۔</p>		
<p>ہمیں کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں ۱ شب فراق سے روز جزا زیاد نہیں کوئی کہے کہ شب مہ میں کیا بڑائی ہے ۲ بلا سے آج اگر دن کو ابر و باد نہیں جو آؤں سانسے ان کے تو مرجانہ کہیں ۳ جو جاؤں والے کہیں کہ تو شیر باد نہیں کبھی جو یاد بھی آتا ہوں میں، تو کہتے ہیں ۴ کہ آج بزم میں کچھ فتنہ و فساد نہیں علاوہ عی کے ملتی ہے اور دن بھی شراب ۵ گراے کو چہ بیخانہ، تا مرا و نہیں جہاں میں ہو غم و شادی ہم ہیں کیا کام ۶ دیا ہے ہم کو خدا نے وہ دل کہ شاد نہیں</p>		
	تم ان وعدے کا ذکر ان سے کیوں کرو غالب یہ کیا کہ تم کہو اور وہ کہیں کہ یاد نہیں	(۷)
<p>(۱) یعنی میں جو شب فراق کی طوالت اور تنگالیع بیان کرتا ہوں تو اُس کا یہ مطلب نہیں کہ قیامت کا منکر ہوں۔ لیکن ہاں شب فراق کے طول اور مصائب سے روز جزا کی طوالت اور پریشانی زیادہ نہیں۔</p>		

(۲) یعنی دن کو ہوا دا بر نہ سکتے۔ تو ظاہر ہے کہ چاندنی زیادہ صاف ہوگی۔ اس لئے مے کے لئے محض ابر و باد کا التزام صحیح نہیں شب باہ بھی میخوری کے لئے موزوں ہے۔

(۳) یعنی میرے آنے اور نرم میں رہنے نہ رہنے کی وہ کچھ پرواہ ہی نہیں کرتے۔

(۴) اگو یا مجھ کو کس بڑائی اور شوخی سے یاد کرتے ہیں۔

(۵) یعنی گد لئے میخانہ عام و ریوزہ گروں کی طرح نامراد نہیں ہے کہ خاص خاص ہی موقع پر کچھ ملے۔

(۶) یعنی دنیا میں باری باری کبھی غم کبھی خوشی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن ہمیں اس سے کیا فائدہ۔ ہمارے پاس تو نہ ہی ایک دل محروم ہے جسکو خوشی سے کوئی سروکار ہی نہیں۔

(۷) یہ تو ظاہر ہے کہ وعدہ خلافیاں ہوئیں لیکن اب اس کا فکراں سے عبث ہے۔ اس سے فائدہ ہی کیا۔ کہ وہ ”دیاد نہیں“ کہہ کر

نکر جائیں تو یہ حجاب بھی باقی نہ رہے گا۔ پھر وہ اول تو وعدہ ہی نہ کرینگے اور کر بھی لیں گے تو دلیری اور بیباکی سے وعدہ خلافی کر گزریں گے۔

۱	تیرے تو سن کو صیا باندھتے ہیں	ہم بھی مضمون کی ہوا باندھتے ہیں
۲	آہ کا کس نے اثر دیکھا ہے	ہم بھی اک اپنی ہوا باندھتے ہیں
۳	تیری فرصت کے مقابل اے عمر	برق کو پا بہ حنا باندھتے ہیں
۴	قید ہستی سے رہائی معلوم	اشک کو بے سرو پا، باندھتے ہیں
۵	نشہ رنگ سے ہے دامن گسل	مست، کب بندر قبا باندھتے ہیں

	لوگ مانا لے کر سا، بانڈھتے ہیں	غلطیہائے مضامین مست پر چھ	
	آبیوں پر بھی حنا بانڈھتے ہیں	اہل تائیسیر کی داماندگیاں	
	سادہ چمکار ہیں خوپاں غالب	ہم سے پیمان وفا بانڈھتے ہیں	
<p>(۱) شاعرانہ قافیہ پیمانی ہے ”صبا بانڈھنا“ اور ”ہوا بانڈھنے“ کا ثبوت ہے۔</p> <p>(۲) یعنی یہ تو معلوم ہے کہ آہ میں اثر نہیں ہوتا۔ مگر معشوق پر ہوا بانڈھتے ہیں کہ شاید وہ دھوکے میں آجائے۔</p> <p>(۳) ”برق پابہ حنا“ یعنی جس کی سرخبت رقتار غفور ویر کے لئے موقوف ہو گئی ہو وہی حال و فتنہ و مدت عمر کا ہے۔</p> <p>(۴) ”قیہ ہستی مصائب و آلام زندگی سے استعارہ ہے۔ اور گریہ و اشک بھی لوازم رنج و غم سے ہیں۔ ”قید“ اور ”بانڈھنے“ میں رعایت لفظی ہے۔ ”بے سرو پا“ جس کی ابتلا نہ انتہا اور جو انتقال و انقلاب کی گنجائش سے محروم ہو۔ یا عقدہ لانیچھل لیکن شاعر اشک کو بے سرو پا لکھا کرتے ہیں۔ مطلب ہے کہ جس طرح اشک بے سرو پا ہے اسی طرح قیہ ہستی مصائب زندگی جو اسباب اشک ریزی ہیں۔ وہ بھی بے سرو پا اور غیر انقلاب پذیر ہونے چاہیئیں۔</p> <p>یا قیہ ہستی بھی اشک بے سرو پا کی طرح عقدہ لانیچھل ہے۔</p> <p>(۵) ”واش“ کھل جانا۔ گویا رنگ کے نشہ سے گریبان گل چاک ہو گیا ہے۔ کیونکہ مست بند قبا نہیں بانڈھا کرتے۔ یعنی رنگ، شوق وغیرہ کی شدت، باعث شگفتگی ہے۔</p>			

(۷) یعنی بھلا نالہ زنا کہا ہوتا ہے۔ اس کو رسا یا اندھٹا مضمون کی غلطی ہے۔

(۸) ”واماندگیاں“ مجبوریوں۔ یعنی اہل عقل کی مجبوری تو دیکھو اول تو آبلے خود چلنے سے مانع ہوتے ہیں۔ ان پر حنا یا اندھٹا ایکس مانع رفتار، اور اضافہ کر لیتے ہیں۔ جس سے چلنے کے لایق ہی نہیں رہتے۔ اہل جنوں کو دیکھو کہ ان کے آبلوں کا علاج کانٹوں پر دوڑنا ہے۔ اور ذرا مجبور و پابن نہیں ہوتے۔

(۹) ”سادہ“ عقلی طور پر نشیب و فراز سے ناواقف۔ پُرکارا۔ بدچالاک و پُر فریب“ یعنی معشوق لوگ چالاک تو کرتے ہیں لیکن عقلمندی اور ہوشیاری سے نہیں کیتے۔ کہ ہم سے عہد وفا کرتے ہیں اور دل میں یہ جانتے ہیں کہ ہم نے جھوٹ موٹا عہد کیا ہے۔ اور یہ سچ سمجھا ہے یا یہ کہ اس عہد کو پورا کون کرتا ہے۔ اور یہ نہیں سمجھتے کہ ہم خود ان کو بدعہد جانتے ہیں۔ یا ان پر تقاضہ کرتے کرتے پیمان وفا کو پورا ہی کمر لیں گے۔

زمانہ سخت کم آزار ہے بجان استاد | مگر نہ ہم تو توقع زیادہ رکھتے ہیں

(۱) یعنی ہم تو زمانہ کو اس سے بھی زیادہ مہمناک و آلام کا مجموعہ سمجھتے ہیں۔

۱	خاک ایسی زہریلی ہے کہ پتھر نہیں مٹو نہیں	۱	دام بڑا ہوا ترسے در پر نہیں ہو رہیں
۲	انسان ہوں پیالہ ساغر نہیں ہو نہیں	۲	کیوں گردشِ بزم سے نکھار جائے دل
۳	روح جہاں پہ حیرت مگر نہیں ہو نہیں	۳	یا رب زمانہ مجھ کو مٹا تا ہے کس جہاں

۴ آخر گنگا نہ ہوں ہوں کافر نہیں ہو نہیں	حد چاہیے مزار میں عقوبت کے واسطے
۵ لعل و زمرہ و زرد و گوہر نہیں ہو نہیں	کس واسطے عزت نہ نہیں جانتے تھے
۶ رتے میں نہرواہ سے کمتر نہیں ہو نہیں	رکتے ہو تم قریب میری آنکھوں سے کیوں دلیخ
۷ کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہو نہیں	کرتے ہو مجھ کو منع قریب و س کس لئے

فالتب و طیفہ خوار ہو، دو شاہ کو دھا
وہ دن گئے کہ کہتے تھے نوکر نہیں ہو نہیں

(۱) یعنی کاش میں پتھر ہوتا تاکہ سنگ آستانِ یار ہوئے گی امید ہو جاتی۔

(۲) گردشِ مدام، متواتر بد نصیبیوں کا ظہور اور گردشِ پیالہ و ساغر ہی کے لئے ہے۔ انسان کیوں نہ گھبرائے۔

(۳) حروفِ مکرر، پُر حرفِ غلطی سے دو مرتبہ تکرار میں آگیا ہو جسکو مٹا دیا جاتا ہے۔ یعنی زمانہ مجھے عبث مٹاتا ہے۔

(۴) تاکہ "حد" یعنی تعین و اندازہ شرعی اصطلاح میں مزار کو حد کہتے ہیں۔ عقوبت، تکلیف و عذاب۔ قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان چاروں اشعار میں یارِ گاہ رسالت سے مخاطب ہے۔

(۵) حضورِ مہر و رو کا سات نے دولت و اسبابِ جاہ کی تحفہ فرمائی ہے تو استاد کہتے ہیں کہ میں لال و جوہر نہیں پھر مجھ پر کم کیوں نہیں فرمایا جاتا۔

(۶) آنکھوں اور نہرواہ میں تشبیہ ہے۔ پھر انسان کے مرتبہ کی تریح شعر میں بیان کی گئی ہے۔

(۷) یعنی آپ نے آسمان کو تو شبِ معراج پا بوسی کی عزت بخشا ہے

آرزوئے قدسوسی کیوں محروم ہے۔
(۸) بادشاہ کا اشارہ شاہ دہلی کی جانب ہے۔

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
(۱) خاک میں کیا صورتیں ہو گئی کہ پنہاں ہو گئیں
یا دھقیں ہمکو بھی رنگارنگ ، بزم آرائیاں
(۲) لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نسیمیں ہو گئیں

تھیں نباتِ النعش گردوں، دیکھ پشے میں شاں
(۳) شہ کو ان کے جی میں کیا آئی کہ عریاں ہو گئیں
قیام میں یقیناً نے لی گو نہ یوسف کی خبر
(۴) لیکن آنکھیں روزِ دیوارِ زنداں ہو گئیں

سب قیدیوں سے ہوں ناخوش پر زنانِ مصر سے
(۵) ہے نہ لیتا خوش کہ مچو ماہ کنجاں ہو گئیں
جھٹے خوں آنکھوں کے بہنے دو کہ ہے شامِ فراق
(۶) میں یہ سمجھوں تھا کہ شمعیں، دو فروزاں ہو گئیں

ان پریزاؤں سے لینگے، غلامیں ہم انتقام
(۷) قدرتِ حق سے یہی حوریں اگر واں ہو گئیں
نہیں اس کی ہے دماغ اس کا ہے رایتیں اسکی ہیں
(۸) تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں

میں چمن میں کیا گیا، گویا دبستان کھل گیا
(۹) بلبلیں سن کر مرے نالے غزلِ نواں ہو گئیں
وہ نکلا ہیں کیوں ہوئی جاتی ہیں یاد ہونگے پار
(۱۰)

جو مری کوتاہی قسمت سے مرگیاں ہو گئیں

بسکہ روکائیں نے اور سینہ میں پھریں پیسے بپے

(۱۱)

میری آپں بچہ چاک گریباں ہو گئیں

داں گیا بھی میں، تو ان کی گالیوں کا کیا جواب

(۱۲)

یا دھنیں جتنی دعا ہیں صرف دریاں ہو گئیں

جالقز ہے باوہ، جس کے ہاتھ میں جام آگیا

(۱۳)

سب لکیریں ہاتھ کی گویا رنگ جاں ہو گئیں

ہم موصد ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم

(۱۴)

ملتیں جب مٹ گئیں اجڑے ایماں ہو گئیں

سرخ سے خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے سرخ

(۱۵)

مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پہ کہ آساں ہو گئیں

یونہیں گر روتا رہا فالتب، تو اسے اہل جہاں

(۱۶)

دیکھنا ان بستیوں کو تم، کہ ویراں ہو گئیں

(۱) یعنی خدا جانے وہ کیسی صورتیں ہو گئی جو خاک میں نہاں ہوئیں

اور سب کی سب لالہ دگل بنکر ظاہر ہوتی ہیں یا لالہ دگل حسینوں کی

خاک سے پیدا ہوتے ہیں، خدا جانے وہ کیسے حسین ہوتے

جن کی خاک ایسے گل کھلاتی ہے۔

(۲) رنگا رنگ "طرح طرح کی" بزم آرائیاں "احباب کی صحبتیں

اور عیش و نشاط کی محفلیں برپا کرنا۔ بزم کی رعایت سے نسیاں کو

طاق سے ترکیب دیا اور رنگ کی رعایت سے نقش و نگار لکھا

ہے یعنی بھی ہم بھی محفل آرائی کرتے تھے مگر اب سب بھول گئے۔

(۱۳) "بنات النعش" شمال کی جانب ستارے ہیں جن کا یہ عربی نام ہے یعنی دن میں ستارے خدا جانے کہاں چلے جاتے ہیں اور رات کو نکل آتے ہیں۔ بنات النعش کی رعایت سے عورتیں "خوبہ" استعمال کیا ہے۔

(۱۴) "روزن دیوار" اور آنکھوں میں تشبیہ ہے۔ روزن خالی ہوتا ہے۔ آنکھوں کا روزن دیوار ہو جانا۔ آنکھوں کا بے نور ہو جانا مراد ہے۔

(۱۵) جس طرح محبت میں جوش رقابت اس درجہ ہوتا ہے کہ دنیا کی ہر شے رقیب۔ نخل۔ اور باغیت و ہم و بد گمانی ہوتی ہے حتیٰ کہ خود بھی ناگوار ہو جاتی ہے بقول استاد

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پر شک آجائے ہے

میں لے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

اسی طرح یہ بھی جاذبہ ہوتا ہے کہ محبوب کو کائنات کی ہر شے محبوب رکھتی ہو۔ اور یہ اس قدر ترقی کر جاتا ہے کہ خودی اور غیر میں ایک ہی جلیوۃ جلیب ہو جاتی ہیں۔ پس زنان مصر کی محویت سے زلیخا کی خوشی ظاہر ہے۔

(۱۶) آنکھ اور شمع ہیں مشترک نور ہے۔ خوشنالی چشم اور نور شمع ہیں وجہ شبہ رنگ ہے۔ شمع سے مویج در مویج روشنی نکلتی اور آنکھوں سے خون بہنے میں روانی وجہ شبہ ہے۔

(۱۷) یعنی ان کی جفاؤ کی تلافی کرائیں گے۔

(۱۸) اس شعر کا مفہوم صاف اور خیال دین شاعر ہے۔

(۹) "اوبستان" اوبستان۔ مکتب یا مدرسہ۔

(۱۰) نگاہوں کا مشرگاں ہونا "نگاہوں کا اس قدر کیتا ہوا جانا کہ مشرگاں سے باہر نہ گذریں اور یہ شرمیلی نگاہوں کے لئے استعنا ہے۔ پھر ان شرمیلی نگاہوں کو لفظی رعایت سے اپنی کوتاہی قسمت پر محمل کیا ہے جس سے نگاہیں پیار ہونے کا حسرت انگیزی سے۔ اور کمال یہ ہے کہ اپنی بد سمجھی سے انکار اور شرمیلی نگاہوں کے تذکرے کے ساتھ کہیں انداز بدیہانہ سے ان کی آبرو کی کمی ہے کہ دل کے پار کیوں ہوئی جاتی ہیں۔

(۱۱) آپہیں کو رشتہ (تائید) سے تشبیہ دے کر ان کے اظہار نے کو تشبیہ چاک کر بیان سے تمثیل کر دیا ہے۔

(۱۲) یعنی معشوق کی نکالیوں کا جواب تو صرف دعائیں ہو سکتی ہیں اور وہ پھر حیرت اور تعجب وہ سب دربان کی خوشامد ہیں صرف ہونیں۔ اب اگر دربان نے یہ جانے کا اجازت بھی دے دی تو ان کی نکالیوں کا یہ جواب دور نکلا۔

(۱۳) ہاتھ لگا لگیوں کو رنگوں سے تشبیہ دی ہے۔ اور شراب کے جانفزا ہونے کی رعایت سے یہ رنگ جان نکھا ہے۔
(۱۴) "تذکرہ رسوم" اور عقائد متعدد کے ٹٹنے سے ہی تو حید کمال حاصل ہوتی ہے۔

(۱۵) یعنی متواتر خواہش اور پیہم مصائب سے تحمل کی عادت ہو جاتی ہے۔

(۱۶) "شکر الہی" اگر یہ ہمیشہ طوفان خیر ہوتا ہے

دیوانگی سے دوش پہ زنا بھی نہیں ۱ یعنی ہماری جیب میں اک تار بھی نہیں
 دل کو نیاز حسرت دیدار کر چکے ۲ دیکھا تو ہم میں طاقت دیدار بھی نہیں
 بلاتا اگر نہیں آساں تو سہل ہے ۳ دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں
 بے عشق عکس نہیں سکتی ہے اور یہاں ۴ طاقت بقدر لذت آزار بھی نہیں
 شوریدگی کے ہاتھ سے سر پہ وہاں دوش ۵ صحر میں اے خدا کوئی دیوار بھی نہیں
 گنجائش عداوت اغیار اک طرف ۶ یاں دل میں صفعت ہویں یا رہی نہیں
 ڈرتا لہائے زار سے میرے خدا کو ما ۷ آخر تو اے مرغ گرفتار بھی نہیں
 دلیں ہے یار کی صفت مڑگان سے کشی ۸ حالانکہ طاقت خلش خار بھی نہیں
 اس سادگی پہ کون نہ مچائے اے خدا ۹ اٹھتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

دیکھا اس کو خلوت و جلوت میں بار بار
 بولہ اندہ گر نہیں ہے تو ہشتیار بھی نہیں

۱۰

(۱) یعنی دیوانگی اور جوش جنوں میں گریبان و حیب کے پرزے
 اڑاتے اڑاتے رشتہ بقدر زنا تک باقی ہے۔

(۲) یعنی دل تو حسرت و ارمان ویدہی میں صرف ہو گیا اب معلوم
 ہوا کہ ہم میں دیدار کی طاقت بھی نہیں۔

(۳) یعنی اگر تیرا بلنا آسان نہیں تو یہ امر عجیب پر آسان ہے۔ شیر تیرا
 بلنا آسان نہیں نہ سہی۔ نہ ہم مل سکیں گے نہ کوئی اور مل سکیگا۔

مشکل تو یہ ہے کہ وہی تیرا ملنا دشوار بھی نہیں یعنی جس سے
 تو چاہتا ہے مل بھی سکتا ہے۔ پھر کو تو ہم نے سہل سمجھ لیا تھا۔ مگر
 رشک کو اپنے اوپر آسان نہیں کر سکتے لہذا مکتوب غالب موصوفہ

قاضی عبدالجلیل صاحب بریلوی

(۴) بے عشق بھی نہیں کہتی۔ اور ستم کے مزے لینے کی طاقت بھی نہیں۔ سخت کشمکش ہے۔

(۵) ہرجان و اضطراب جنوں یا چوش دیوانگی سے سر دوش پر وبال ہو گیا ہے۔ خدایا صبر! میں کوئی دیوار بھی نہیں ہوں۔ کہ پھوٹ رہی ڈالیں۔

(۶) رقیبوں کی عداوت کی گنجائش کجا۔ یہاں دل میں اشتیاق حبیب کی بھی تاب نہیں

(۷) یعنی میرے نالہ ہائے الم سے ڈر۔ یہ مرغان اسیر کے چھپے نہیں ہیں۔ خدا کو مان وہ ستم زدوں کی فریاد سنتا ہے۔

(۸) ”رکشی“ مقابلہ۔ یعنی طاقت تو ایک کائے کی خلش کی بھی نہیں اور مرثگان کی صف کی صف سے مقابلہ۔

(۹) (کیا ادائے ناز ہے)

(۱۰) ”خلوت“ تنہائی ”جلوت“ مصاحبت۔

نہیں ہے زخم کوئی بخیر کے درخورد سے تن میں

(۱)

ہوا ہے تارِ اشک یا سارِ شہ چشیم سوزن میں

ہوئی ہے مانعِ ذوق تماشا خانہ ویرانی

(۲)

کشفِ سیلاب باقی ہے بزمِ پشیم روزن میں

و دلیریت خانہ پیراد کاوش ہائے مرثگان ہوں

(۳)

تنگین نامِ شاہ ہے، مے ہر قطرہ خوں تن میں

بیاں کس سے ہو ظلمت گستری میرے شبستان کی

(۴)

شبِ مہ ہو جو رکھیں پشیم دیواروں کے روتن میں

تکو پیش مانے سے پہلے شور جنوں آئی (۵)
 ہوا ہے خندہ اخیاب بخیہ حبیب و دامن میں
 ہوئے اُس ہروش کے جلوہ شمال کے آگے
 پراشیاں جو ہر آئینہ میں مثلِ فرہ روزن میں (۶)
 سخاؤں نیک ہوں یا ہوں پر صحت مخالف ہی
 جو گل ہوں تو ہوں گلشن میں جو جس میں ہوں گلشن میں (۷)
 ہزاروں دل دیئے جو جس جنون عشق نے مجھ کو
 سید ہو کر سویدا ہو گیا ہر قطرہ خوں تن میں (۸)
 اسد زندانی تاثیر الفت ہائے خواباں ہوں
 خیم دست نوازش ہو گیا ہے طوق گردن میں (۹)

(۱) "تار اٹھک" آنسوؤں کے تار۔ تار و رشتہ (تاک) میں تشبیہ
 ہے اور اسی مناسبت سے سوزن کے ساتھ زخم سوزن کہا
 ہے۔ یعنی میرے جسم میں کوئی زخم ٹانگوں کے قابل نہیں ہے
 گویا نامیدی کے آنسوؤں کا تار چشم روزن کا ڈورا ہے
 یعنی زخم سلنے سے نامیدی ہے۔

(۲) روزن سے بیرونی سیر و تماشا کر لیا کرتے ہیں "کف سیلاب"
 کے قریب سے معلوم ہوتا ہے کہ سیل گریہ باعث خانہ خرابی ہوا
 ہے۔ مطلب ہے کہ روتے روتے گھر تو برباد ہوا ہی تھا وہ
 بربادی بیرونی تماشا اور سیر سے بھی باز رکھتی ہے۔ کیونکہ کف
 سیلاب سے روزن کو بھرا کر دیا ہے۔ چاہے وہ بیرونی و غیر بیرونی ہو یا نہ ہو
 (۳) "وہ بیت خانہ" وہ مکان جہیں ٹانگیں رکھی ہوں "بیاد" ظلم

یہاں کاوش بچا مراد ہے۔ "نگین" نگینہ "شاہد" معشوق۔ یعنی
ایک ایک قطرہ کا مجھے دینا پڑا حساب
خون جگر و ولایت مرثگان یا رختا
دہم ظلمت گستری "چھائی ہوئی تاریکی"۔ "شبستان" میں شب کی رعنا
لمحوں رکھتے ہوئے سیاہ خانہ معنی ہو جاتے ہیں اسی مضمون
کا شعر یہ ہے:-

کیا کہوں تاریکی زندانِ غم اندھیر ہے
پتہ نور صبح سے کم جس کے روزن میں نہیں
(۱۱) نکو ہش "ظلم و ملامت"۔ "بے ربطی" بے ترتیبی۔ یعنی شورش
جنوں کی بے ربطی کے لئے اجباب کی ملامت مانع ہوئی اور
اُن کا خندہ ملامت گویا بخیہ حبیب و دامن ہو گیا۔
(۱۲) "مہروش" آفتاب جمال "تمثال" عکس مراد ہے۔ "پڑ افشاں"
پڑو لٹا۔ "ماندگی" اس مہروش کے جمال سے آئینہ میں جو ہر مائل
پر دازہ ہیں جس طرح شعاع آفتاب سے ذرے۔

(۱۳) یعنی اپنے متعلق اچھائی اور برائی کا ثبوت تو نہیں دیا جاتا تاہم
گروہ پیش اور صحبت مخالفت ہے۔ اگر گل ہوں تو گلخن میں ہو گیا
اور اگر نیک ہوں تو گلستاں میں ہوں۔

(۱۴) یعنی جنوں عشق کے جوش و گرمی سے ہر قطرہ خون سیاہ ہو کر
سویا کے مثل ہو گیا ہے۔ گویا ہزاروں سویا کے دل بن گئے ہیں۔
(۱۵) "زندانی" قیدی۔ "گرفتار" غم و حسرت نوازش "گلے میں باہیں ملو
ہیں۔ اعدان ہاتھوں کی طوق سے تلبیہ دے کر زندانی القبت ہو جائیں

ہونے کا ثبوت دیا ہے۔

۱	سوائے خون جگر، سو جگر میں خاک نہیں	۱	مڑے جہان کے اپنی نظر میں خاک نہیں
۲	وگرہ تاب و توالی پال و پر میں خاک نہیں	۲	مگر خیار ہوئے، پر ہوا اڑا لے جاتے
۳	کہ غیر جلوہ نگار رہ گزریں خاک نہیں	۳	یہ کس بہشت شامل کی آمد آمد ہے
۴	اثر مرے نفس ہے اثر میں خاک نہیں	۴	بھلا اُسے نہ سہی کچھ بھی کو رحم آتا
۵	شراب خانہ کی دیوار و در میں خاک نہیں	۵	خیال جلوہ نگار سے شراب میں سے کش
۶	سوائے حسرت تعمیر گھر میں خاک نہیں	۶	ہوا میں عشق کی غارتگری سے شرمندہ

ہمارے شعر میں اب صرف دل فلی کے اس
کھلا کہ فائدہ عرض و ہنر میں خاک نہیں

(۱) مڑے کے لفظ سے سوائے خون جگر کا مطلب ادا ہو جاتا ہے کہ سوائے خون جگر کھانے کے جگر میں خاک نہیں۔

(۲) یعنی مرے گئے بعد خاک کو شاید ہوا اڑا لے جائے، ہمیں تو طاقت پر وار ہے نہیں۔

(۳) بہشت شامل کی ترکیب نہایت اعلیٰ اور پر کیفیت ہے۔ یعنی راہ میں صرف پر تو بہال ہے، خاک باقی نہیں۔

(۴) یعنی معشوق کو نہ سہی میں ہی آہوں پیا پیر پیدا کر کے اپنے اوپر رحم کرتا۔

(۵) شراب اس کے ساتھ اس لفظ کے معنی مستی و نشاط ہوتے ہیں یعنی خیال جلوہ نگار سے نشاط ہے در نہ میخانہ کی دیوار و در میں کیا رکھا ہے "شراب" دیوار و در "اور خاک" رعایا لفظی ہیں۔

(۱۱) یعنی گھر میں سوائے حسرت و تعمیر کے اور کچھ باقی نہیں رہی شرمندگی ہے کہ عشق کی بربادی کے لئے کچھ باقی نہیں رہا۔
 (۱۲) "عوض ہنس" اظہار ہنس۔ سخن سنجی۔ یعنی لوگ کمال کا مفتی کرتے ہیں بھلا ہنس سے فائدہ ہی کیا۔

دل ہی تو ہے نہ تنگ و خست و رو سے پھر نہ آئے کیوں
 روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں سستائے کیوں (۱)

دیر نہیں حرم نہیں، دیر نہیں آستان نہیں
 تھکے ہیں رہ گزر پہ ہم کوئی ہمیں اٹھائے کیوں (۲)

جب وہ جمال و نفروز، صورت حسنہ بیرون
 آپ ہی ہوں نظارہ سوز، پر وہ میں منہ چھپائے کیوں
 ویشٹہ غمزہ جانتاں، ناک تاز بے پناہ
 تیرا ہی عکس رُخ سہی، سامنے تیرے آئے کیوں (۳)

قیہ حیات و بنیادِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
 موت سے پہلے آدمی، غم سے نجات پائے کیوں (۴)
 حسن اور اس پہ حسن ظن، رنگی بلالہوس کی شرم
 اپنے پہ اعمتساو ہے غیر کو آزمائے کیوں (۵)

ہاں وہ نہیں خدا پرست، جاؤ وہ بے وفا سہی
 جس کو ہو دین و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں (۶)
 واں وہ غرور و عز و نازیاں یہ حجاب پاس وضع
 راہ میں ہم ملیں کہاں، بزم میں وہ بلائے کیوں (۷)

غالب خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں (۸)
 (۹)

روئے زار زار کیا، کیجئے ہائے ہائے کیوں

لا پیرایہ بیان اور اصرار گریہ کیا خوب ہے

(۲) اپنی خاک افتادگی کے حق کو ثابت کیا ہے

(۳) جمال دلفروز "دل منور کر دینے والا حسن اور یہ حسن الہی کی شان خاص ہے۔ مہر نیروز کا الشمس فی نصف النهار۔

"نظارہ سوز" خیرگی نظر مراد ہے۔ یعنی جب شدت تابہ حسن

سے نگاہیں خیرہ ہو جاتی ہیں تو یہ خیرگی خود حجاب و پردہ کا کام

کرتی ہے۔ پھر اس کو منہ چھپانے کی کیا ضرورت ہے۔ یعنی

جب اس برقی جمال کو دعوئے لن ترانی ہے تو چھپنے کی کیا

ضرورت ہے۔

(۴) "دشنہ غمزہ" خنجر گردش چشم "ناوک" پتھر۔ یعنی جب غمزہ

اور ناز کا یہ عالم ہے تو آئینہ میں عکس کس طرح مقابل ہو سکتا ہے۔

(۵) گویا اس ہستی کی حقیقت موجودہ ہی غم ہے۔

(۶) حسن عارض اور حسن ظن دو صفتیں محبوب میں جمع ہیں۔ یعنی

صورت اچھی ہے اور گمان اس کا صحیح ہے۔ کبھی خطا نہیں کرتا

اور یہ گمان اس کو بہ نسبت اپنے ہے۔ کہ میرا راسخ بھی پہچتا نہیں

اور میرا تیر غمزہ کبھی خطا نہیں کرتا۔ پس جب اس کو اپنے پر ایسا

بھروسہ ہے تو رقیب کا امتحان کیوں کرے۔ اس حسن ظن نے

رقیب کی شرم رکھ لی۔ ورنہ یہاں معشوق نے مغالطہ کھایا تھا۔

رقیب عاشق صادق نہ تھا۔ ہو سنا کہ آدمی تھا اگر پائے امتحان

در بیان آتا تو حقیقت کھل جاتی (راخوڈ از مکتوبات غالب)۔

(۷) خدا پرستی کے لئے دین اور بیوقوفان کے لئے دل استعمال
ہوا ہے ۔

(۸) یعنی افسوس بے وجہ ہے ۔

نہیں، نا شکستہ کو دوسرے سے مت دیکھا کہ یوں
(۱) بوسہ کو پوچھتا ہوں میں، سنہ سے مجھے بتا کہ یوں

پرسش طرز و لہری، کیجئے کیا کہ بن کے
(۲) اس کے ہر اک اشارہ میں نکلتا ہے یہ ادا کہ یوں

رات کے وقت میں پیئے، ساتھ رقیب کو لئے
(۳) آئے وہ یاں خدا کرے پر نہ کرے خدا، کہ یوں

غیر سے رات کیا بنی، یہ جو کہا تو دیکھئے
(۴) سامنے آن بیٹھنا، اور یہ دیکھنا کہ یوں

بزم میں اس کے روبرو کیوں نہ خود ش بیٹھئے
(۵) اس کی تو خاموشی میں بھی، ہے یہی عاکہ یوں

میں نے کہا کہ بزم ناز چاہیئے غیر سے تھی
(۶) جن کے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یوں

مجھ سے کہا جو یا رہے، جاتے ہیں ہوش کس طرح
(۷) دیکھ کہ میری بیخودی چلنے لگی ہوا کہ یوں

کب مجھے کوئے یا رہیں، بیچنے کی وضع یاد تھی
(۸) آئینہ وار بن گئی، حیرت نقشیں پاکہ یوں

گرتے دل میں ہو خیال، وصل میں شوق کا زوال
(۹) موج خیط آب میں ماسے ہے دست دیا کہ یوں

	جو یہ کہے کہ رنجشہ کیونکہ ہور شکاف فارسی گفتہ غالب ایک بار پڑھ کے اُسے ہنسنا کہ یوں	(۱۸)
--	--	------

(۱) غنیمت نامہ شگفتہ کی تشبیہ و منہجیوب سے ظاہر ہے۔
یعنی دور سے نظارہ تو کرا دیتے ہیں مگر پوسہ لب کی اجازت
زبان سے نہیں دیتے۔

(۲) پرسش طرز و لپری "دل لینے کا طریقہ معلوم کرنا۔ یعنی ہر
انداز کرتا ہے کہ یوں دل لے لیتے ہیں۔
(۳) یعنی خدا کرے وہ آئے ضرور لیکن نشہ میں رقیب کو ساتھ
لے کر نہ آئے۔

(۴) یعنی یہ پوچھا تو سامنے بیٹھے۔ اور غصہ سے دیکھ کر فرماتے
لگے کہ ہاں آپ کی یہ جرات ہوئی کہ ہماری پرسش حال کریں۔
(۵) یعنی اس کی خاموشی خاموشی کا اشارہ کرتی ہے۔

(۶) "ستم ظریف" ہنسی میں قیامت ڈھاتے والا۔ میں نے
غیر کے متعلق کہا تھا انہوں نے مجھے محفل سے اٹھا کر تھیل کیا۔
(۷) شاعرانہ خیال ہے کہ بے خودی دیکھ کر ہوا بھی چلنے لگی
اور ہوا سے ظاہر ہوا کہ ہوش بھی اسی طرح اڑتے ہیں۔

(۸) آئینہ وار "مثل" یا ہم مراد ہے۔ یعنی حیرت نقش پا کی طرح
بزم یار میں غیر متحرک و خاموش بیٹھنا چاہئے۔

(۹) "وصل" "فنا" "شوق" طلب۔ غلط آپ سے دریا ہے پایاں
مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بھر معرفت میں فنا ہونے سے طلب
بھی اس طرح فنا ہو جاتی ہے جیسے موجیں ہاتھ پیرا لے مار تے

سطح آب میں غائب ہو جاتی ہیں۔
 (۱۰) ”ریختہ“ اردو شاعری ”گفتہ غالب“ اشعار غالب یعنی جو
 شخص کہے کہ اردو شاعری فارسی سے بہتر کیسے ہو سکتی ہے اسکو
 غالب کے اشعار سنا کر کہہ دے کہ اس طرح ہو سکتی ہے۔

حسد سے دل گرافسرد ہے گرم تماشا ہو
 (۱۱) کہ چشم تنگ شاید کثرتِ نظارہ سے ہو
 بقدر حسرتِ دل چاہئے ذوقِ معاصی بھی
 (۱۲) بھروں یک گوشہ دامن اگر آبِ ہفت دریا ہو

اگر وہ سہر و قدر گرم خرام ناز آجاوے
 (۱۳) کہ ہر خاک گلشنِ شکلِ قمری نالہ فرسا ہو

(۱) یعنی حسد سے اگر تنگ دل ہو تو احوالِ عالم پر غور کرنا چاہئے
 تاکہ کثرتِ نظارہ سے تنگ ہوں میں وسعت پیدا ہو۔ یہ شعر
 فلسفہٴ نفس سے متجاوز ہو کر حکمتِ تبلیغی کی شان تک پہنچ گیا ہے
 (۲) انگور گاری کو تر دامن لکھتے ہیں اور آلودگی دامن بھی اسی
 معنی میں آتا ہے۔ مصرعہ ثانی میں گوشہ دامن بھرنے سے وہی
 مراد ہے۔ اور اسی رعایت سے ہفت دریا بمعنی سارے
 جہان کے گناہ استعمال ہوا ہے

(۳) ”سہر و قدر“ محبوب مراد ہے ”گرم خرام ناز“ ناز و ناز سے
 چلتا ہوا ”کہ ہر خاک گلشن“ گلشن کی ہر مشت خاک لینے
 زبرد قدم میں نالہ ہائے عشق پیدا ہو جائیں۔

۵	اپنے سے کھینچتا ہوں خجالت ہی کیوں نہ ہو	۵	ڈالائے بیکیسی نے کسی سے معاملہ
۶	ہم انجن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو	۶	سے آدمی بجائے خود، اک محشر خیال
۷	حاصل نہ کیجئے دوسرے عبرت ہی کیوں نہ ہو	۷	ہنگامہ زبونی ہمت سے انفعال
۸	پٹے سے کرنا غیر سے، وحشت ہی کیوں نہ ہو	۸	دائستگی بہانہ بیگانگی نہیں
۹	عمر عزیز صرف عبادت ہی کیوں نہ ہو	۹	پلٹا ہے قوت فرصت ہستی کا غم کہیں

اس فتنہ خو کے در سے اب اٹھتے نہیں اس۔

اس میں ہمارے سر پہ قیامت ہی کیوں نہ ہو

(۱) "ڈالائے" آزاد یعنی اس ضد اور خیال سے آزاد ہیں کہ آپ ہمارے ساتھ محبت ہی کریں۔ نہیں بلکہ آپ کو کچھ کرنا ضرور چاہیئے۔

عبادت ہی کیوں نہ ہو۔

ترک کیجئے نہ تعلق ہم سے کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی مٹھی
(۲) ضعف سے رنگ اڑ جاتا عام بات یہ ہے۔ اسی رعایت سے
اختلاط (محبت) کا رنگ لکھا ہے پھر رنگ کی مناسبت سے
نقش لائے ہیں۔

(۳) اس خیال کا دوسرا رخ یہ ہے کہ

ذکر میرا بہ بدی بھی اُسے منظور نہیں غیبر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دور نہیں
وہاں انکا ذکر انہیں نا منظور تھا۔ یہاں غیر کے ذکر کا ان کا گلہ ہے۔

(۴) یعنی یہ جو کہتے ہیں کہ ہر درد کی دوا ہے۔ غلط ہے۔ اگر ایسا
ہوتا تو غم الفت کا بھی علاج ہوتا۔ حالانکہ اس کی کوئی دوا نہیں۔

(۵) گویا اپنے آپ ہی متفعل ہو لیتا ہوں۔

(۶) خود آدمی کے داخل و باطن میں خیالات و تصورات کے ہنگامے

موجود ہیں۔ اور خارجی اشکال و صورت کی ضرورت ہی نہیں اس کی خلوت بھی انہیں ہے۔

(۷) "ذاتی ہمت" پستی ہمت۔ یعنی پستی ہمتی شرم کی باعث ہے اور کچھ حاصل نہ ہوتا ہو تو منٹے ہوئے آثار سے عبرت ہی حاصل کرو۔ یعنی اگر بنانے اور سنوارنے اور ایجاد و تعمیر پر قابو نہ ہو تو بگڑنے اور تخریب سے ہی بصیرت پیدا کرو۔

(۸) بیگانگی اور اجنبیت کا ہانہ وارسنگی (آزادی) نہیں ہے اگر بیگانگی اور آزادی کا دعویٰ ہے تو اپنے نفس سے بے خبر اور آزاد بننا چاہیئے۔

(۹) یعنی عمر کے گزرنے کا غم نہیں جایا کرتا۔ چاہے کیسے ہی اچھے کاموں میں دن کیوں نہ گزرے ہوں۔

(۱۰) "فتنہ شو" کی رعایت سے قیامت گزر جانا استعمال کیا ہے۔

نفس میں ہوں، اگر اچھا بھی نہ جائیں میرے شیون کو
(۱) میرا ہونا بڑا کیا ہے، تو اس سنجان کشش کو

نہیں گر ہمدی آساں، نہو، یہ رشک کیا کم ہے
(۲) نہ دی جاتی غذا یا آزر دے دوست دشمن کو

نہ بیکلا آنکھ سے تیری اک آنسو اٹھ جواحت پر
(۳) کیا سینہ میں جس نے خوچکا لڑگان سونن

خدا شرمائے ہاتھوں کو کہ رکھتے ہیں کشاکش میں
(۴) کبھی میرے گریباں کو، کبھی جاتاں کے دامن کو

ابھی ہم قتل گہ کا دیکھنا آسان سمجھتے ہیں
(۵)

نہیں دیکھا شناور جوئے خوں میں تیرے تو سن کو

ہوا چرچا، جو میرے پاؤں کی زنجیر بننے کا
(۶) کیا بلیا ب کاں میں جہنیش جو ہر نے آہن کو

خوشی کیا کھیت پر میرے اگر دربارا بر آئے
(۷) سمجھتا ہوں کہ ڈھونڈے ہے ابھی سے برق خرمن کو

وفا داری بشرط استواری اہل ایمان ہے
(۸) مرے بتخانہ میں تو کعبہ میں گھاڑو میرہمن کو

شہادت تھی مری قسمت میں جو دی تھی یہ خوچھ کو
(۹) جہاں تلوار کو دیکھا جھکا دیتا تھا گردن کو

نہ لگتا دن کو تو کب رات کو یوں بے خبر ہوتا
(۱۰) رہا کھٹکا نہ چوری کا دُعا دیتا ہوں رہزن کو

سخن کیا کہہ نہیں سکتے، کہ جو یا ہوں جو اہر کے
(۱۱) جگر کیا ہم نہیں رکھتے کہ کھودیں جا کے معدن کو

مرے شاہ سلیمان جاہ سے سببت نہیں غالب
(۱۲) فریدون و جم و کینسر و داراب و بہمن کو

۱۱) "قفس" قیدِ آلام سے استعارہ ہے۔ اسی رعایت سے خوش
حالانِ زمانہ تو اسجان گلشن سے تعبیر کیا گیا ہے مطلب ہے
کہ میں تو قیدِ آلام ہوں۔ میرے نالہ و شیون کو اگر وہ
اچھا بھی نہ سمجھیں تاہم میرے وجود سے کیوں نفرت کرتے ہیں۔
میں ان کی خوش حالیوں میں دخل در معقولات کے لئے
آزادی ہی نہیں رکھتا۔

(۲) یعنی اگرچہ رقیب کے لئے معشوق کی ہمدی شکل ہے تاہم میرے لئے یہ رشک کیا کم ہے کہ خود اس کے دل میں محبوب کی آرزو تو موجود ہے۔

(۳) یعنی جس زخم نے سوزن فولاد کو خونفشاں بنا دیا اس پر تیری آنکھ سے ایک اشک ہمدردی نہ نکلا۔

(۵) یعنی چونکہ ہم نے تیرے گھوڑے کو دریائے خون میں تیرے نہیں دیکھا ہے اس لئے قتل گاہ کا دیکھنا ہم آسان بات سمجھ رہے ہیں۔ گھوڑے کے دریائے خون میں تیرے سے معشوق کی قتل عام کی جانب اشارہ ہے۔

(۶) یعنی معدن سے جو ہر آہن کو میری زنجیر بننے کا شوق کھینچ لایا۔
(۷) یعنی ابر کے بار بار آنے سے باران کا یقین نہیں بلکہ یہ گمان ہے کہ پردہ ابر میں برق میرے کھیت کو تلاش کرتی پھرتی ہے۔

(۸) "استواری" استقلال و ثبات یعنی وفا ایسی اعلیٰ صفت ہے کہ اگر برہمن سے بھی سرزد ہو تو اس کا پورا احترام کرنا چاہئے۔

(۹) یعنی میری خلقت و جبلت میں یہ اہلیت اسی لئے شامل کر دی گئی تھی۔

(۱۰) یعنی اچھا ہٹوا کہ تخت نے یا فلک نے عیش دنیوی مجھ سے چھین لیا اگر ایسا نہ ہوتا تو ترکِ علائق کی راحت کیسے میسر آتی۔

(۱۱) یعنی ہم کلام ہی کو جو ہر سمجھتے ہیں۔ سنگرمزوں کی تلاش سے دماغی کمال بہتر ہے۔

(۱۲) شہزادے کی مدح ہے۔

دھوتا ہوں جب اپنے کو اس مین کے پانوؤ
(۱) رکھتا ہے ضد سے کہ کے باہر لگن کے پانوؤ

دی سادگی سے جان پڑوں کوہ کن کے پانوؤ
(۲) ہیہات بالیوں نہ ٹوٹ گئے پیرزن کے پانوؤ

بھاگے تھے ہم بدت سوا سی کی سزا ہے یہ
(۳) ہو کر اسیر دایتے ہیں راہزن کے پانوؤ

مرہم کی جستجو میں پھرا ہوں جو دور دور
(۴) تن سے سوا فگار ہیں اس خستہ تن کے پانوؤ

اللہ سے ذوقِ دشت نور دی کہ بعد مرگ
(۵) ہلتے ہیں خود بخود مرے اندر کفن کے پانوؤ

ہے جوش گل بہار میں یاں تک کہ ہر طرف
(۶) اڑتے ہوئے اچھتے ہیں مرغ چمن کے پانوؤ

شب کو کسی کے خواب میں آیا نہ ہو کہیں
(۷) دیکھتے ہیں آج اس بُتِ نازک بدن کے پانوؤ

غالب مرے کلام میں کیونکر مزانہ ہو
(۸) پیتا ہوں دھوکے خسر و شیریں سخن کے پانوؤ

(۹) یعنی قوتِ نامیہ ہوا میں دامِ رگ ہائے گل بھی گشتی ہے۔

واں اس کو ہوا دل ہے تو یاں میں ہوں شرمسار
(۱) یعنی کہ میسری آہ کی تاثیر سے نہ ہو

اپنے کو دیکھتا نہیں، ذوقِ ستم تو دیکھ
(۲) آئینہ تاکہ دیرۂ پنجر سے نہ ہو

(۱) "ہول دل" دل نازک کا ڈرنا مراد ہے۔
 (۲) "نچیر" تیر میں چھدا ہوا شکار "دیدہ" نچیر "آئینہ" اور نگاہ میں
 تشبیہ ہے وجہ شبہ انعکاس صورت و اشکال ہے مطلب ہے
 کہ اس کے ذوقی سستم کی یہ کیفیت ہے کہ اپنی صورت
 اُس وقت تک نہیں دیکھتا جب تک کہ دیدہ نچیر کا آئینہ نہ
 بنائے یا جب تک کسی کو اپنے تیر نظر میں نچیر نہ کر کے آرائش
 جمال نہیں کرتا۔

۱	واں پچکر جو غش آتا ہے ہم ہے ہم کو	۱	صدرہ آہنگ زریں بوس قدم ہے ہم کو
۲	دل کوئیں اور مجھے دل محو و فار کھتا ہے	۲	کس قدر ذوق گرفتاری ہم ہے ہم کو
۳	منہج نقش ہے موسیٰ طوق گردن	۳	تیرے کوچہ سے کہاں طاقت ہم ہے ہم کو
۴	جا کر کیجئے تغافل کہ کچھ امید بھی ہو	۴	یہ نگاہ غلط انداز تو سم ہے ہم کو
۵	رشتہ ہر طرحی و در و اثر بانگ حویں	۵	نالہ مرغ سحر تیغ دودم ہے ہم کو
۶	سراڑانے کے جو وعدہ کو مکر چاہا	۶	ہنس کے بولے کہ تیرے سر کی قسم ہے ہم کو
۷	دل کے خوں کنیکری کیا وجہ و لیکن ناچار	۷	پاس بے روثقی دیدہ اہم ہے ہم کو
۸	تم وہ نازک کہ خموشی کو فغاں کہتے ہو	۸	ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم ہے ہم کو
۹	لکھو آنیکا باعث نہیں کھلتا، یعنی	۹	ہوس سیر تماشا، سو وہ کم ہے ہم کو
۱۰	مقطع سلسلہ شوق نہیں ہے یہ شعر	۱۰	عزم سیر تحف و طوف حرم ہے ہم کو

لئے جاتی ہے کہیں ایک توقع غالب
 جادہ رکشش، کاف کرم ہے ہم کو

۱۱

(۱) "صدرہ" سینکڑوں طریقوں سے "آہنگ" ارادہ یعنی وہاں پچکر
 جو مجھے بار بار غش آتے ہیں گویا اپنے قدم چومتا ہوں۔ کہ انہوں نے

یہاں تک پہنچا دیا۔ یا اُن کی قدیموسی کا یہاں نہ مل جاتا ہے۔

(۲) مصرعہ ثانی میں ”ہم“ بمعنی غم و الم ہے۔ یعنی دل اور میں، ہم دونوں آپس میں ایک دوسرے کو غیبِ فادیتے رہتے ہیں۔

(۳) ”نقش پے مور“ چونٹی کا نقشِ پاتمہ نام شعر میں، مبالغہ اظہارِ ضعف ہے۔

(۴) یعنی جان کر تغافل کیجئے۔ کہ جس سے لگاؤٹ معلوم ہوتی ہے بیگانہ و شنگا ہیں اچھی نہیں۔

(۵) ”ہم طرحی“ ہم آوازی مُراد ہے۔ ہم طرحی کے رشک اور غمگینی آواز کے رد و اثر سے تیغِ نالہ کا دودم ہونا ثابت کیا ہے۔

(۶) سر اُڑانے کے وعدہ پر سر کی قسم کھانا کیسی بیجا خستگی ہے۔

(۷) ”اہم“ زیادہ ضروری و مرجح یعنی آنکھیں بغیر اشک ڈالتے خوئیں کے بے رونق معلوم ہوتی ہیں۔

(۸) دونوں جانب شدت ہے یعنی وہ تو خاموشی کو فغاں سمجھتے ہیں

اور بات کرنا بھی قیامت ہے۔ اور ہم اس قدر عاجز ہیں کہ تغافل بھی ستم معلوم ہوتا ہے۔

(۱۰) ”منقطع“ خاتمہ۔ ”کششِ کافِ کرم“ سے جادۂ راہ کی تشبیہ ہے۔

۱	تم جانو، غیر سے جو تمہیں رسم و راہ ہو	۱	مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گستاہ ہو
۲	بیچتے نہیں مواخذۂ روزِ حشر سے	۲	قاتل اگر رقیب ہے تو تم کو اہ ہو
۳	کیا وہ بھی بیگناہ کشِ ناحق شناس ہیں	۳	مانا کہ تم بشر نہیں خورشیدِ ماہ ہو
۴	آبھرا ہوا نقاب میں اُنکے سے ایک تار	۴	مرتا ہوں میں کہ یہ نہ کسی کی نگاہ ہو
۵	جب میگرد چھٹا، تو پھر آپ کیا جگہ کی قید	۵	مسجد ہو مدرسہ ہو، کوئی خانقاہ ہو

سُننے ہیں جو بہشت کی تعریف سب در ۶ لیکن خدا کرے وہ تری جلوہ گاہ

غالب بھی گرتے ہو، تو کچھ ایسا ضروری
دُنیا ہو یا رب اور مرا یا دُشہا ہو

(۱) یعنی کسی نہ کسی عنوان سے آپ سے میرے مظالم کا مواخذہ ضرور ہو گا۔

(۳) یعنی تم یا اعتبار حسن کے یا ہتّاب و آفتاب ہو، اور ہم ماسنے لیتے ہیں کہ تم بشر نہیں ہو، لیکن کیا خورشید و ماہ بھی بیگناہ اکش او حق ناشناس ہیں، کیونکہ تم میں تو یہ دونوں صفتیں موجود ہیں۔

(۴) تارِ نقاب اور تارِ نگہ میں تشبیہ ہے۔ رشکِ سایہ ہو تلسے کہ کسی غیر کا تارِ نگہ تو نہیں ہے۔

(۵) سچ ہے جب کعبہ مقصود ہی چھٹ گیا، تو پھر کہیں بھی (ہیں) کوئی امتیازِ مقام باقی نہیں۔

(۶) نعمائے جنت میں سب سے بڑی نعمت دیدارِ الہی ہے۔
”جلوہ گاہ“ سے بھی اُسی کی طرف اشارہ ہے۔ خدا سے خدا کے دیدار کی استدعا دلپذیر سی بیان ہے۔

۱	کے سے کچھ نہ ہوا پھر کہو، تو کیونکر ہو	گئی وہ بات کہ ہو گفتگو تو کیونکر ہو
۲	کہ گرنہ تو کہاں جاؤں، ہو تو کیونکر ہو	ہمارے ذہن میں اس فکر کا ہے نام وصال
۳	جیسا ہے اور یہی گو گو تو کیونکر ہو	ادب ہے اور یہی کشمکش تو کیا کیجے
۴	بتوں کی ہو اگر ایسی ہی ہو تو کیونکر ہو	تم ہی کہو کہ گنارہ جنم پرستوں کا
۵	جو تم سے شہر میں ہیں لڑکے تو کیونکر ہو	اچھتے ہو تم، اگر دیکھتے ہو آئینہ
۶	وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیونکر ہو	جسے نصیب ہو روزِ سیاہ میرا سا

ہیں پھر اُسے اُمید اور انہیں ہماری قدر ۷
 غلط نہ تھا ہمیں خط پر گمان تسلی کا ۸
 بتاؤ اس مژہ کو دیکھ کر کہ مجھ کو قرا ۹
 ہماری بات ہی پوچھیں نہ وہ تو کیونکر ہو
 نہ مانے دیدہ دیدار جو تو کیونکر ہو
 یہ نیش ہو رگ جاں میں فرو تو کیونکر ہو

مجھے جنوں نہیں لب و لہجہ حقو

افراق یار میں تسکین ہو تو کیونکر ہو

(۱) یعنی آپ اُن سے گفتگو کا ارمان بھی نہ رہا۔ کیونکہ کہنے سے کچھ
 ہوتا ہی نہیں۔ تو پھر کس توقع پر کہا جاتے۔

(۲) یعنی ہم تو اسی کشمکش خیال کو وصال سمجھتے ہیں۔ کہ نہ ہو تو کیا کریں
 اور نہ ہو تو کس طرح ہو۔

(۳) یعنی ہمیں گستاخ دستیوں میں ادب مائع ہے اور انہیں کچھ
 کہتے ہوئے حیار و کتی ہے۔ دیکھئے آرزو کس طرح نکلے۔

(۴) یعنی اگر سب کے معشوق ایسے ہی نامہربان ہوں جیسے آپ ہیں
 تو کام کس طرح چلے۔

(۵) یعنی تمہیں اپنے عکس کا مقابلہ جمال گوارا نہیں اگر شہر میں دو چار
 آپ جیسے ہوں تو غالباً خونریزیاں ہو جائیں۔

(۶) ”روز سیاہ“ کہہ سکتی سے تاریکی شب کی لفظی توجیہ ہے۔
 (۷) یعنی ہمیں اُن سے اُمید کیونکر ہو اور یہ کس طرح معلوم ہو کہ
 انہیں ہماری قدر ہے جب وہ ہماری بات ہی نہ پوچھیں۔

(۸) یعنی خط پر دل کی تسلی کا گمان غلط نہ تھا۔ لیکن آنکھیں بھی دیدار
 طلب ہیں جن کی تسلی بغیر نظارۂ جمال ناممکن ہے۔

(۹) ”نیش“ نشتر مراد ہے۔ رگ جاں میں فرو ہوتا۔ رگ جاں میں اترنا

یعنی اُس کی مرگاہ دیکھ کر بتاؤ کہ جب ایسا اشتراکِ جاں میں
اُتر جائے تو مجھ کو کیوں نہ قرار ہو۔

(۱۰) مصرعہ ثانی غالباً یادِ شاہ کا دیا ہوا مصرعہ طرح ہو گا۔

(۱۱) کسی کو دے کے دل کوئی نوا بیچ تھاں کیوں ہو
نہو جب دل ہی پہلو میں تو پھر منہ میں ہاں کیوں ہو

(۱۲) وہ اپنی خونہ چھوڑینگے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں
سبک سرینگے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو

(۱۳) کیا ٹٹھو ار نے رُسوا لگے آگ اس محبت کو
نہ لا دے تاب جو غم کی وہ میرا زرداں کیوں ہو

(۱۴) وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھیرا
تو پھر لے سنگدل تیرا ہی سنگ آستان کیوں ہو

(۱۵) نقش میں مجھ سے روداد چمن کہتے نہ ڈر ہم دم
گری ہے بس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

(۱۶) یہ کہہ سکتے ہو ہم دل میں نہیں ہیں پر یہ بتلاؤ
کہ جب دل میں تمہیں تم ہو تو آنکھوں کے نہاں کیوں ہو

(۱۷) قلم ہے جذبے لکھا شکوہ دیکھو جرم کس کا ہے
نہ کھینچو گرتہ اپنے کو کشاکش درمیاں کیوں ہو

(۱۸) یہ فتنہ آدمی کی حسانہ ویرانی کو کیا کم ہے
ہوئے تم دوست جسکے دشمن اُس کا آسمان کیوں ہو

(۱۹) یہی ہے آزمانا تو ستانا کس کو کہتے ہیں
بھروسے کے لیے جب تم تو میرا امتحان کیوں ہو

(۱۰) کہا تم نے کہ کیوں ہو غیر کے ملنے میرا
بجا کہتے ہو، سچ کہتے ہو، پھر کیوں کہ ہاں کیوں ہو

نکالا چاہتا ہے کام، کیا طعنوں سے تو غالب
تسے بے ہر کہنے سے وہ تجھ پر ہر باں کیوں ہو (۱۱)

(۱) ”نوا سنج فغاں“ صدامائے درد یا بیان درد مراد ہے یعنی دل
دے چکنے کے بعد فغاں کیسی؟ اور جب پہلو خالی ہو تو زبان ہی
کیوں باقی رہے۔

(۲) ”سیک سزین کے“ حقیر و ذلیل ہو کر ”سرگراں“ خفت۔
سیک اور گراں میں رعایت لفظی ہے۔ یعنی یہ یقین کہ ان کی
عادت یہی رہے گی، پھر برہمی کا سبب پوچھ کر کیوں نا حق
ذلیل ہوں۔

(۳) یعنی تنخواہ کو میرے غم عشق کی تاب نہ ہوئی اور سالے زمانہ میں
تجربہ و رنج سے میرا واقعہ بیان کرتا پھر غرض کہ خوب رسوا کیا۔
وہ میرا زرداں ہی کیوں ہو جسے خود غم کی تاب نہ ہو۔

(۴) ”وفا کیسی“ کہاں کا عشق ”یہ معشوق کے کئے ہوئے الفاظ ہیں۔
جن کو استفہاماً دہرایا ہے۔ مطلب ہے کہ آپ جو فرماتے ہیں کہ کیسی وفا
اور کہاں کا عشق تو اگر میں وفادار نہیں ہوں اور مجھے عشق نہیں
ہے بلکہ خواہ مخواہ اور بے وجہ سر پھوڑتا ہوں تو اس میں
آپ ہی کے سنگ آستان کی کیا خصوصیت تھی۔ ہر پتھر اور
ہر دیوار سے سر پھوڑا جاسکتا تھا۔ حضور عالی آپ ہی کے
سنگ آستان سے سر مارا جانا تو اسی کی دلیل ہے کہ مجھے آپ ہی سے

عشق ہے اور میں وفادار ہوں۔

(۵) یعنی میں تو قفس میں ہوں۔ یہی میرا لیٹمن ہے۔ کل جس پر بجلی گری ہے وہ میرا آشیانہ کیوں ہونے لگا۔ پس اسے ہمدرد روئندہ چہن کہتے ہوئے مجھ سے نہ ڈر۔

(۶) یعنی یہ اور بات ہے کہ آپ دل میں رہتے ہی سے انکار کر دیں۔ مگر جب تک یہ انکار نہیں ہے تو یہ بتلاؤ کہ جب دل میں تم ہی تم ہو اور دعوئے سخن الیہ من خیل الوسرائدہ و فی أنفسکم اقلاد تبصر وقتاہ سے تو آنکھوں سے کیوں اور کس طرح پتہاں ہو۔

(۷) یعنی جانبین کی کشمکش میں کشاکش کی ضرورت ہے۔ محض میک جذب دل سے کشمکش پیدا نہیں ہو سکتی۔ پس اگر آپ کھینچنا چھوڑ دیں تو میں کھینچنا چھوڑ دوں اور یہ کشمکش جاتی ہے۔

(۸) یہ فتنہ "عشق کی جانب اشارہ ہے۔ یعنی آپ جس کے معشوق بن گئے آسمان کو اس سے دشمنی کی ضرورت نہیں ہی چونکہ آپ ہی کا عشق خانہ ویراں ساز بربادی کے لئے کچھ کم نہیں۔

(۹) عدو کے ہو جانے کے بعد میری آزمائش فضول ہے اور ستانا ہے۔

(۱۰) سبحان اللہ اردو شاعری ایسے اشعار پر جس قدر فخر کم ہے۔

(۱۱) یعنی وہ بے ہر کہنے سے ہریان نہ ہوں گے۔

۱	ہم سخن گوئی نہ ہو اور ہم زبان گوئی نہ ہو
۲	کوئی ہم سایہ نہ ہو اور پسایاں کوئی نہ ہو

پہٹتے گر بیمار تو کوئی نہ ہوتا تھا ۱	۲ اور اگر مر جائیے تو تو نہ خواں کوئی نہ ہو
۱۱ شاعر ایک تنہا اور بے کس زندگی کی آئینہ دکھاتا ہے اور خوب کرتا ہے۔	
از ہر تانبہ ذرہ دل و دل ہے آئینہ ۱	۲ طوطی کو شش جہت سے مقابل ہے آئینہ
۱۱ "دل و دل" کے درمیان واؤ عطف ہے۔ "طوطی" استعارہ ہے نظارگی اور دیکھنے والے سے "شش جہت" اطراف عالم۔ مطلب ہے کہ ذرہ سے لے کر آفتاب تک جو کچھ ہے دل ہے اور دل گویا آئینہ ہے، تو تمام عالم ایک آئینہ ہے۔ آپ دیکھنے والا جدھر دیکھتا ہے آئینہ مقابل پاتا ہے، اور ہر طرف اپنے ہی آپ کو منعکس پاتا ہے۔	
۱ ہے سبزہ زار پروردگار غم کدہ	۲ جس کی بہار یہ ہو پھر اسکی خزاں پوچھ
۱۱ گھر میں گھانسن نکل آنا آثار ویرانی میں سے ہے۔ غمگین اپنے گھر سے استعارہ ہے۔ مطلب ہے کہ موسم بہار میں ویرانی کا جب یہ عالم ہے تو خزاں میں نہ معلوم کیا حال ہوگا۔ یعنی جب اچھا موسم ہمارے گھر کے لئے بربادیاں فراہم کرتا ہے تو خدا جانے برے دن کیا کچھ نہ کریں گے۔ ۱۲ یعنی ساتھیوں کی بے وصلگی یا کم ذوقی سے مجبوراً بیگسی کی حسرت اٹھائی جس سے راہ اور بھی دشوار ہو گئی۔	
۱ طاقت کہاں کہ دید کا احساں اٹھائیے	۲ ہے سنگ پر براتِ معاشِ جنوں عشق

۳	دیوار بار منت مزدور سے ہے خم	۱	لے خانماں خراب نہ احسان اٹھائیے
۴	یا میر سے زخم رشک کو رسوا نہ کیجئے	۲	یا پردہ تبسم پہناں اٹھائیے

(۱) "صد جلوہ" ہے تعداد مظاہر فطرت مراد ہیں۔ کہاں تک کوئی دیکھ سکتا ہے۔

(۲) "برات معاش" وثیقہ معاش صطلاح ہے۔ یعنی جنون کا گزارہ پتھروں پر ہے اس لئے لڑکوں کا احسان اٹھانا پڑے گا۔

(۳) یعنی تعمیر ہی باعث تخریب ہے۔ یا منت پذیر فائدہ مند نہیں بلکہ احسان کے بعد احسان احسان ہی ایک مصیبت ہے۔

(۴) "رسوا نہ کیجئے" الزام نہ دیجئے مراد ہے یعنی یا مجھ پر زخم رشک کی تہمت نہ رکھئے یا تبسم پہناں کا پردہ اٹھا دیجئے۔ یا اغیار سے پردہ میں ہنسنا بولنا چھوڑ دیجئے۔

۱	سجد کے زیر سایہ خرابات چاہئے	۱	بھوں پاس آنکھ قبلہ حاجات چاہئے
۲	عاشق ہوتے ہیں آپ بھی اک اور شخص پر	۲	آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہئے
۳	سیکھے ہیں مہر خوں کے لئے ہم مصوری	۳	تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہئے
۴	مے سے غرض نشاط ہے کس۔ و سیاہ کو	۴	اک گو نہ بخودی مجھے نجات چاہئے
۵	ہے رنگ لالہ گل و نسریں جدا جدا	۵	ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہئے
۶	سریائے خم یہ چاہئے ہنگام بخودی	۶	رو سوتے قبلہ وقت مناجات چاہئے
۷	یعنی بحسب گردش پیمانہ صفات	۷	عارف ہمیشہ مست ذات چاہئے

نشوونما ہے اصل سے غالب فروغ کو
خاموشی ہی سے نکلے ہے جویاں چاہئے

۸

(۱) "قبلہ حاجات" یہ کلمہ ہے جو اپنے سے زیادہ مرتبہ کے لوگوں سے

تخا طب میں مستعمل ہے۔ یہاں لفظی مناسبت بھی پیدا ہوتی ہے۔ "ابرو" کو محراب سے تشبیہ دیا کرتے ہیں اور "محراب" مسجد سے تعلق رکھتی ہے اس لئے ابرو کو مسجد کہا گیا ہے اور محبوب کی نشیلی آنکھوں کو خرابات (سے خانہ) جو غام طور پر مستعمل ہے۔

(۲) "مکافات" تلافی مطلب ہے کہ جی لگا کر ان کو بھی تنہائی سے واسطہ ہو ہی گیا اور ہم نے اپنی بیکی کا بدلہ اس طرح پایا کہ ان کا حال بھی ہمارا سا ہو گیا۔ یا ہمارا صبر پڑا کہ وہ بھی مبتلائے عشق ہو گئے۔

(۳) "دل حسرت پرست کی داد دے" کچھ حسرتیں پوری کر دے "ماقات" گذشتہ۔

(۵) یعنی سرور عیش کے لئے نہیں بلکہ بے خبری اور افکار فراموشی کے لئے میں مئے نوشی کرتا ہوں۔

(۶ تا ۸) "اصل" جڑ۔ اصطلاحی لفظ ہے۔ "فروع" شاخیں۔ یہ بھی مصطلح لفظ ہے۔ "اثبات" ثابت کرنا۔ "ہنگام بخودی" بخودی کے وقت۔ "پیمانہ" ساغر "مست" مئے وغیرہ رعایتی الفاظ ہیں۔ "عارف" صاحب عرفان۔ "ذات" سے ذات الہی مراد ہے۔ مطلب ہے کہ فروع اصل سے پیدا ہوتی ہیں۔ گفتگو فروع سے۔ خاموشی مبدئہ گفتگو ہے۔ اور خاموشی بھی منتہا ہے امکان عدم ہی سے نشوونما حاصل کرتا ہے۔ یعنی غیب ہی سے ظہور پیدا ہوتا ہے۔ کثرت مظاہر والوں سے تعدد ذات کا دھوکا نہ ہونا

چاہئے۔ یا ذات کا بوجہ غیبیت انکار نہ کرنا چاہئے لالہ و گل
 اور نسروں مظاہر تنوع ہیں اور مختلف الالوان ہیں۔ بہار یا
 نامیہ غیر مرقی اور غیب ہے، تاہم ثابت ہے۔ اور یہ تمام گلکاریاں
 اسی کی ہیں اور یہ مختلف رنگ ایک ہی بہار نے عارض
 کر دیئے ہیں۔ غرض کہ ہر بات اپنے اپنے موقع اور محل سے ہونی
 چاہئے۔ بخودی میں اگر سرپائے خم پر ہو تو مناجات میں
 منہ جانب قبلہ ہونا چاہئے۔ اور اس طرح ہر رنگ اور محل میں
 وحدت خیال مد نظر ہونی چاہئے اور تمام صفات الہی سے
 متصف ہونے کی کوشش کرنی چاہئے۔ مظاہر کی کثرت اور
 بوظہوفی میں وحدت ذات کی حقیقت کو کھونا نہ چاہئے۔

- بساطِ عجز میں تھا، ایک ل یک قطرہ خوں وہ بھی
 (۱) سورتہا ہے بانداز چکیدن سرنگوں وہ بھی
 رہے اس شوخ سے آزرده ہم چندے تکلف سے
 (۲) تکلف بر طرف تھا ایک انداز جنوں وہ بھی
 خیال مرگ کب کیں دل آزرده کو بخشے
 (۳) مرے دام تمنا میں ہے اک صید زبوں وہ بھی
 نہ کرتا کاشش نالہ مجھ کو کیا معلوم تھا ہمد م
 (۴) کہ ہوگا باعث افزائش دردِ دروں وہ بھی
 نہ اتنا برشش تیغ جفا پر ناز و نسر ماؤ
 (۵) مرے دریائے بیتابی میں ہے اک موج خوں وہ بھی
 (۶) مٹے عشرت کی خواہش ساقی مگروں سے کیا کیجے

لئے بیٹھا ہے اک دو چار جام واژگوں وہ بھی
مے دل میں ہے غالب شوق وصل شکوہ ہجران
خدا وہ دن کرے جو اس سے میں یہ بھی کہوں وہ بھی (۷)

(۱) بساطِ عجز ہستی عاشق مراد ہے۔ "سرنگوں" (سرخ چھکائے ہوئے)
عجز کی رعایت سے استعمال ہوا ہے۔ "چکیدن" ٹپکنا۔ سرنگوں
اور اندازِ چکیدن سے قلبِ انسانی کی صورت وضعی یا ہیئت
تعلیقی کی جانب اشارہ ہے۔ مطلب ہے کہ عاشق کے پاس
ایک دل ہے۔ جو ایک قطرہ خون سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔
ہمیشہ مائل بہ چکیدن رہتا ہے۔

(۲) تکلف سے یعنی محض دکھانے کے لئے اور اظہارِ خود داری
کے لئے۔ تکلف برطرف رکھاں کا تکلف یا کیسا تکلف (فارسی کا
محاورہ ہے۔

(۳) "صیدِ نبیوں" بد حال شکار۔ یعنی خیالِ مرگ سے دلِ رنجور کی
تسکین کیونکر ہو سکتی ہے۔ میرے دامِ تمنا میں جہاں اور بہت سے
ارمان و حسرت ہیں وہاں شکارِ مرورِ خیالِ مرگ بھی ہے۔

(۴) "افزائش" زیادتی۔ "دردِ دروں" دردِ پنہاں یا
دردِ دل۔

(۵) "برش" تیزان کی کاٹ۔ "موجِ خوں" سے تیغِ جفا کی تشبیہ ہے
اور نہایت موزوں ہے۔

(۶) "مئے عشرت" شرابِ عیش۔ "گردوں" آسمان۔ "جام واژگوں"
ساغرِ بدقال! نامبارک۔ ایک۔ ایک دو چار ہیں ہفت آسمان کی

رعایت ملحوظ ہے۔

۱	تنگ آئے ہیں ہم ایسے خوشامد طلبوں سے	۱	ہے بزم بیتاں میں سخن آزدہ لبوں سے
۲	یکبار لگا دو خم سے میرے لبوں سے	۲	ہے دور قدح، وجہ پریشانی صہبیا
۳	زہار نہ ہونا طرف ان بے ادبوں سے	۳	رہاں درمیکدہ گستاخ ہیں واعظ
۴	ہر چند مری جان کو تمہارے لبوں سے	۴	بیدا دوتا کہہ کھاتی رہے آخر

(۱) یعنی بیٹوں کی بزم میں بجا آلت رنج و افسردگی بات کرنی ہی پڑتی ہے ورنہ تہذیب مجلس اور ان کے مزاج کے خلاف ہوتا ہے۔
ان حسنین خوشامد طلب سے تنگ آ گئے ہیں۔

(۲) یعنی دورِ ساغر شراب کی پریشانی کا باعث ہوتا ہے۔
ایک دم ہی خم سے میرے لبوں سے لگا دو۔ تاکہ شراب کشاکش اور گردش سے نجات پاتے۔

(۳) نہ ہونا طرف نہ اونچٹا۔ یا منہ نہ لگنا مراد ہے۔

(۴) یعنی جان تو پہلے ہی لبوں پر رہتی تھی لیکن وفا کی سختیوں سے جاتی ہی رہی۔

۱	سن لیتے ہیں گو ذکر ہمارا نہیں کرتے	۱	تا، ہمسکایت کی بھی باقی نہ ہے جا
۲	وہ سن کے بدلائیں یہ جارا نہیں کرتے	۲	غالب ترا احوال سنا دینگے ہم ان کو

(۱) یعنی خود تو ذکر کرتے نہیں البتہ اگر کوئی دوسرا ہمارا ذکر چھیڑ دے تو خاموشی سے سن ضرور لیتے ہیں تاکہ ہم نہ شکایت نہ کر سکیں کہ تمہیں ہم سے نفرت ہے اور ہمارا ذکر تک تم کو ناگوار ہے۔
(۲) اجارہ دعویٰ مراد ہے۔

۱	وہ جو کہتے تھے ہم اک حسرت کھینچتے	۱	گھر میں تھا کیا کہ ترا غم اسے غارت کرتا
---	-----------------------------------	---	---

(۱) یعنی گھر میں کچھ تھا ہی نہیں کہ غم عشق بر یاد کرتا۔ بلکہ گھر بنانے کی حسرت تھی تو وہ بدستور ہے۔ اسی مضمون کا ایک شعر اس سے پہلے گزر چکا ہے:-

ہوا ہوں عشق کی غارتگری سے شرمندہ
سوائے حسرت تعمیر گھر میں خاک نہیں

غم دنیا سے گر پائی بھی فرصت سر اٹھانے کی
فلک کا دیکھنا تقریب تیرے یاد آنے کی (۱)

کھلے گا کس طرح مضمون عربی مکتوب کا یارپ
قسم کھاتی ہے اس کا کرنے کا فز کے جلاسنے کی (۲)

پٹنا پر تیاں میں شعبدہ آتش کا آساں ہے
دلے مشکل ہے حکمت دل میں سوز غم چھپانے کی (۳)

انہیں منتظر اپنے زخمیوں کا دیکھ آنا تھا
آٹھ گھنٹے سیر گل کو دیکھنا شوخی بہانے کی (۴)

ہماری سادگی تھی التفاتِ تازہ پر مرنا
تیرا آتا نہ تھا ظالم مگر تمہیں دجانے کی (۵)

لنگر کو یہ حادثہ کا تحمل کر نہیں سکتی
مری طاقت کہ ضامن تھی پتوں کے ناز اٹھانے کی (۶)

کہوں کیا خوبی اوضاعِ ابنائے زباں غالب
بدی کی اس نے جس سے بہنے کی تھی یار مانگی (۷)

(۱) یعنی یا تو غم روزگار سے سر اٹھانے کی مہلت ہی نہیں ملتی
اگر سر اٹھتا بھی کہے تو مجھے یاد کر کے یا اس بھری نگاہوں سے

فلک کو دیکھ لیتے ہیں۔

(۲) یعنی کاغذ جلاتے ہیں تو پُڑھ پُڑھ کر کے جلاتے ہیں اس بہانہ سے لفاظی کھلنے اور کسی لفظ پر نظر نہ پڑ جائے کی توقع تھی وہ بھی ان کی قسم جاتی رہی۔

(۳) ”پرنیاں“ حریر ایک ریشمی کپڑے کا نام ہے بہت ممکن ہے کہ حریر میں آگ لپٹی جاسکے اور کپڑے کو جلا کر آگ باہر نہ نکل سکے لیکن یہ ممکن ہے کہ دل میں سوز غم عشق ہو اور چھپ چھپ جائے۔ (۴) بہانہ کی شوخی یہی کہ بسا لوں اور مجروحوں کو دیکھنے کو سیر گلستاں سے تعبیر کیا۔

(۵) ”لکڑ کو ب“ ٹھوکر اور ضرب ”خدا میں“ مدعی مراد ہے یعنی وہ طاقت جو بتوں کی ناز برداری کی مدعی تھی آپ حوادث روزگار کی معمولی ٹھوکیں برداشت نہیں کر سکتی۔

(۶) ”اوضاع“ اطوار۔ ”ابتا سے زماں اہل“ مانتے یعنی اہل زمانہ کے وضع و طریق کی خوبی کیا بیان کروں۔ ہمارے ساتھ بارگاہ اس شخص نے بُرائی کی ہے جس کے ساتھ ہم ہمیشہ نیکی کر رہے تھے۔

حاصل ہے اچھے دھو بیٹھ اسے آرزو خرامی
(۱) شے پوش گریہ میں ہے ڈوبی ہوئی آسامی

اس شمع کی طرح سے جس کو کوئی بجھا دے
(۲) میں بھی چلے ہوؤں میں ہوں داغ تا تماشای

(۱) ”آرزو خرامی“ آرزو مند نہ جیتو۔ ”چل رہا سامی رعایتی“ الفاظ ہیں۔ ”حال“ پیداوار۔ ”محول“ ڈوبی ہوئی آسامی ”وہ“ لکڑا رہا

محصول ادا نہ کر سکے مطلب ہے کہ آرزو مندانہ محبت میں
نفع کچھ بھی نہیں۔ اس اسامی دل کو جوش گریہ ہی تھے ڈبو دیا ہے
(حالانکہ یارش پیداوار کے لئے مفید ہوا کرتی ہے)

(۲) بجھائی ہوئی شمع پر جلنے کا نشان (دارغ) رہ جاتا ہے اور
جلاتے ہی بجھا دینا گویا جلنا نا تمام کر دینا ہے۔ "جلے ہوؤں" کا
استعارہ ان لوگوں سے ہے جو آتش عشق میں جل کر فنا ہو چکے
ہیں۔ مطلب ہے کہ آتش عشق سے جل کر بجھ گیا ہوں اچھی طرح
جل بھی نہ سکا۔ کہ مرتبہ فنا کو پہنچ جاتا۔ اور یہ دارغ ناکامی
رہ گیا۔ میری مثال اس شمع کی سی ہے جس کو کوئی جلا کر
بجھا دے۔

کیا تنگ ہم ستم زدگان کا جہان ہے	۱	جس میں کہ ایک بیضہ مور آسمان ہے
ہے کائنات کو کتر کتیرے ذوق سے	۲	پرتو سے آفتاب کے قترے میں جان ہے
حالانکہ ہے یہ سیریلی خارا سے لالہ رنگ	۳	خافل کو میسے شیشے پر سننے کا گراں ہے
کی اس نے گرم سینہ اہل ہوس میں جا	۴	آئے نہ کیوں پسند کہ ٹھنڈا مکان ہے
کیا خوب تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا	۵	بس چپ ہو ہمارے بھی منہ میں بان ہے
بیٹھا ہے جو کہ سایہ دیوار یار میں	۶	فرمانروائے کشور ہندوستان ہے
ہستی کا اعتبار بھی غم نے مٹا دیا	۷	کس سے کہوں کہ دارغ جگر کا نشان ہے

ہے بارے اعتماد و قادی اس قدر
غالب ہم سمیں خوش ہیں کہ ناہبران ہے

۸

(۱) جہاں تنگ ہونا بد قسمتی اور بد بختی کے معنوں میں آتا ہے۔
"بیضہ مور" چوٹی کا انڈیا یعنی ہم ستم زدوں کا جہان اس قدر

تنگ ہو گیا ہے کہ آسمان بیضہ مور معلوم ہوتا ہے۔ یا ہم اس قدر
مجبور ہیں کہ چوٹی کا اندراجیسی حقیر ترین شے ہماری دنیا کے لئے
آسمان ہے اور ہمارے ستارے کے لئے بس ہے۔

(۲) "پیرے" کا اشارہ ذاتِ یاری تعالیٰ کی جانب ہے دوسرا
مصرعہ تمثیلی ہے۔

(۳) "شیشہ" دل سے اور "مے" خونِ دل سے استعارہ ہے۔ "خارا"
(پتھر) سے سنگِ تفرقہ و پھر مراد ہے۔ "سیلی" تھپڑ یہاں بمعنی
ضرب۔ "لالہ رنگ" سرخ رنگ یا خونِ نقشاں۔ "فانسل" حسن
بے مروت یا کج نظر مطلب ہے کہ یہ خونِ نقشاں سنگِ تفرقہ سے
پیدا ہو گئی ہے۔ اور حسن بے پروا کو یہ گمان ہے کہ میرے
دل میں خون موجود ہے۔

(۴) "ٹھنڈا مکان" اس دل سے استعارہ ہے جس میں سوزِ آفت
نہ ہو۔ یہ محبوب پر طنز ہے، یعنی ہوس کی سرگرمی سوزِ عشق کے
بالمقابل سرد ہے۔ گویا ان کا دل ٹھنڈا مکان ہے اور سرد
مکان کو گرمی میں پسند کرتے ہیں۔ اس طرح یہ محبوب پر طنز کیا ہے
کہ ٹھنڈا مکان پسند ہے۔

(۵) یعنی جس چیز کو سایہ دیواریاں میں بیٹھے کو جگہ مل گئی گویا وہ
بادشاہ ہند ہو گیا۔

(۶) یعنی اب اگر کسی سے کہوں کہ جگر کا نشان داغ ہے تو کس کو
یقین آئے گا۔ گویا شدتِ غم سے اپنے وجود کا اعتبار بھی نہ رہا۔

(۸) یعنی اُن کی ناہریائی اس بنا پر ہے کہ انہیں ہم پر بھروسہ

ہو گیا ہے کہ ہم ہر حال وفادار رہیں گے۔

(۱) دروئے میرے ہے تجھ کو بیقراری ہائے
کیا ہوئی ظالم تری غفلت شعاری ہائے

(۲) تیرے دل میں گرنہ تھا آشوبِ غم کا حوصلہ
تو نے پھر کیوں کی تھی میری غمگساری ہائے

(۳) کیوں مری غنوارگی کا تجھ کو آیا تھا خیال
دشمنی اپنی تھی میری دوستداری ہائے

(۴) عمر بھر کا تو نے پیمانِ وفا یا نہ دھا تو کیا
عمر کو بھی تو نہیں ہے پائنداری ہائے

(۵) زہر لگتی ہے مجھے آب و ہوائے زندگی
یعنی تجھ سے تھی اسے ناسازگاری ہائے

(۶) گلفشانی ہائے نازِ جلوہ کو کیا ہو گیا
خاک پر ہوتی ہے تیری لالہ کاری ہائے

(۷) شرمِ رسوائی سے جا چھپنا تھا بجا خاک میں
ختم ہے آفت کی تجھ پر پردہ داری ہائے

(۸) خاک میں ناموسِ پیمانِ محبتِ بل گئے
اتھ گئی دنیا سے راہ و رسمِ یاری ہائے

(۹) ہاتھ بھی تیغِ آزما کا کام سے جاتا رہا
دل پہ اک لگنے نہ پایا زخمِ کاری ہائے

(۱۰) کس طرح کاٹے کوئی شب ہائے تاریک
ہے نظر خود کردہ آخر شمارِ ہائے

گوش مجھ پر پیام چشم محروم حال
ایک سال تسپر یہ نا امید داری ہائے ہائے (۱۱)
عشق نے پکڑا نہ تھا غالب بھی الفت کا رنگ
رہ گیا تھا دل میں جو کچھ ذوق خواری ہائے ہائے (۱۲)

(۱۳) معشوق کا مرتبہ ہے جو شاید ان کے دردِ عشق میں
ہلاک ہو گیا۔

(۱۴) یعنی تو نے تو عمر بھر کے لئے عہد وفا کیا لیکن عہد ہی کو
وفا نہ ہو تو کوئی کیا کرے۔

(۱۵) "ناسازگاری" ناموافقیت۔ بیوفائی۔ یعنی چونکہ زندگی نے
تجھ سے بیوفائی کی اس لئے مجھے زندگی سے نفرت ہو گئی ہے۔
(۱۶) یعنی ناز جلوہ کی گل فشانیوں کو کیا ہو گیا کہ اب خاک پر یا تہ خاک
تیری لالہ کاریاں ہو رہی ہیں۔

(۱۷) یعنی یہ پردہ داری محبت سے ہے۔

(۱۸) "ناموس" راز۔

(۱۹) یعنی پورا زخمِ عشق میرے دل پر لگنے بھی نہ پایا کہ وہ کام تمام
کرنے والا ہاتھ ہی نہ رہا۔

(۲۰) "برسکال" برسات یعنی برسات کی راتیں کس طرح کٹیں گی کیونکہ
ہمیں تو اختر شماری میں شب ہائے ہجر کاٹنے کی عادت تھی۔

(۲۱) "ہجور" ہجران زدہ یا دور یعنی کان پیغامِ شوق سے اور آنکھ دیدار
سے محروم ہیں۔ ایک دل اور اس پر ایسی ایسی مایوسیاں۔

(۲۲) دل میں جو ذوقِ رسوائی و خواری تھا دیووں ہی رہ گیا کیونکہ

ابھی آفت عشق کے درجہ تک نہ پہنچی تھی۔

۱	تسکین کو دسے نوید کہ مرثیہ کی آس ہے	۱	گشتگی میں عالم ہستی سے پاس ہے
۲	ایتکادہ جانتا ہے کہ میرے ہی پاس ہے	۲	لینا نہیں میرے دل آوارہ کی خبر
۳	ہر مونس کے بدن پہ زبان سپاس ہے	۳	کچھ بیاں سرور تپ غم کہاں تلک
۴	ہر چند اس کے پاس لی تھی شناس ہے	۴	ہے وہ غرور حسن سے بیگانہ وفا
۵	اس بلغی مزاج کو گر ہی ہی پاس ہے	۵	پی جس قدر شب ہتاب میں شراب

ہر اک مکان کو ہے مین سے شرف آس
مجنوں جو مر گیا ہے تو جنگل آداس ہے

۶

۱) "گشتگی" جنوں یعنی جوش جنوں سے زندگی کی امید نہیں بلکہ
مرنے کی توقع ہے۔ تسکین کو مبارک باد کہنا چاہئے۔ کیونکہ
مرنے پر سکون میسر آجائے گا۔

۲) یعنی میرے دل آوارہ کی خبر نہیں لینا اس کو یہ اطمینان ہے
کہ دل میرے پاس ہو گا جب چاہیں گے لے لیں گے حالانکہ یہاں
دل کا نشان تک باقی نہیں۔

۳) "سپاس" تشریف و تمجید شعر میں اظہار ایدادوستی ہے۔

۴) یعنی اگرچہ وہ عشاق کو مستحقِ کرم جانتا ہے لیکن غرور حسن
مانع و قاس ہے۔

۵) شب ماہ کو بلغی مزاج سے تعبیر کیا ہے۔ "راس" موافق۔

۱	خوش ہوں کہ میری بات سمجھا محال ہے	۱	گر خامشی سے فائدہ اخلائے حال ہے
۲	دل فرد جمع و خراج زبان ٹٹے لال ہے	۲	کس کو سناؤں حسرت اظہار کا جگہ
۳	رحمت کہ غدر خواہ لب بے سوال ہے	۳	کس پردہ میں ہے آئینہ پر واز لے خدا

۴	ہے ہے خدا نخواستہ وہ اور دشمنی	۴	اسے شوق منفعلی یہ تجھے کیا خیال ہے
۵	مشکیں لباس کعبہ علی کے قدم سے جان	۵	ناف زین ہے نہ کہ ناف غزال ہے
۶	وحشت پہ میری عرضہ آفاق تنگ تھا	۶	دریا زین کو عرق انفعال ہے

ہستی کے مت فریب میں آجائو اسد
عالم تمام حلقہ دایم خیال ہے

(۱) اگر خاموشی کا مقصد یہ ہے کہ راز اور حال دل پوشیدہ رہے تو میری باتیں بھی ایسی خاموشی سے کم نہیں کیونکہ ان کا مطلب ہی کوئی نہیں سمجھ سکتا۔

ہر گوش سخن شنوا کچھ دل تو نہیں ہوتا
مطلب کوئی کیا سمجھے وارفتہ بیانی کا (سہا)

(۲) پیمہ گوئی کو زبان لال ہوئے سے تعبیر کرتے ہیں۔ یعنی حسرتِ ظاہر شوق کا گلہ کس کو سناؤں دل میں بیشمار گہائیاں مضمر ہیں۔

(۳) آئینہ پرواز "آرائش کرنے والا مراد ہے۔" لب بے سوال "استعارہ ہے انسان مجبور سے اور یہ عالم جبر کی باتیں ہیں۔ آدمی بے اختیار ہے۔ مختار صرف خدا ہے۔ تاہم رحمت کی طلب سے شاعر نے ادبِ عبدیت کو قائم رکھا ہے۔ مطلب ہے کہ اسے خدا انسان مجبور بنانے کا حال (لب بے سوال) عذر خواہ ہے۔ اس وقت رحمت کس آئینہ خانہ میں آرائش کر رہی ہے۔ اگر آئینہ پروازی سے جلوہ نہائی مراد ہے تو معنی یہ ہونگے کہ اسے خدا تیری رحمت کہاں ہے جو ہنگامِ معاصی خود بخود بلا سوال ہمیں اپنا جلوہ دکھا دیتی تھی۔ یعنی جس کے

بھروسہ پر گناہ کی ہمت ہوتی تھی۔

(۴) ”اے شوق منقل“ کے بعد ”ہو“ مقدر ہے۔ یعنی اے شوق تجھے شرمانا چاہئے یہ کیا خیال ہے کہ وہ تجھے پاٹمال کر کے دشمن سے مل گئے ہیں۔

(۵) ”مشکین“ مشک رنگ سیاہ۔ ”نافہ و غزال“ سب عایات ہیں حضرت علیؑ کے قدم مبارک کی عظمت بیان کی ہے۔

(۶) ”عرصہ آفاق“ میدانِ عالم یعنی میری وحشت کے بالکشت ابل و ست ارض تنگ ہے۔ اور زمین کو اپنی اس تنگی پر شرمندگی ہے۔ چنانچہ اسی شرم و انفعال کا عرق سمندر ہے۔

(۷) یعنی ہستی کے فریب میں نہ آنا۔ سارا جہان دایم خیال کا حلقہ ہے یا اس عالم اعتباری میں قیام و دوام کا وہم نہ رکھنا اصل میں یہ شعر مشہور فلسفی برککے کے نظریہ خیال پر مشتمل ہے جو وجود خارجی کا فائل نہیں ہے اور کائنات کو خیالی و ذہنی کی صورت آفرینیوں اور ہنگامہ فرمایوں پر محمول کرتا ہے۔ اس قسم کے اشعار حقیقتاً بڑے پایہ کے اشعار ہوتے ہیں جو حقائق علمی سے مطابقت رکھتے ہیں۔ بالکل ایسے ہی مضمون کا ایک شعر یہ ہے:-

جز نام نہیں صورتِ عالم مجھے منظور
جز وہم نہیں ہستی اشیاء مرے آگے (غالب)

تم اپنے شکوہ کی باتیں کھود کھود کے پوچھو	۱	حذر کرو مے دل سے کہ اس میں آگ لگی ہے
دلایہ رد و الم بھی تو مٹتے ہیں کہ آخر	۲	نہ گریہ سحری ہے نہ آہ نیم شبی ہے

(۱) شکوہ و شکایت کو دینی ہوتی آگ سے تعبیر کیا ہے۔ کھو و کھو د
کے پوچھنا محاورہ ہے یعنی بار بار اور تلاش و کاوش سے پوچھنا۔
”خذر کرو“ پر ہمیز کرو۔ پتو۔ ایسا نہ کرو۔

(۲) ”آخر“ کا لفظ بہت بلیغ ہے یعنی آخر کار ایک دن ہی درد و الم
جان لے لیں گے۔ نہ گریہ سحر باقی رہیگا اور نہ آہ نیم شبی۔

ایک جا حرفِ وفا لکھا تھا وہ بھی برٹ گیا
(۱) ظاہر اکاغذ ترے خط کا غلط بردار ہے

جی جلیے ذوقِ فنا کی ناتمائی پر نہ کیوں

ہم نہیں جلتے نفس ہر چند آتش بار ہے

آگ سے پانی میں بجھتے وقت اٹھتی ہے صدا
(۲) ہر کوئی در ماندگی میں نالے سے ناچار ہے

ہے وہی بدستی ہر ذرہ کا خود عذر خواہ

جس کے جلوہ میں زیریں تا آسماں سرشار ہے

مجھ سے مت کہہ تو ہمیں کہتا تھا اپنی زندگی
(۳) زندگی سے بھی میرا جی ان دلوں میں رہتا ہے

آنکھ کی تصویر سب زنامہ پر کھینچی ہے۔ کہ تا

تجھ پہ کھل جاوے کہ اس کو حسرت پیدا ہے

(۴) ”غلط بردار“ اس آلہ کو کہتے ہیں جس سے حرف غلط مٹایا جاتا ہے۔

(۵) یعنی نفس آتشبار ہونے پر بھی ہمیں چھونک نہیں دیتا۔

اسی ناتمائی ذوقِ فنا پر جی جلتا ہے۔ اسی کے ہم معنی اس سے

پہلے یہ شعر گزریا ہے۔

جلتا ہے دل کہ کیوں ہم کہاں چل گئے
 لے نا تمہاری نفس شعلہ پار حیف
 (۳) ”درماندگی“ مصیبت ”نالہ سے ناچار ہے“ یعنی نالہ کرنے
 کے لئے مجبور ہے۔

(۴) ”ذره“ جلوہ کی رعایت سے محاورۃ استعمال کیا ہے۔ ذرہ
 ذرہ سے تمام کائنات مفہوم ہے۔ جیسے زمین تا آسمان سے
 سارا جہان مراد ہے۔ جلوہ کا مفہوم جمال ہے یہ صفت الہی
 رحمت و کرم اور احسان وغیرہ پر مشتمل ہے۔ ”سرسار“
 معمور۔ مستی کی رعایت سے استعمال کیا گیا ہے یعنی ذرہ ذرہ
 کی بے عنوانی سیاہ کاری و بد قسمتی کا عذر خواہ اور عذر پذیر بھی
 وہی ہے جس کے جلوہ جمال اور انوار رحمت و کرم سے سارا
 جہان معمور ہے۔

(۵) یعنی مجھ سے یہ نہ کہو کہ میں تم کو اپنی زندگی یا باعثِ زندگی
 کہا کرتا تھا۔ کیونکہ مجھ کو ثواب اپنی جان بھی عزیز نہیں رہی۔
 زندگی سے بیزار ہو گیا ہوں۔ اب اس کے کہنے میں آپ سے
 نفرت کا احتمال ہوگا۔ یا اب اگر تم کو اپنی زندگی کہوں تو کوئی
 تعریف یا خوبی نہیں۔

پیس ہیں گذرتے ہیں جو کوچے سے مرے دم | کندھا بھی کہا روں کو بدلنے نہیں دیتے

میری ہستی قضائے حیرت آباد و ممتا ہے

(۱)

جسے کہتے ہیں نالہ۔ وہ اسی عالم کا اعتقاد ہے

(۲) خزاں کیا فصل گل کہتے ہیں کس کو۔ کوئی موسم ہو

وہی ہم ہیں قفس ہے اور ماتم بال و پر کا ہے

وفا ہے دلبران ہے اتفاقی - ورنہ اسے ہمدم
(۳) اثر فریادِ دل ہائے حزیں کا کس نے دیکھا ہے

نہ لائے شوخی اندیشہ تاب زنج نو مید
(۴) کفِ افسوس ملنا عہدِ تجدیدِ تمنا ہے

(۱) "قضا" ماحول - حیرت آباد - یکسر حیرت - "تمنا" سے عشقِ سرا
ہے - "عنتا" بمعنی معدوم - حیرت کا خاصہ ہے کہ حواس و حرکات
میں سکوت و تعطل طاری ہو جاتے ہیں - اسی حواس و حرکات
کے تعطل کو عدم سے تعبیر کیا ہے - پس یقیناً اس عدم کے
اقتضا سے نالہ بھی عنتا یعنی معدوم ہونا چاہئے - یعنی میری
ہستی عشق کے عالم حیرت کی فضا ہے - اور عنتا اس فضا کا
نالہ ہے -

(۲) "شوخی اندیشہ" خیال کی شوخی اور رنگینی - "عہدِ تجدیدِ تمنا"
از سر نو تمنا کرنے کا عہد یعنی شوخی خیال سے ناامیدی کا رنج
برداشت نہ ہو سکا - یا رنگینی خیال کو یا یوسی گوارا نہ ہوتی اور
کفِ افسوس ملنے ہی سے عہدِ تجدیدِ تمنا ظاہر ہونے لگا -

رحم کر ظالم کہ کیا بود چراغ کشتہ ہے
(۱) نبضِ بیمارِ وفاد و چراغ کشتہ ہے

دل لگی کی آرزو ہے چین رکھتی ہے ہمیں
(۲) ورنہ یاں بے رونقی - سو چراغ کشتہ ہے

(۱) "بود" ہستی - دم - طاقت - بساط وغیرہ - "روح" جان کی

حقیقت نور ہے۔ چراغ بھی نورانیت میں مشترک ہے چنانچہ چراغ زندگی سے عام طور پر روح کو تعبیر کیا جاتا ہے یہاں بھی چراغ سے جان یا ہستی مراد ہے۔ ”کشتہ“ شاعری کے مصطلح الفاظ میں سے ہے جس کے معنی عاشق کے ہوتے ہیں۔ مصرعہ ثانی میں چراغ کشتہ۔ اصل معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی بجھا ہوا چراغ۔ ”دود“ وہ دھواں مقصود ہے جو چراغ بجھاتے وقت نکلتا ہے۔ اس دھوئیں کی حرکت خفیف غیر متواتر۔ اور غیر مسلسل ہوتی ہے۔ اور تھوڑی ہی دیر میں یہ دھواں ختم ہو جاتا ہے اور حرکت وغیرہ سب فنا ہو جاتی ہیں۔ اس حرکت سے بیماروں کی حرکت نبض کی تشبیہ دی ہے اور نبض کی ایسی حرکت بیمار کے آخری وقت کی دلیل ہے اس نبض کو اصطلاح طب میں دودی کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ دود عربی سے ماخوذ ہے۔ عربی میں چھوٹے ریگنے والے کیڑوں کو دود کہتے ہیں۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ مرنے والے کی نبض حرکت میں کیڑوں کے ریگنے سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے۔ یا دود چراغ کشتہ ہے کیا بلحاظ حرکت اور کیا بلحاظ حالت و انجام دود چراغ کشتہ کی تشبیہ کیڑے کے ریگنے کے مقیاس سے زیادہ اس تشبیہ اور مکمل ہے۔ اور یہ شاعر کی عظیم المثال صحت نظر ہے کہ وہ شعر میں ایسی کامل تشبیہ دے جو ارباب فن صدیوں کی مشق و نظر میں ہم نہ پہنچ سکے ہوں۔

(۲) دل لگی۔ محبت۔ ”بچپن رکھتی ہے“ یعنی ہنگامہ پرور رکھتی ہے۔

”یاں ہمارے لئے کے معنی ہیں استعمال ہوا ہے ”سود“ فائدہ
 سمجھے ہوئے چراغ پر بے رولقی برستی ہے۔ لیکن یہ بے رولقی
 کچھ چراغ کے لئے مفید ہے کہ جلنے سے بچا ہوا ہے مطلب
 ہے کہ محبت کی آرزو سے ہم میں چہل پہل تو رہتی ہے۔
 لیکن یہ چہل پہل اور ہنگامہ آرائی ہمارے لئے
 مفید نہیں بلکہ چراغ کشتہ کی طرح ہمارے لئے یہی
 بے رولقی و افسردگی مفید ہے کہ سوز غم سے جلنے میں کچھ
 آرام نہیں بلکہ بے چینی ہی رہتی ہے۔

چشمِ خواباں۔ خاموشی میں لو اپر آواز ہے	۱	سرمہ تو کھوٹے کہ دو شعلہ آواز ہے
پیکرِ عشاق سازِ طالعِ ناساز ہے	۲	نالہ گویا گردشِ سیارہ کی آواز ہے
دستِ گاہ دیدہ خوبارِ مخنوں دیکھنا	۳	یک بیاباں جلوۂ گلِ فرش یا انداز ہے

(۱) ”لو اپر وار“ سخن پر وار۔ گویا آنکھوں کے عشوے اور غم سے
 گویا تھی ہیں۔ آواز یا اعتبار پر وار حرکتاً شعلہ مشابہ ہے پھر
 حسینوں کی مخمور اور شرابی آنکھوں کو بھی شعلہ سے مشابہت ہے۔
 شعلہ آواز کی ترکیب نہایت اعلیٰ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ
 حسینوں کی آنکھیں خاموشی میں عشوہ و اشارات سے گویا ہوا
 کرتی ہیں اور سرمہ کو اسی گویا تھی کے شعلہ کا دھواں سمجھنا چاہیے۔
 (۲) ”پیکرِ عشاق“ عاشقوں کا جسم یا وجود ”ساز“ باجہ ”طالعِ ناساز“
 بد نصیبی۔ گردشِ سیارہ بھی طالعِ ناساز کے مراد ہے۔ اور
 آردو ہیں بھی یہ محاورہ بانوس ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عاشقوں کا
 وجود ایک سازِ بد نصیبی ہے اور نالہ گردشِ سیارہ کی آواز ہے

یا ساز بد نصیبی کا نغمہ ہے۔

(۳) ”دست گاہ“ کمال ”دیدہ تونبار“ چشم خون نقشاں ”جلوہ گل“ رنگ خون کی تشبیہ ہے ”فرش پا انداز“ وہ فرش جس پر آمد و رفت ہو یعنی مجنوں کی چشم خون نقشاں کا کمال تو دیکھو کہ سارے بیابان میں جلوہ گل کا فرش معلوم ہوتا ہے۔

عشق مجھ کو نہیں وحشت ہی سی	۱	میری وحشت تری شہرت ہی سی
قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے	۲	کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سی
میرے معنے میں ہے کیا رسوائی	۳	اے وہ مجلس نہیں خلوت ہی سی
ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے	۴	غیر کو تجھ سے محبت ہی سی
اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو	۵	آگئی گر نہیں غفلت ہی سی
عمر ہر چند کہ ہے برق خرام	۶	دل کے خوں کو کی فرصت ہی سی
ہم کوئی ترک وفا کرتے ہیں	۷	نہ سی عشق مصیبت ہی سی
کچھ تو دے اے فلک انصاف	۸	آہ و فریاد کی رخصت ہی سی
ہم بھی تسلیم کی خود ایں گے	۹	بے نیازی تری عادت ہی سی

یار سے چھپر چلی جا سٹہ اسٹہ

گر نہیں وصال تو حسرت ہی سی

۱۰

(۱) یعنی دیوانگی ہی سی۔ میرے عشق سے آپس کی شہرت تو ہے۔

(۲) اسی مشہوریت کا شہر پہلے گزر چکا ہے۔

وارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو

کیجئے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو

(۳) ”رسوائی“ بمعنی افشائے راز۔

(۴) یعنی خیر آپ ہی سچے ہیں کہ غیر کو آپ سے محبت ہے مگر یہ کہنے کہ ہمیں اپنے ساتھ دشمنی ہے کہ تم سے محبت نہیں رکھتے کیونکہ زندگی تو تم سے وابستہ ہے۔ پھر بھی اگر تم سے محبت نہ ہو تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ہمیں اپنی جان اور اپنے آپ سے دشمنی ہے۔ اس سے قبل تقریباً اسی مفہوم کا شعر گزر چکا ہے:-

کیونکہ اس محبت سے رکھوں جان عزیز کیا نہیں ہے مجھے ایمان عزیز
(۵) عرفان و سلوک کی تعلیم کے واقعی صرف یہی دو طریقے اور اصول ہیں۔ یعنی یا اپنے نفس کا علم یا نفس و نفسانیت فراموشی جن کو استاد نے آگے اور غفلت کے الفاظ میں بیان کیا ہے اور پہلے مصرعہ میں جو کہا ہے کہ اپنی ہستی ہی سے ہوتا ہے۔ سچ کہا ہے یہ شعر پورے کلیہ عرفان کی وسعت و بلاغت رکھتا ہے یعنی یا اپنے نفس کو پہچان لو یا اس سے قطع نظر کر لو۔

(۶) یعنی عمر اگرچہ جلد گزر جائے میں برق خرام ہے لیکن اتنی مہلت بھی دل خون ہو جانے کے لئے کافی ہے۔
(۷) یعنی ترک و فانا ممکن ہے عشق کا کوئی نتیجہ موافق نکلے یا نہ نکلے مصیبت ہی سہی۔

(۸) "رخصت" اجازت یعنی فریاد ہی دل کھول کر لینے دے۔
(۹) غرض کہ شکوہ اور گلہ نہ کریں گے دشمن ادبی اعجاز کے مرتبہ تک پہنچ گیا ہے)

(۱۰) کیونکہ آخر زندگی کے لئے کوئی نہ کوئی شغل چاہئے۔

۱	صبح وطن ہے خندہ دندان نما مجھے	۱	ہے آرمیدگی میں نگو ہش نہ بچا مجھے
۲	جس کی صدا ہو جلوہ برق فنا مجھے	۲	ٹھونٹے سے اس مفتی آتش نفس کو جی
۳	تا باز گشت سے نہ ہے مارعا مجھے	۳	مستانہ طے کروں رہ وادی خیال
۴	آنے لگی ہے نکرت گل سے حیا مجھے	۴	کرتا ہے پس کہ بلغم میں تو بے حجابیاں
۵	شعروں کا انتخاب نے رسوا کیا مجھے	۵	کھلتا کسی پریوں سرے دل کا معاملہ

(۱) "آرمیدگی" آرام طلبی۔ "نکو ہش" ملامت۔ صبح کو خندہ سے تشبیہ کرتے ہیں۔ یہاں نگو ہش کے ثبوت کے خندہ دندان نما مہنگہ یا خندہ تحقیر و ملامت لکھا ہے۔ مطلب ہے کہ آرام طلبی میں واقعی مجھے ملامت کرنا چاہئے۔ کیونکہ میں تو بیاباں نوردی اور غربت کے لئے پیدا ہوا ہوں۔ پس ہر صبح وطن میرے لئے خندہ ملامت ہے۔

(۲) "مفتی" گائیو والا۔ "آتش نفس" سوز و گداز کی طرف اشارہ ہے۔ جلوہ برق فنا۔ نظارہ برق فنا۔ یا نظارہ مرتبہ فنا فی الذات مفہوم ہے۔ یعنی ایسے پر سوز و گداز مفتی کی آرزو ہے جس کے ہر نفس آتشین میں جلوہ برق فنا نظر آنے لگے۔

(۳) "مستانہ" بے خودی یا بے خبری کے ساتھ یا عالم فراموشی کے ساتھ۔ "باز گشت" واپسی یعنی خیالستان یا عالم خیال میں مستانہ گزرتا ہوں۔ تاکہ واپسی سے سروکار نہ رہے اور ترقی کے لیے رو بہ منزل نہ ہوں۔

(۴) یعنی مجھے انفعال ہے کہ تو کہاں بے حجابیاں کرتا ہے۔

(۵) یعنی میرے اشعار کا انتخاب ہونے لگا اور ان اشعار میں میری

داستان عشق مصطفیٰ -

زندگی اپنی جہاں شکل سے گزری غالب | ۱ | ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

(۱) اُس شکل سے "اس انداز سے اس حال سے - شاعر اس شعر میں بالوسی کے ساتھ اپنی بد حالی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے مراجع کی حسرت کرتا ہے۔

۱	اس بزم میں مجھے نہیں بنتی حیا کئے	۱	بیٹھا رہا اگر چہ اشارے ہوا کئے
۲	دل ہی تو ہے سیاست دریاں سے ڈگیا	۲	ہیں اور جاؤں در سے تھے بن صدا کئے
۳	رکتا پھروں ہوں خرقہ و سجادہ رہن	۳	مات ہوئی ہے دعوت آب و نہر کئے
۴	یہ صرفہ ہی گزرتی ہے ہو کر چہ عمر خضر	۴	حضرت بھی گل کہیں گے کہ ہم کیا کیا کئے
۵	مقدور ہو تو خاک سے پوچھو کہ سے لیٹم	۵	تھے وہ گنجا تھے گرا نمایہ کیا کئے
۶	کس روز تمہیں نہ تراشا کئے عار و	۶	کس دن ہمارے سر پہ نہ آئے چلا کئے
۷	صفت میں غیر کی نہ پڑی ہو کہیں بخیر	۷	وینے لگا ہے بوسم بغیر التجبا کئے
۸	صنکی ہے اور بات مگر خبر بڑی نہیں	۸	بھیو لے سے اُسے سینکڑوں وعائے فنا کئے

غالب نہیں کہو کہ سلے گا جواب کیا

مانا کہ تم کہا کئے اور وہ سنا کئے

۹

(۱) یعنی کچھ ایسی مجبوری ہے کہ ان کی بزم میں مجھے غیرت ہی نہیں آتی۔ اور وہاں یہ کیفیت تھی کہ کبھی کسی بات پر انہوں نے غیار کو خاموشی کا اشارہ کیا کہ یہ بیٹھے ہوئے ہیں چپ رہو۔ کبھی یہ اشارہ ہوا کہ یہ کون ہیں۔ کیوں آگئے ہیں۔ جاتے کیوں نہیں غرض کہ سینکڑوں اشارے ہوتے رہتے اور مجھ سے اٹھانہ گیا۔

(۲) "سیاست" انتظام ملک۔ یہاں خوف مراد ہے۔

(۳۱) "خرقہ" لباس فقر و سجادہ "بھیلے" رہن مئے "شراب کے لئے رہن" و عورت آب و ہوا "و عورت موسم بہار۔"

(۳۲) "بے صرفہ" بے فائدہ۔ فضول۔ یعنی اس دنیا میں کتنی ہی عمر کیوں نہ ہو بے نتیجہ ہی گزر جاتی ہے۔ حضرت شاہنشاہ بھی باد و چڑ اتنی عمر کے پھٹتا میں گئے ضرور کہ افسوس کچھ نہ کیا۔

(۳۳) "لیٹم" لامنت سے بنا ہے جس کے معنی ملامت، شہدہ یا عمارت میں بد بخت کے ہیں۔ گنج ہائے گرانمایہ سے قابل قدر اور قابل تحسین ہستیاں مراد ہیں۔ یعنی خاک سے پوچھو کہ درویشی عالم وجود کہاں چلے گئے۔

(۳۴) یعنی ضرر سے وہ خالصتاً عادت کرتا تھا۔ خوب خوب یاد نہ رہی تو حسب عادت سینکڑوں بار وہ دنیا سے وفا کئے۔

(۳۵) یہ شعر بھی قریب القریب ہے۔ یعنی یہاں لفظ چوہا ہے۔ چوہا کہ تم ان کے وعدہ کا ذکر ان سے کیوں کر و غائب یہ کیا کہ تم کہو اور وہ کہیں ان کو یاد نہیں۔

رقنار عمر قطع رہا اضطراب ہے ۱۔ ان سال کے حساب کو ہرقہ اقامت ہے
 مینا مئے ہے سرو نشاط بہار سے ۲۔ بالی تیرے در جلوہ موج شراب ہے
 زنجی ہوا ہے پاشہ پائے ثبات کا ۳۔ نے پھاگئے لی گوئی اقامت کی تاب ہے
 جاداد بادہ نوشی زنداں ہی شش جہت ۴۔ غافل کہاں کہے ہو کہ گیتی خراب ہے
 نظارہ کیا حریف ہوا میں برقی حسن کا ۵۔ جوش بہار جلوے کو جس کے نقاب ہے
 میں نامراد دل کی تسلی کو کیا کروں ۶۔ مانا کہ تیرے رخ سے نگہ کامیاب ہے
 گندہ اس مسرت پیغام یار سے ۷۔ قاصد پہنچے کو شک سوال و جواب ہے

(۱) عمر کی رفتار ایسی ہے جیسے کوئی اضطراب و بے چینی میں جلد
جلد راستہ طے کر رہا ہو۔ اور عمر کے سال کے حساب کے لئے
آفتاب کو یا برق ہے۔ یا برق آفتاب ہے۔

(۲) "مینائے مئے" صراحی ہے۔ اسی رعایت سے نشاطِ اصفیٰ
کیا ہے۔ "بال تدرؤ بادل سے استعارہ ہے۔ جلوہ مے کو بادل
سے مشابہہ کیا گیا ہے۔ یعنی مینا اگر سرو ہے تو موجِ شراب گھٹا۔
(۳) "پاشنہ" ایڑی۔ "پائے ثبات" ثابت قدمی۔ "پائے استقلال"
"اقامت" قیام یا قائم کرنا۔ یعنی یہ راہ عشق کچھ ایسی دشوار ہے
کہ نہ بھاگا جاتا ہے اور نہ پھیرا جاتا ہے۔ بس ایڑیاں رگڑنی
پڑتی ہیں اور پائے استقلال زخمی ہوتا رہتا ہے۔

(۴) "زندوں سے مراد باریستانِ عشقِ الہی ہیں۔" بیششِ جہتہ"
آفاق۔ دنیا رگیتی۔ یعنی دنیا زندانِ عشق ہی کی جاو او ہے لوگ
بہ سمجھتے ہیں کہ ان کی وجہ سے زمانہ خراب ہے۔

(۵) "ظہارہ" طاقت ویدار۔ "حریت" سفاکی۔ بہار کے اوزم میں
اب بھی ہے۔ اسی رعایت سے حسن کی توصیف برق سے کی گئی
ہے۔ استاد کا شعر ہے :-

لطافتِ بے کثافتِ جلوہ پیدا کر نہیں سکتی

چمن زنگار ہے آئینہ بادِ بہاری کا

یہاں بھی جوشِ بہار اسی قسم کا نقاب ہے جیسا آئینہ بادِ بہاری کا
زنگار چمن تھا۔

(۶) یعنی دیدار سے آنکھوں کو تو سکون ہے لیکن دل کی تسلی محض دیدار

سے نہیں ہوتی۔

”اگر گذرا“ باز آیا کے معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی مجھے قاصد پر
اُن سے ہنگامی کارِ رشک ہے اس لئے میں پر پیغام سے ہی گزارا۔

(۱) دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پر رشک آجائے ہے
میں اُسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

(۲) ہاتھ دھو دوں سے بھی گرمی گر اندیشہ میں ہے
آپ گیند تندی صہبا سے لکھلا جائے ہے

(۳) شوق کو یہ لت کہ ہر دم نالہ کھینچے جیائے
دل کی وہ حالت کہ دم لینے سے گھبرا جائے ہے
(۴) غیر کو کیونکر وہ یارب منع گستاخی کرے
گر حیا بھی اُس کی آئی ہے تو شرما جائے ہے

(۵) دُور چشم پر تری بزم طرب سے واہ واہ
نغمہ ہو جاتا ہے واں گر نالہ میرا جائے ہے
گر چہ ہے طرزِ آفاقِ فل پر وہ وار و رازِ عشق
پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے

(۶) اُس کی بزم آرا بیاں سن کر دل رہ بجوریاں
مثلِ نقشِ مدعا سے غیر بیٹھا جائے ہے
ہو کے عاشق وہ پری رُخ اور نازک بیاں گیا
رنگ کھلتا جائے ہے جتنا کہ اُڑتا چلتا ہے

(۷) نقش پر اُس کے معصوم کو بھی کیا کیا ناز ہیں
کھینچتا ہے جس قدر اتنا ہی کھینچتا جائے ہے

سایہ میلا تجھ سے مثل وود بھاگے ہے اسد
 پاس مجھ آتش پہ جاں کے کس سے ٹھیرا جائے ہے
 (۱) انتہا سے لذت دید میں ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ خود پر
 رشک آئے لگے۔

(۲) گریں اوریشہ گریں خیال - جوش خیال - سرگرمی خیال کی تشبیہ
 صہبہ (شراب) سے دی ہے "تندی" تیزی اور اس لفظ
 کی رعایت سے جوش خیال یا گریں خیال لائے ہیں۔ آبگینہ
 شیشہ کی طرح ہے۔ مطلب ہے کہ جس طرح صہبہ
 سے شیشہ کے پگھلنے کا احتمال ہے اسی طرح اگر بھی جوش خیال
 ہے تو دل بھی خون ہو کر بہ جائے گا۔

(۳) یعنی شوق کا تقاضا ہے کہ پیہم نالہ کھینچے جاؤں اور دل کی
 آوازوں کی یہ گیندیں سچے کہ دم گھٹا جاتا ہے۔
 (۴) "تندی" جانا۔ "تندی" سروت۔

لہذا یہی حال ہے کہ کوئی ہمدردی نہیں ہوتی۔ اور
 صہبہ کی طرح شیشہ کی طرح ہے اس کی نغمہ ہی سمجھا جاتا ہے۔ حسدا
 شیشہ کی طرح ہے کہ نظر بد سے بچائے۔

(۵) طرزِ نقاشی کا انداز بیگانگی - یعنی ہمارے طرزِ تعاقب سے
 پناہ دینے والی تھا۔ ہونے لگتی ہے اور ہم تعاقب میں کچھ ایسے خاموش
 ہو جاتے ہیں کہ انشاءِ حالی کا گمان ہوتا ہے اور وہ سمجھ جاتے
 ہیں کہ تم میری طرف سے کچھ بات ہے۔

(۶) "تندی" جانا۔ "تندی" سروت اور ویر پا کامیابی کے معنوں میں

آتا ہے۔ نقش بیٹھنے سے اپنے دل کے بیٹھنے کی تشبیہ دی ہے

اور دل کا بیٹھنا محاورہ ہے۔ بمفہوم بالوسی۔

(۸) یعنی ضعف عشق سے نزاکت بڑھ گئی ہے۔ "زرنگ اُڑنا"

آثار ضعف میں سے ہے۔ اور زنگ سفید پڑ جانا بھی علامت

ضعف ہے۔ زنگ کھلنا محاورہ میں گورے ہو جانے کے معنی

میں مستعمل ہے۔ یہی تمام رعایات شعر میں ہیں۔

(۹) "کھینچتا ہے" یعنی تصویر یا نقش صورت کھینچتا ہے۔ کھینچتا

جلستے ہے۔ یعنی اتراتا اور غور کرتا جاتا ہے۔

(۱۰) سایہ اور درد (دہواں) میں تشبیہ ہے۔ "آتش بجاں" جس

کی جان آتش غم میں بدلتا ہو۔ مصیبت کی بیکیسی بیان کرنے

میں سایہ کی علیحدگی تشیل عام اور مشہور ہے۔ یہاں آگ سے

دھوئیں کی علیحدگی سے سایہ کے جدائی کی تشبیہ دی گئی ہے۔

۱۔	تباہان ہجر میں دی بردلیالی نے مجھے	گرم فریاد رکھا، شکل نہالی نے مجھے
۲۔	لے لیا مجھ سے مری ہمت عالی نے مجھے	نسبہ و نقد۔ دو عالم کی حقیقت معلوم
۳۔	کر دیا کافران اصرار خیالی نے مجھے	کثرت آرائی وحدت ہے پرستار ہی تم
۴۔	عجب آرام دیا بے پرو بالی نے مجھے	ہوس گل کا تصور میں بھی کھٹکانہ رہا

(۱) "شکل نہالی" نقوش و تصاویر قالین۔ "برد" سردی "لیالی"

لیل رات کی جمع ہے۔

(۲) "نسبہ عقیقی اور نقد دینا" یعنی منافع موجود و آئندہ سے

میری ہمت عالی نے مجھے مستغنی کر دیا۔ یا میں نقد دنیا اور عقیقی

کے اوار پر فروخت نہ ہوا۔ بلکہ ہمت عالی نے بعاوضہ استغناء مجھ خرید لیا۔

(۳) کثرت آرائی وحدت - یعنی وحدت کو کثرت سمجھنا اور ہم پرستی اور کفر ہے کیونکہ یہ سب وہم و خیال کے بت ہیں۔ بلکہ کثرت کو وحدت سمجھنا چاہئے۔

(۴) آئینے پر وہ بالی "بالو ہی یا سبے طاقی"۔

۱	ایر قی خرمین باخوت ناخون گرم دہقان ہے	کارگاہ ہستی میں لالہ داغ سماں ہے
۲	یا وجود دل جمعی خواب گل پریشاں ہے	غنجہ شگفتہ ہر گ عافیت معلوم
۳	داغ پشت دستہ شجر شگفتہ باز ناں ہے	ہم سے بچ پیتا پی کس طرح اٹھایا جائے

(۱) "داغ سماں" مثل انجم انجم - وہ غنچہ کہ داغ جس کا سرمایہ و سماں ہو۔ موجودیت لالہ کی منحصر نمائش داغ پر ہے۔ ورنہ رنگ تو اور پھولوں کا بھی لال ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے سمجھ لیجئے کہ پھول کا درخت یا غلہ جو کچھ اُپایا جاتا ہے۔ دہقان کو جو تھے پونے اور پانی دینے میں مشقت کرنی پڑتی ہے۔ اور ریاضت میں لہو گرم ہو جاتا ہے۔ مقصد و نشاۃ کا پیر ہے کہ وجود محض رنج و غما ہے۔ مزایع کا وہ لہو جو کشت و کار میں گرم ہوتا ہے وہ لالہ کی راحت کے خرمین کا برقی ہے۔ حاصل موجودیت داغ اور داغ مخالف راحت اور صورت رنج ہے۔ "راز کو ہندی"

(۲) کلی جب تھی ٹیکے بصر بہت قلب صنوبر ہی نظر آئے اور جیشک پھول بہتے ہر گ عافیت معلوم؛ یہاں معلوم معنی معلوم ہے اور ہر گ عافیت معنی مایہ آرام۔ مصرعہ ہر گ عیش بگور خویش ہر گ اور ہر گ عیش معنی ساز و سماں "خواب گل" شخصیت گل باعتبار خموشی و برجاماندگی پریشانی ظاہر ہے۔ یعنی شگفتگی

وہی پھول کی پنکھڑیوں کا بکھرا ہوا ہونا۔ غنچہ بصیرت دل جمع ہے
 باوصف جمعیت دل گل کو خواب پریشان نصیب ہے۔

(از عہد ہندی)

رسا "پشتِ دست" صورتِ عجز اور خس بارہاں "وگاہِ بندگان"
 گرفتار بھی اظہارِ عجز ہے۔ پس جس عالم میں کہ داغ نے پشتِ دست
 زمین پر رکھ دی ہو اور شعلہ نے تنکا دانتوں میں لیا ہو ہم سے
 رنج و اضطراب کا تحمل کس طرح ہو۔ مطلب ہے کہ اس رنج
 کے برداشت کرنے کی ہم میں تاب و طاقت نہیں ہے اور
 یہ ہمیں ہلاک کر دے گا (از عہد ہندی)

اگر یہاں سے درو دیوار سے سبزہ غالباً | ہم بیابان میں ہیں اور گھر میں بیمار آتی ہے

(۱) گھر میں گھاس اگنا ویرانی کی دلیل ہے۔ گویا جب گھر میں یہ بیمار
 ہو تو گھر بیابان ہے اور ہم کو گھر میں بیابان کا مزہ آسکتا ہے
 پھر ناحق ہم بیابان میں ہیں۔

سادگی پر افس کی مرجانے کی حسرت دل میں ہے

(۱)

بس نہیں چلتا کہ پھر غنچہ کھفت قاتل میں ہے

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا

(۲)

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

گرچہ ہے کس کس بڑائی سے ولے با ایں ہمہ

(۳)

ذکرِ میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اُس محفل میں ہے

بس ہجومِ نا اُمید ہی خاک میں مل جائے گی

(۴)

یہ جو اک لذت ہمارے ہی سخی سے حاصل میں ہے

رنج رہ کیوں کھینچے، واما ندگی کو عشق ہے
 اٹھ نہیں سکتا، ہمارا جو قدم منزل میں ہے
 (۵)
 جلوہ زارِ آتش دوزخ ہمارا دل سہمی
 فتنہ شور قیامت کس کے آب و گل میں ہے
 (۶)
 ہے دل شوریدہ غالب طلسم پیچ و تاب
 رحم کر، اپنی تمنا پر، کہ کس مشکل میں ہے
 (۷)

(۱۱) یعنی حسرت تو محض ان کی سادگی پر مرنے کی ہے۔ اور خیر
 سے ہلاک ہونے میں وہ مزا کہاں لیکن ان کے ہاتھ میں خیر
 ہے اب بے بسی ہے۔

(۱۲) تقریر کا کمال ہے کہ دل لگتی بات کی جلائے۔
 (۱۳) ”سچی بے حاصل“ وہ کوشش جس کا کوئی نتیجہ نہ ہو۔ یا
 کامیاب نتیجہ نہ نکلے اور ظاہر ہے کہ مایوسی کی بیکاری سے سچی بیجا مل
 غنیمت ہے۔ اور افسردگی کی بے دلی سے خام خیالی ہی بہتر ہے۔
 (۱۴) ”واما ندگی“ ممکن۔ یعنی واما ندگی، رنج واہ روی کیوں گوارا
 کرے اس کو ہمارے قدم سے عشق ہے۔ اور اس لئے قائم
 اٹھ نہیں سکتا۔

(۱۵) ”جلوہ زار“ مہمور۔ ”آب و گل“ خیر خلقت۔ جبلت۔ دوزخ
 قیامت کی رعایت ظاہر ہے معشوق کے قامت کی تعریف
 قیامت سے اور رفتار کی فتنہ قیامت یا فتنہ حشر وغیرہ سے مشہور
 ہے۔ آتش سے سوڑ عشق مراد ہے اور اسی تذکرہ و اظہارِ حال
 سوڑ پر معشوق نے طنزِ آیانغلی سے کہا ہو گا کہ آپکے دل میں تو

۱۴) "شوریدہ" بے چین۔ "مضطرب"۔ "طلسم" جادو کا بنا ہوا عجیب و غریب مکان جس کی بنا اشکالی بنجہم سے ہوئی ہو۔ اور جس کا اثر یہ ہے کہ کوئی وہاں سے نکل نہ سکتا ہو۔ عاشق کے دل میں جو تمنا ہوتی ہے وہ چونکہ مشرق سے متعلق ہوئی ہے اس لئے گویا اُسی کی تمنا ہے۔ مطلب ہے کہ میرا دل شوریدہ طلسم پیچ و تاب ہے اور تیری تمنا اس پیچ و تاب میں پھنسی ہوئی ہے تو اپنی تمنا پر رحم کر کہ اس کشمکش سے نکل جائے۔

۱	دل سے تیری نگاہ جگر تک اتر گئی	۱	دوونوں کو اک ادوا میں رضا منہ کر گئی
۲	مشت ہو گیا ہے سینہ خوشالذبت فراغ	۲	تکلیف پر وہ داری زخم سم جگر گئی
۳	وہ بادۂ شبانہ کی سرستیاں کہاں	۳	اٹھنے بس اب، کہ لذت خواب سحر گئی
۴	اُڑتی پھرے ہے خاک مری کوئی یا میں	۴	بائے اب اسے ہوا ہوں بال ہر گئی
۵	دیکھو تو دل فریبی اندازِ نفس پنا	۵	سوچ خرام یار بھی کیا گل و کتر گئی
۶	ہر لبِ الوس نے حسن پرستی شعار کی	۶	اب آبرو سے شبیبہ اہل نظر گئی
۷	نظارہ نے بھی کام کیا و اں نقاب کا	۷	مستی سے ہر نگہ سے سوچ پر دیکھ گئی
۸	فرواؤ دی کا تفرقہ یک بار مٹ گیا	۸	کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گذر گئی

ماہر ائمہ نے اس مسئلہ کی حتمی حاکمات

وہ دلوے کہاں ، وہ جوانی کہہ گئی

4

(۱) شعرا کے یہاں نگاہ کو تیر سے تعبیر کرتے ہیں اور اسی تیر کے

آرزو مند دل و جگر دونوں مسلم ہیں۔

(۱۲) یعنی زخم جگر کے چھپائے اور پردہ رکھنے میں سینہ کو بڑی تکلیف ہوتی تھی کیونکہ زخم کے دروستے تنفس میں الجھن اور گھٹن تھی جس سے سینہ پر بار تھا۔ اب سینہ شق ہو گیا اور زخم جگر کی پردہ داری کی تکلیف سے کیسی اچھی فراغت حاصل ہو گئی۔

(۱۳) شراب کی مستی اور سرور میں نیند کی سی لذت بھی ہوتی ہے۔ حمار اور اناہ میں سبک چینی ہوتی ہے اس لئے نیند کا لطفت باقی نہیں رہتا۔ مطلب ہے کہ باوڈ شہانہ کی سرستی اب باقی نہیں رہے۔ اور خواب سحر کی لذت بھی اسی وقت تک تھی جب تک نشہ تھا۔ اب وہ لذت کہاں۔

(۱۴) اس شعر میں "اب" کا لفظ مخصوص ہے۔ یعنی اب مرنے کے بعد مطلب ہے کہ زنا رگی میں ہم ان کے کو چہ تک پہنچ ہی نہ سکیں۔ بال نہ پر کی ہو جس تھی کہ اڑ کر پہنچ جائیں۔ ہوا بھی ہمیں نہ پہنچا سکتی تھی۔ اب خاک ہو گئے پر ہماری خاک ان کے کو چہ میں اڑتی پھرتی ہے۔

(۱۵) گل کترنا اور شکوہ چھوڑنا مراد ہے۔ یعنی فتنہ پیہ اگرنا اور یہاں لفظی طور پر واقعی گل تراشی مراد ہے۔ چونکہ نقش پا کے یا دیگر شکل سے تشبیہ دیتے ہیں موج اور خرام میں بھی حرکت اور زوالی و بدستوبیہ ہیں اور یہاں مشبہ اور مشبہ بہ کو ساتھ ساتھ بیان کر دیا ہے۔ حسن خرام یا خوبئی خرام ظاہر ہے۔

(۱۶) "یو الہوس" اہل خواہش و معرض۔ اہل نظر۔ عاشقان صادق۔

(۷) خیرگی نگاہ کو مستی نظر سے تعبیر کیا ہے اور خیر جب پیدا ہوتی ہے تو نظر اپنا کام نہیں کر سکتی تاکہ وہیں پر پردہ سا معلوم ہوتا ہے اسی پردہ کو استاد نے معشوق کے رخ کا نقاب بیان کیا ہے۔

(۸) "فرؤ" آنے والی کل۔ قیامت کو بھی فردائے قیامت کہتے ہیں "دی" گزشتہ کل مطلب ہے کہ تمہارے جانے سے جو قیامت کل آنے والی تھی وہ کل گزری چکی۔ جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اب ماضی و مستقبل کا کوئی قصہ ہی نہ رہا۔

تسکین کو ہم نہ روئیں جو ذوقِ نظر ملے	۱	حورانِ خلد میں تری صورت گر ملے
اپنی گلی میں بھکونہ کر و فنِ بے قتل	۲	میرے پتے سے غلق کو کیوں تیرا گھر ملے
ساقی گری کی شرم کرو آج، ورنہ ہم	۳	ہر شب پیار ہی کرتے ہیں سٹے جسدِ برے
تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن اے ندیم	۴	میرا سلام کہو، اگر نامہ برے
تم کو بھی ہم دکھائیں کہ مجنوں نے کیا کیا	۵	فرصت کشاکشِ غم نہاں سے گر ملے
لازم نہیں کہ حضور کی ہم پیروی کریں	۶	جانا، کہ اک بزرگ ہیں ہم سفر ملے

اے ساکنانِ کوچہ و دیار ویکھنا

تم کہیں جو غالبؔ آشفتمہ سر ملے

(۱۱) یعنی اگر آنکھوں ہی کو لطفِ دیدار پیش آ جائے تو خیر ہم دل کی تسکین کا مطالبہ بھی نہ کریں۔ لیکن کجا تیری صورتِ ثریا اور کہاں حورانِ خلد کی صورتیں۔
(۱۲) یعنی اگر میرے نواقضِ قتل کے والہ سے تیرے گھر کا پتہ مشہور ہو گیا تو تو بدنام ہو جائے گا۔

(۴) یہ مضمون کچھ آغاز چاہتا ہے۔ یعنی شاعر کو ایک قاصد کی ضرورت
 ہوئی مگر کھڑکایہ کہہیں قاصد معشوق پر عاشق نہ ہو جائے۔
 ایک دوست اس عاشق کا ایک شخص کو لایا۔ اور اس نے عاشق
 سے کہا کہ یہ آدمی وقت راز اور معتد علیہ ہے۔ میں صبا میں ہوں کہ
 ایسی حرکت نہ کرے گا۔ خیر اس کے ہاتھ خط بھیج گیا۔ قصداً راز
 عاشق کا گمان سچ ہوا۔ قاصد مکتوب الیہ کو دیکھ کر والد و شہداء
 ہو گیا۔ کیسا خط۔ کیسا جواب۔ دیوانہ بن۔ کپڑے پھاڑ جنگل کو
 چل دیا۔ اب عاشق اس واقعہ کے وقوع کے بعد مدحیم سے کہتا
 ہے کہ غیبِ داں تو خدا ہے۔ کسی کے باطن کی کسی کو کیا خبر۔ نے
 مدحیم تجھ سے کچھ سکھام نہیں۔ لیکن اگر نامہ بر کہیں مل جائے تو اس کو
 میرا سلام کہیو۔ کہ کیوں صاحب تم کیا کیا دھوئی عاشق نہ ہونے
 کے کر گئے تھے اور انجام کار کیا ہوا۔ راز خود از مکتوب قاضی
 عبد الجلیل صاحب۔ جمیل بریلوی)

(۵) غمِ نہاں کی کشاکش نہ ہو اور غمِ پنهان، جنوں ظاہر سے بدل
 جائے تو ہم دکھائیں کہ مجنوں نے کیا کیا تھا اور ہم کیا کر رہے ہیں۔
 (۶) یعنی حضور کی بزرگی تسلیم۔ لیکن سفر (سلاوک) تو ہم ہی کر رہے
 ہیں اور ان منازل کو ہم خود طے کر لیں گے۔ یہیں ان کی پیروی کی
 کیا ضرورت۔ البتہ خواجہ صاحب موصوف اگر چاہیں تو ہمارے
 ہم سفر ہو سکتے ہیں۔

(۷) یعنی اگر غالب آشفۃ سر کہیں مل جائے تو دیکھنا اس کی حالت
 اس کو چہ سے نکھنے کے بعد کیا ہوئی ہے۔

کوئی دن گر زندگانی اور ہے	۱	اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے
آتش و دوزخ میں یہ گرمی کہاں	۲	سویر غمناکے نہانی اور ہے
بارہا دیکھی ہیں ان کی رنجشیں	۳	پر کچھ اب کی سرگردانی اور ہے
دیکھے خط منہ دیکھتا ہے نامہ	۴	کچھ تو پیٹا م زبانی اور ہے
قاطع اعمار ہیں اکثر نجوم	۵	وہ بلائے آسمانی اور ہے

ہو چکیں غالب بلا میں سب تمام
ایک مرگ ناگسانی اور ہے

4

(۱) یعنی نامہ بر آب کوئی ایسی غیر متوقعہ بات کہنے کو ہے کہ وہ
کہتے ہوئے جھجکتا ہے کہ خدا جانے سننے والے پر کیا لگا رہے۔
(۲) قاطع اعمار عمریں گھٹا دینے والے نجوم مراد ہیں۔ بلائے
آسمانی معشوق کی کہا گیا ہے۔

کوئی افسردہ نہیں آتی	۱	کوئی صورت ٹٹھر نہیں آتی
موت کا ایک دن معین ہے	۲	نہیں کیوں رات بھر نہیں آتی
آگے آتی تھی حال دل پہ ہنسی	۳	اب کسی بات پر نہیں آتی
جاننا ہوں تو اب طاعت و نہا	۴	پر طبیعت اور نہیں آتی
ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہو	۵	ورنہ کیا بات کر نہیں آتی
کیوں نہ چنچوں کہ یاد کرتے ہیں	۶	میسری آواز گر نہیں آتی
دارغ دل گر نظر نہیں آتا	۷	بوجی اسے چارہ گر نہیں آتی
ہم وہاں ہیں جہاں سے ہکو بھی	۸	کچھ ہماری نہیں آتی
مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی	۹	موت آتی ہے پر نہیں آتی
کہے کس منہ سے جاؤ گے غالب	۱۰	بشرم تم کو نگر نہیں آتی

(۱) موت تو ہمارے ٹانگے نہیں آتی۔ گویا وہ ہماری طلب اور
شب ہائے پھر سے وابستہ نہیں بلکہ اس کے لئے کوئی اور وقت
مقرر ہے۔ لیکن خدا جانے نفیہ کیوں نہیں آتی۔ حالانکہ نہیں آنے
کا وقت رات ہی کا ہوتا ہے۔

(۲) یعنی پہلے حال دل پہر ہی سہی ہنسی آتو جاتی تھی۔ مگر اب تو کچھ
ایسی افسردگی ہے کہ کسی بات پر نہیں آتی۔

(۶) یعنی داغ دل اگر نظر نہیں آتا تو کیا سوز عشق سے دل کے
جلنے کی بو بھی نہیں آتی۔

(۷) یعنی ہم اُس مرتبہ فنا میں پہنچ گئے ہیں کہ ہم کو خود خبر نہیں رہی
کہ ہم کہاں تھے اور کہاں ہیں۔

(۹) یہ مرنا بمعنی کثرت و فور محبت استعمال ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ
اس موقع پر یہی مراد ہے اور اس شعر میں۔

محبت میں نہیں ہے فرق مرنے اور جینے کا
اُسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کا فرہ دم نکلے

دم نکلے بھی بمعنی محبت استعمال ہوا ہے۔

۱	آخر اس درد کی دوا کیا ہے	۱	دل ناوان تجھے ہوا کیا ہے
۲	یا الہی یہ ماجرا کیا ہے	۲	ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار
۳	کاش پوچھو کہ مرنا کیا ہے	۳	میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں
۴	پھر یہ ہنگامہ اسے خدا کیا ہے	۴	جبکہ تجھ بن کوئی نہیں موجود
۵	غزہ و عشوہ و ادا کیا ہے	۵	یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں
۶	نگہ چشم سدا کیا ہے	۶	شکین زلف عنبر میں کیوں ہے

سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں	۷	ابر کیا چیز ہے، ہوا کیا ہے
ہم کو اُن سے فاقی ہے اُمید	۸	یو نہیں جانتے وفا کیا ہے
ہاں بھلا کر ترا بھلا ہوگا	۹	اور درویش کی صدا کیا ہے
جان تم پر ہٹا کر تا ہوں	۱۰	میں نہیں جانتا دعا کیا ہے

۱۱
میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب
مفت لا تم آئے تو میرا کیا ہے

(۱) دل نازاں سے دردِ عشق کے متعلق سوال ہے۔ اور چارہ کار اور انجام کار کی پرستش۔
(۲) یعنی یہ حالت جمعِ اصداد کیسی۔ اور یہ آلتی بات کیوں ہے کہ ہم محبت کریں اور وہ نفرت۔
(۳) یعنی کاش تم ایک دفعہ پوچھ لو کہ میرا مدعا کیا ہے پھر دیکھو کیا اور کس قدر کہتا ہوں۔
(۴) اسی مضمون کو استاد مرحوم مختلف طریقوں سے لکھ چکے ہیں چنانچہ یہاں بھی معشوقِ حقیقی کو موجود و وجودِ واحد یقین کرتے ہوئے اُس سے مظاہر گوئی و مجازی کے متعلق سوال کیا ہے کہ تو تو موجودِ واحد موجود ہے۔ پھر یہ اس قدر اذاع مظاہر کیا ہیں یہ خوب صورت اور حسین لوگ جن کا حسن عالمِ آشوب اپنی پرستش اور عشق کے لئے جھکاتا اور کھینچتا ہے اُن کی نگاہوں کے سحر طراز غمزے۔ اُن کے اعجازِ آفریں عشوے۔ اُن کی چشمِ سرمہ سا کمرے۔ اُن کی زلفِ عنبرین کی دل پھنسا لینے والی شکنیں کیا ہیں۔ پھر یہ عالمِ نباتات کی گلکاریاں ابرو ہوا کی موسم

آرائیاں اور بہار آفرینیاں کیسی ہیں۔ اور یہ سب کچھ کیا۔
کہاں سے اور کس طرح ہو رہا ہے۔

(۸) یعنی وہ ابھی نا آشنائے اُلفت ہیں۔ اور ہمیں ان سے وفا کی
توقع ہے۔ یا ہم کو ایسے شخص سے وفا کی توقع ہے جو جانتا
ہی نہیں کہ وفا کیا ہے۔

کہتے تو ہو تم سب کہ بہت غالیہ ہو آئے
(۱) اک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی وہ آئے

ہوں کشمکش نزع میں، ہاں جذب محبت
(۲) کچھ کہہ نہ سکوں پر وہ مرے پوچھنے کو آئے

ہے صاعقہ و شعلہ و سیلاب کا عالم
(۳) آنا ہی سمجھ میں مری آتا نہیں، گوا آئے

ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ بھاگیں گے نکیرین
(۴) ہاں منہ سے نگر بادۂ دوشینہ کی ہو آئے

جلاوے ڈرتے ہیں نہ وعظ سے جھک گئے
(۵) ہم سمجھے ہوئے ہیں اسے جس بھیس میں جو آئے

ہاں اہل طلب کون سے طعنہ نایافت
(۶) دیکھا کہ وہ ملتا نہیں اپنے ہی کو کھو آئے

اپنا نہیں وہ شیوہ کہ آرام سے بیٹھیں
(۷) اس در پہ نہیں یار تو کہے ہی کو ہو آئے

کی ہم نفسوں نے اثر گریہ میں تقصیر
(۸) اچھے رہے آپ اس سے مگر صیگوں کو آئے

اُس انجن ناز کی کیا بات ہے غالب
ہم بھی گئے واں اور تری تقدیر کو رو

۹

(۱) "غالیہ مو" عنبریں زلفوں والا (دو) ضرورت ردیف کے لئے
بجائے (دھ) کے واؤ استعمال کیا ہے۔ یعنی تم سب کہتے تو ہو
کہ وہ آجائے، کاش ایسا بھی ہو کہ تم گھر کے کہو کہ لودہ آگئے۔
(۲) یعنی اگرچہ کشمکش نزع کی وجہ سے کچھ کہ نہ سکوں لیکن اسے
جذب محبت وہ میرے پوچھنے کو اس وقت ضرور آجائے!
(۳) "صاعقہ" بجلی۔ "سیلاب" پارہ۔ یہ سب معشوق کی شوخی اور
آتے ہی چل دینے کے اشارے ہیں۔

(۴) یعنی ہم اشکال و لباس پر نظر نہیں رکھتے ہم تو ہر بھیس میں
اُسی ایک حقیقت کو دیکھتے ہیں۔

(۵) خود بھی صاحب طلب ہیں اور اپنے ہی ہم مشربوں سے
مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ محرومی کا طعنہ کون سُسے۔ وہ نہیں بلا تو
ہم خود اپنے آپ کو کھو بیٹھے (اور راہ سلوک میں اپنے کو کھو دینا
بھی ڈھونڈھ لینے کے برابر ہے)

(۶) ہم نفسوں سے محبوب کے اہل بزم مراد ہیں۔ "لقریر" بسمت
یعنی ان کے تلیوں نے ان سے کہا کہ آپ آئیے روئے دیجئے۔
روئے میں اثر ہی کیا رکھا ہے۔ خود اپنے سے کہہ کہ ان کے دل کی
سی بات بنا دی۔ لیکن مجھے ڈیو دیا۔

(۷) "انجن ناز" معشوق کی بزم مطلب ہے کہ ہم بھی اُس بزم ناز میں
گئے۔ وہاں کا عالم دیکھا۔ کیا کہیں اُسی عجیب و غریب نظارہ ہے

تیری تقدیر کو رو اسے یعنی تم پر افسوس کرتے رہے کہ وہ محروم ہے
اس کی قسمت کہاں کہ اس پنجن میں شریک ہو۔

پھر کچھ اک دل کو بیقراری ہے	۱	سینہ جو یا سنے زخم کاری ہے
پھر جگر کھودنے لگانا خون	۲	آہ فصل لالہ کاری ہے
قبیلہ مقصود نگاہ تیار	۳	پھر وہی پردہ عماری ہے
چشم دلال جنس رسوائی	۴	دل خریدار ذوق خواری ہے
وہی صدر رنگ نالہ فرسائی	۵	وہی صد گوشت اشکباری ہے
دل ہوا سے خرام ناز سے پھر	۶	عشرتستان بیقراری ہے
خلوہ پھر عرض ناز کرتا ہے	۷	زور بازو ارجاں سپاری ہے
پھر اسی سیلے وفا پر مرتے ہیں	۸	پھر وہی زندگی ہمارے ہے
پھر کھلا ہے در عداوت ناز	۹	گرم بازار فوجداری ہے
ہور ماسپہ جہان میں اندھیر	۱۰	زلف کی پھر سرشت داری ہے
پھر دیا پارہ چگرنے سوالی	۱۱	ایک فریاد آہ وزاری ہے
پھر ہوسے ہیں گواہ عشق طلب	۱۲	اشک باری کا حکم جاری ہے
دل و مژگان کا جو مقدمہ تھا	۱۳	آج پھر اس کی رویکاری ہے

یہ خودی بے سبب نہیں غالب
کچھ تو ہے جسکی پڑہ داری ہے

۱۴

۱۲ "فصل لالہ کاری" موسم بہار۔ ناخن سے جگر کھودنے کی رعایت ہے
(۱۳) یعنی نیاز کیش عشق کا قبیلہ مقصود وہ (مشتوق کا) پردہ عماری ہے
پردہ عماری اور خلاف کعبہ کی رعایت ظاہر ہے۔

(۱۴ و ۱۵) یعنی آنکھیں نہ رسوائی کے سونے کی دلالی کرتی ہیں۔ اور دل

ذوق خواری کا خریدار ہے۔ آنکھیں اسی طرح ہزاروں آنسو بہاتی ہیں اور دل ہزاروں طرح نالہ فرساست ہے۔

(۶) ”ہوا“ شوق۔ خرام ناز“ معشوق کا چلنا پھرنا۔ اور خرام ناز کا وصف حشر برپا کرتا ہے۔ محشرستان اسی رعایت سے لائے ہیں۔ اور دل بمیقار کو محشرستان کہتا بمیقار یوں کی ہل چل اور ہنگاموں پر مبنی ہے۔

(۷) ”عرض“ نمود و نمائش۔ یہاں لین دین اور فروخت کرنا مراد ہے ”جاں سپاری“ جان دینا۔

(۸) ناز و انداز سے پھر مقابلہ ہے اور عشاق کا گوشت و خون ہور ہا ہے۔

(۹) پھر گرفتار زلف ہور ہے ہیں۔

(۱۰) پارہ جگر پھر فریاد و در و کرتا ہے۔

(۱۱) عشق کے آثار پھر ظاہر ہور ہے ہیں اور گریہ و اشک کا سلسلہ جاری ہے۔

(۱۲) دل کا صنف مرگاں سے پھر مقابلہ ہے۔ یہ پانچوں شعر عدالتی یا دفتری اصطلاحوں میں ادا کئے گئے ہیں مثلاً قوداری سرشتہ داری۔ سوال۔ رو بکاری وغیرہ۔

جنوں تہمت کش نسکیں نہ ہو گر شادمانی کی
(۱) نکپاش خراش دل ہے لذت زندگانی کی

کشا کش ہا ہے ہستی سے کرے کیا سعی آزادی
(۲) ہوئی زنجیر موج آب کو فرصت روانی کی

۳	پس از مردن بھی دیوانہ زیارت گاہ طفلان ہے شرار سنگ نے تربت پیر می گلفشانی کی
---	--

۱۱) "تمت کش" مہتمم "خراش دل" زخم دل "جنوں" عشق یعنی اگر ہم سے شادمانی ظاہر ہو تو ہمارے جنوں عشق پر تسکین ملے گی کا الزام نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ دنیا بھر کی شادمانیاں عشاق کے زخم دل پر نمک کا کام کرتی ہیں۔ یعنی شادمانیوں میں ان کے لئے کوئی حقیقی لذت نہیں ہوتی۔

۱۲) "کشا کش" ہمارے ہستی "زندگی کی الجھنیں اور وابستگیوں۔" سعی آزادی "آزادی کی کوشش" "فرصت" "فرار" "موج و زنجیر" میں تشبیہ ہے۔ مطلب ہے کہ دریا کو جس قدر روانی میں آزادی ہوتی ہے دریا جس قدر زیادہ رواں ہوتا ہے (اسی قدر زنجیر امواج کی کثرت ہوتی ہے، گویا زنجیرہ امواج رانی و آزادی دریا ہی کا بنایا ہوا ہوتا ہے۔ یہی حال انسان کی کوشش آزادی کا ہے، کہ آزادی کی کوششیں خود زنجیر بن جاتی ہیں۔ اورہ لایق و افکار کا سلسلہ اور بڑھ جاتا ہے!

۱۳) "پس از مردن" مرنے کے بعد "زیارت گاہ" مرنے کی رعایت سے استعمال ہوا ہے۔ "شرار سنگ" آگ جو پتھر سے مضاربت میں نکلتی ہے۔ "شر" اور پھول کی تشبیہ ہے مطلب ہے، کہ لڑکے پیری قبر پر بھی پتھر مارتے ہیں اور اس زیارت گاہ پر شرار سنگ کے پھولوں کا چڑھا دیا ہوتا ہے۔

- نکوہش ہے سزا فریادی بیداد دلبر کی
(۱) مبادا خندہ دندان نما ہو صبح محشر کی
- رگ لیلیٰ کو خاکِ دشتِ مجنوں ریشگی بننے
(۲) اگر بوئے بجائے دانہ دہقان نوکِ نشتر کی
- پیر پروانہ شاید یاد بان کشتی سے تھا
(۳) ہوئی مجلس کی گرمی سے روانی دورِ ساغر کی
- کروں بیداد ذوقِ پریشانی عرض کیا قدرت
(۴) کہ طاقت اڑ گئی اڑنے سے پہلے میرے شہر کی
- کہا تک روؤں اس کے خیمے کے نیچے قیامت ہے
(۵) مری قسمت میں یارب کیا نہ تھی دیوارِ پتھر کی

(۱) "نکوہش" ملامت "فریادی بیداد دلبر" معشوق کے مظالم کی فریاد کرنے والا "خندہ دندان نما" خندہ ملامت، مضحکہ یعنی معشوق کے فریادی کی اجراء ملامت و مضحکہ ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس فریادی کے لئے صبح قیامت بھی، مسخر کرے!

(۲) اس شعر کے متعلق تلخیص یہ ہے کہ مجنوں کی فصد کھولی گئی تھی اور جذبِ الفت نے یہ اعجاز دکھایا تھا کہ رگ لیلیٰ بھی خونِ نشان ہو گئی تھی۔ شعر میں استاد نے اسی جذب کو دوسری طرح ادا کیا ہے۔ کہ وہاں فصد کھلنے سے یہ ہوا اور یہاں اس کا دوسرا پہلو بھی ہے، اپنی مجنوں کے عشق و جذبات سے ساری اُدھی بنجد معمر ہے، اور اس کی ضرورت نہیں کہ خود مجنوں کی رگ میں نشتر لگے تب لیلیٰ کی رگ سے خون جاری ہو، بلکہ خاکِ دشتِ مجنوں

میں، اگر وہ تھاں بچائے دانہ کے نوک نشتر بودے تو رگ لیلی
مخروح ہو جائے۔

(۳) پرفشانی "اڑنے کے لئے پروں کو حرکت دینا، یا پرتوں کو لٹکانا یعنی
اُس کی تاب کہاں کہ ذوق پرفشانی کا ظلم بیان کروں کیونکہ یہاں
اڑنے سے پہلے ہی بازو کی قوت پرواز کر چکی ہے اور ارادہ سے
قبل ہمت نے جواب دیدیا ہے!!

(۴) مجلس کی گرمی سے، مشاغل مجلس کے شروع ہونے کی طرف اشارہ
ہے۔ شمع بھی لوازم مجلس سے ہے۔ پیر پروانہ کو کشتی سے "یاد بان"
کہا ہے۔ پس یہ کشتی رواں ہوئی، اور دور چلتے لگا۔

(۵) یعنی خیمہ کے بجائے اگر پتھر کی دیوار ہوئی، تو سر پھوڑ لیتا۔
روتے روتے مدت ہو گئی۔

بے اعتدالیوں سے سبک سب میں ہم ہوتے
جتنے زیادہ ہو گئے اتنے ہی کم ہوئے (۱)

پہناں تھا دامن سخت قریب آشیان کے
اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے (۲)

ہستی ہماری اپنی قنار پر دلیل سے
یاں تک مٹے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوئے (۳)

سختی کشان عشق کی پوچھے ہے کیا خبر
وہ لوگ رفتہ رفتہ سسر اپا الم ہوئے (۴)

تیری وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہریس
تیرے سوا بھی ہم پر بہت سے شتم ہوئے (۵)

لکھتے رہے جنوں کی حکایات خوں چکاں

(۶)

ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے

اللہ کے تیری تندہی تو جس کے ہم سے

(۷)

اجزائے نالہ دل میں مرے رزق ہم ہوئے

اہل ہوس کی فسخ ہے ترک نبرد عشق

(۸)

جو پانوں اٹھ گئے وہی ان کے علم ہوئے

نالے عدم میں چند ہمارے سپرد تھے

(۹)

جو واں نہ کچھ سکے سودہاں آکے دم ہوئے

چھوڑی آس نہ ہم نے گدائی میں دل لگی

(۱۰)

سائل ہوئے تو عاشق اہل کرم ہوئے

(۱۱) "بے اعتمادی" حد سے تجاوز کرنا۔ "کم ہوئے" سبک ہوئے

ذلیل ہوئے۔

(۱۲) "سخت قریب" بہت قریب، یا "دام سخت" جس کی گرفت مضبوط ہو۔

(۱۳) ایسی ہستی جو فنا پذیر ہو، چھوٹی قسم سے زیادہ وقت و ثبات

نہیں رکھتی، یا ہم نے اپنی جان دے کر اپنے اٹنے کی قسم پوری کر دی۔

(۱۴) "سختی کشاں" مبتلائے مصائب۔ یعنی عشاق اس قدر

سختیوں میں مبتلا رہے ہیں کہ ہمہ تن مصائب ہو گئے ہیں یا

خود ہی تصویرِ الم بن گئے ہیں۔

(۱۵) یعنی علاوہ آلامِ عشق کے غم روزگار اور ستم ہائے آسمانی بھی

ہوتے رہے ہیں!

(۱۶) "ہاتھ قلم ہوتا" ہاتھ کٹنا۔ لیکن یہاں یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ

جنونِ عشق کے واقعات خونیں لکھتے لکھتے آنکلیاں فگار ہو گئیں اور
 فگار آنکلیوں سے قلم اور خون سے روشنائی کا کام لیا !
 (۷) تندہی "خو" تیزی مزاج۔ "بیم" خوف۔ رزق کی رعایت سے نالہ
 کے اجزاء (مکڑھے) کہتے ہیں "بیم" غم و رنج۔ مطلب ہے کہ تیری
 بد مزاجی کے خوف سے، نالے کھینچتا و شوار تھا، نالوں سے غم
 پنہاں کو تسکین ہوتی ہے۔ گو غم پنہاں تحلیل ہو کر نالوں میں
 نکلتا ہے اور کم ہوتا رہتا ہے، مگر تیرے خوف سے جب نالے
 نہ کھنچے تو غم پنہاں کے لئے اجزاء نالہ رزق ہو گئے گویا غم
 پنہاں کی پسورش و زیادتی کے باعث ہوئے !

(۸) "علم" نشاناتِ فسخ مراد ہیں۔ اور پائے فرار کو علم سے تشبیہ دی ہے
 اور سچ یہ ہے کہ اہل ہوس مقابلہ عشق سے گریزاں اور میدانِ عشق سے
 فرار کو اپنے لئے مفید جانتے ہیں۔ اس لئے اُن کی نگاہوں میں
 ایشار و قربانی نقصان معلوم ہوتے ہیں۔

(۹) "عدم" سے یہاں ازل مراد ہے۔ یعنی وہی نالے جو اس عالم میں
 کھینچے جاتے، یہاں اس عالم میں سانس بن گئے ہیں گویا ہماری
 ہستی کی حقیقت اور بناءِ آلام ہیں۔

۱	جو نہ تقدیر داغ دل کی کریمہ شعلہ یا سپانی	تو فسادِ دگر نہاں ہے بہ کمین بے نہاں
۲	بچھے اُس سے کیا توقع، پر زمانہ جوانی	کبھی کودکی میں جس نے نہ سنی مری کہاں
۳	یونہی دکھ کسی تینا نہیں خوب تر کہتا	کہ مرے عدو کو یا رب میری ننگاں

(۱۰) "دارغ" کی درجہ ہم سے تشبیہ دیا کرتے ہیں۔ اس لئے تقدیر داغ
 کہا گیا ہے۔ شعلہ سے مراد سوزِ عشق ہے۔ "فسادِ دگر" مر جھانا یا

بیدل و یایوس ہوتا۔ یہ کہیں "آڑ میں۔ گھات میں مطلب ہے کہ
اگر نقدِ داغ کی حفاظت شعلہٴ عشق نہ کرے تو فسادِ گی جو بے ثباتی کی
آڑ میں چھپی ہوئی ہے اُس کو چھپا لے جائے۔ یعنی اگر شعلہٴ عشق باقی
نہ رہے تو بے دلی اور یایوسی داغِ دل پر چھا جائیں۔

(۲) "کو دو کی" پچپن پچپن میں قصہ کہانی سننے کا شوق ہوا کرتا ہے۔

(۳) یعنی کسی کو تکلیف دینا اچھا نہیں۔ ورنہ رقیب کے لئے میں ضرور
یہ بددعا کرتا کہ میرے مصائب اُس پر منتقل ہو جائیں۔

۱	اک شمع ہے دلیلِ سحر سو خموش ہے	۱	ظلمتِ کدہ میں میرے شبِ غم کا ہوش ہے
۲	دلت ہوئی کہ آشتی چشم و گوش ہے	۲	نے مژدہ وصال نہ نظرِ سارہ جمال
۳	لے شوق یاں اجازتِ تسلیم ہوش ہے	۳	مٹنے کیا ہے حسنِ خود آرا کو بے حجاب
۴	کیا اوج پرستارہ کو ہر فروش ہے	۴	گوہر کو عقدِ گردنِ خواہاں میں دیکھنا
۵	بزمِ خیال، میکہد بے خبر و ش ہے	۵	دیدارِ بادہ، حوصلہ ساقی، نگاہِ مست

قطعہ

۶	زہرا اگر تمہیں ہوس ناؤ نوش ہے	۶	لے تازہ دارِ دانِ بساطِ ہوائے دل
۷	میری سنو، جو گوشِ نصیحتِ نبوش ہے	۷	دیکھو مجھے، جو دیدہٴ عبرتِ نگاہ ہو
۸	مطرب بہ لغمہ رہزنِ تمکینِ ہوش ہے	۸	ساقی بہ جلوہٴ دشمنِ ایمان و آگہی
۹	وامانِ باغباں و کعبِ گل فروش ہے	۹	یا شب کو دیکھتے تھے، کہ ہر گوشہٴ بساط
۱۰	یہ جنتِ نگاہ وہ فردوسِ گوش ہے	۱۰	لطفِ خرامِ ساقی و ذوقِ صداۓ تنگ
۱۱	سنے وہ شر و شور نہ جوشِ خروش ہے	۱۱	یا صبح دم جو دیکھے آکر تو بزم میں
۱۲	اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے	۱۲	داغِ فراقِ صحبتِ شب کو جلی ہوئی
۱۳	غالب صریحاً خامہ نوائے نبوش ہے	۱۳	آتے ہیں غیب سے یہ مضامین خیال میں

(۱) "ظلمتکدہ بیت المحزن۔ عاشق کا گھر مراد ہے یعنی میرے گھر میں ہمیشہ شبِ غم ہی رہتی ہے صبح کی دلیل بجی ہوئی شمع ضرور ہے لیکن میرے گھر کی شمع صبح کی وجہ سے گل نہیں ہوئی بلکہ شبِ غم کی جوشِ ظلمت میں وہ روشن ہی نہ ہو سکی۔

(۲) پہلے دیدار سے آنکھیں کامیاب ہوتی رہتی تھیں اور کانوں کو آنکھوں پر رشک یا آنکھوں سے شکایت محرومی ہوتی تھی لیکن اب مدت ہوئی کہ نہ مژدہ وصل سننے میں آتا ہے نہ نظارہ جمالی یا ریشتر ہے اور آنکھوں اور کانوں میں موافقت ہے یعنی دونوں کا محرومی میں ایک حال ہے۔

(۳) "حسن خود آرا" محبوب سے ستعار ہے "تسلیم" عربی لفظ ہے جس کے معنی اطاعت یا خود کو حوالہ کر دینے کے آتے ہیں یعنی شراب لے لو ان کو بے حجاب کر دیا۔ اے شوقِ آبِ تجھے بھی اجازت ہے کہ ہوش و ادب کو تو بھی نشہ کے حوالہ کر کے شوخی و گستاخ دستی اختیار کر۔

(۴) "عقد کردن" گلے کا مار یا لٹھا مراد ہے۔ "ستارہ اورج پر" ہونا خوش نصیبی کے معنوں میں مخاورہ ہے۔ ستارہ اور موتی کی تشبیہ ظاہر ہے یعنی معشوقوں کے گلے میں موتی دیکھ کر گوہر فروش کے ستارہ کا اورج ظاہر ہوتا ہے۔

(۵) "بزم خیال" یعنی عالم خیال میں محفل کا تصور "بے خروش" بے ہنگامہ۔ بے شور و غل۔ یعنی بزم خیال میں نظارہ شراب مست نگاہ، ساغر طلبی، اور باقی کا توصلہ عالی یا ساغر

دینے میں عالی حوصلگی ہے۔ اور یہ ایسا میکر ہے جس میں
شور و غل بھی نہیں۔

(پتا ۱۲) "تازہ واردان" نئے آنے والے "بساط" فرش بستہ
"ہوا سے دل" ذوق و شوق یا ولولہ ہونے والے "زہار" کلمہ نفی
مؤکر۔ "ناؤ نوش" مئے نوشی اور سماع۔ "دیدہ عبرت نگاہ" وہ
آنکھ جو بربادیوں کے آثار سے عبرت حاصل کرے۔ "گوشن
نصیحت نبوش" وہ کان جو نصیحتوں کو سنتیں۔ "ساقی جلوہ ساقی
جلوہ نہائی کے عالم ہیں۔ ایمان و آگہی وین و عقل "مطرب نغمہ"
مطرب جب نغمہ سرا ہو یا گانے کے عالم ہیں۔ "رہزن" چور۔ یہاں
باطل کر دینے والا مراد ہے۔ مطلب ہے کہ اے وہ لوگو کہ تمہارے
دلوں میں ذوق و شوق اور ولولہ "تازہ تازہ پیدا ہوتے ہیں۔
محفل سازی۔ مئے نوشی اور نغمہ و ساز کی ہوس ہے۔ اگر تمہاری
آنکھیں عبرت نگاہ ہیں تو مجھے دیکھو اور عبرت پکڑو اور اگر تمہارے
کانوں میں نصیحت سننے کی اہلیت ہے تو میری نصیحت سنو کہ
جلوہ ساقی ایمان و عقل کا دشمن ہے۔ اور نغمہ مطرب ضبط و
ہوش کو برباد کر دیتا ہے۔ ہم پر تو یہ گزری کہ رات تو یہ دیکھا کہ
فرش محفل کا ہر کونہ پھولوں سے بھرا ہوا دامن یا غبان یا پھول
بیچنے والے کا پھولوں بھرا لٹھ تھا۔ ساقی کے لطف خرام نے جنت
کی گل تراشیاں اور گل کاریاں پیش نظر کر دی تھیں اور کیفیت
ساز نے کانوں کو بہشتی سرور سے معمور کر دیا تھا۔ صبح کے وقت
جو بہشت کا عالم دیکھا تو مسرت۔ گرمی محفل۔ اور ہنگامہ عیش و طرب

کچھ بھی نہ تھا۔ ایک جلی ہوئی شمع باقی ہے اور پھر وہ بھی خاموش گویا
 صحتِ شب کے فراق کا داغ کھاتے ہوئے ہے۔
 (۱۳) ”ضریر خامہ“ قلم کی آواز ”تو اسے سروش“ پیغام و
 صدا کے غیب۔

۱	نہ ہوتی گھر سے مرنے سے تسلی نہ سہی	۱	امتحان اور بھی باقی ہے تو یہ بھی نہ سہی
۲	خارِ خارِ المِ حسرتِ دیدار تو ہے	۲	شوقِ گلچینِ گلستانِ تسلی نہ سہی
۳	مے پرستانِ خم سے مٹنے سے لگائے ہی بنے	۳	ایک دن گرنے ہوا بزم میں ساقی نہ سہی
۴	نفسِ قیس کہ ہے چشم و چراغِ صحرَا	۴	گر نہیں شمعِ سببِ خانہ لیلیٰ نہ سہی
۵	ایک ہنگامہ یہ موقوف ہے گھر کی رونق	۵	نوحہ غم ہی سہی نغمہ شادی نہ سہی
۶	نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پروا	۶	گر نہیں ہل مرنے اشعار میں معنی نہ سہی

عشرتِ صحبتِ خواب ہی غنیمت سمجھو
 نہ ہوئی غالب اگر عمرِ طبعی نہ سہی

(۲) گل و خارِ دونوں مقابلہ کی چیزیں ہیں، یاد و نول ایک ہی رخت
 کی پیداوار ہیں۔ یعنی المِ حسرتِ دیدار کے کاسے کی پیمیں تو ہے اگرچہ
 شوق کو گلچینی جمالِ میسر نہیں!

(۳) آہ نالہ کو شعراء شرار لکھا کرتے ہیں اور چراغ و شمع میں بھی
 شعلہ ہوتا ہے اور آنکھ، چراغ اور شمع وغیرہ نور میں شریک ہیں
 اور ان میں ہی وجہ شبہ ہے۔ اور عشاق کے عقیدہ میں جہاں
 شمع عشق کی روشنی نہ ہو وہاں آفتاب و شمع بھی بے نور و تاریک
 ہیں۔ اسی اعتبار کو لیلیٰ کے گھر کو ”سببِ خانہ“ سے تعبیر کیا ہے
 مطلب یہ ہے کہ گرچہ سببِ خانہ لیلیٰ کو شمعِ نفسِ قیس میں میسر نہیں!

جو تو اغیار کے گھر جانے کے لئے بناؤ سنگھار کرتا ہے تو ہم سے
وعدہ خلائی کاوانغ آئینہ کے ہمارے اور زیادہ نمایاں ہو جانا
چاہیے۔

(۱۳) یعنی ہوسوں میں اُنچک کر عاقبت برباد نہ کر۔ عجز یا ترک طلب
ہی میں سلامتی اور راحت ہے۔

(۱۴) یعنی وہ وفا پرورد محبوب تو پیش نظر ہو اور عشق صادق نہ
ہو۔ ایسا ہے کہ جو ہم بہار ہو اور مصدوعی نہ لوانگی تو بھلا محبوب
کیا ہاتھ آسکتا ہے۔ اور بہار سے کیا لطف حاصل ہو سکتا ہے۔

لاؤ اٹھا ہوں، کہ گر تو بزم میں جاوے مجھے

(۱۱)

بیراؤ نہ دیکھ کر گر کوئی بتلاو سے مجھے

کیا تعجب ہے کہ اس کو دیکھ کر آجائے رقم

(۱۲)

واں تلک کوئی کسی چیلے سے پتیا دے مجھے

منہ نہ دکھلاوے نہ دکھلا، پر یا تدار عتاب

(۱۳)

کھول کر پردہ ذرا آنکھیں ہی دکھلائے مجھے

یاں تلک میری گرفتاری سے وہ خوش ہے کہ میں

(۱۴)

زلف گر بن جاؤں تو شائد میں الجھا دے مجھے

(۱۵) یعنی مجھ کو منہ دکھلائے میں خفا ہے اور منہ دکھلائے سے

خفا ہوتا ہے تو آنکھیں ہی دکھلاوے کیونکہ غصہ میرا آنکھیں ہی

دیکھائی جاتی ہیں

ہوتا ہے شب و روز تماشا کے آگے

اک بات ہے اعجازِ معجزا میرے آگے

میرا اطفال ہے دنیا میرے آگے

کے کھیل ہے اور رنگ سلیاں میرے نزدیک

۳	جز وہم نہیں سستی اشیا مرے آگے	۳	جز نام نہیں صورت عالم مجھے منظور
۴	گھستا ہے جہیں خاک پہ دریا مرے آگے	۴	ہوتا ہے نہاں گرد میں صحرے ہوتے
۵	تو دیکھ کہ کیا رنگ ہے ترامرے آگے	۵	مت پوچھ کہ کیا حال ہے میرا ترے پیچھے
۶	بیٹھا ہے بُت آئینہ یہاں مرے آگے	۶	سچ کہتے ہو خود ہیں خود آراہوں، کیوں ہوں
۷	رکھ دے کوئی پیمانہ صہبامے آگے	۷	پھر دیکھئے اندازِ گل افشانی گفتار
۸	کیونکر کہوں لو نام نہ ان کا مرے آگے	۸	نفرت کا گماں گزرے ہے میں رشکِ سرگزدا
۹	کہہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے	۹	ایمان مجھے روکے ہے جو کھینچے ہے مجھے کفر
۱۰	مجھوں کو برا کہتی ہے لیلیٰ مرے آگے	۱۰	عاشق ہوں پر معشوق فریبی ہے مرا کام
۱۱	آئی شبِ بھران کی تمنا مرے آگے	۱۱	خوش ہوتے ہیں پر وصل میں یوں مر نہیں جاتے
۱۲	آتا ہے ابھی دیکھئے کیا کیا مرے آگے	۱۲	ہے موجزن اک قلمِ مخوں کا ش بھی ہو
۱۳	رہنے دوا بھی ساغر و مینا مرے آگے	۱۳	گو ہاتھ کو جنبش نہیں کہہ سکوں میں تو دم ہی

بہم پیشہ وہم مشرب و ہمراز ہے میرا
غائب کو پڑا کیوں کہوا چھامے آگے

۱۴

(۱) یعنی دنیا کو بازی گاہ سمجھتا ہوں اور انقلابات و حوادث کو کھیل
(۲) دنیاوی جاہ و چشم و ٹھکوسلے ہیں اور موت و حیات چٹکلے۔
(۳) یعنی عالم کے اشکال و صورت پر بسے نام ہیں۔ اور انشیا کا
وجود وہم۔

(۴) یعنی میرے خاک اُڑانے سے صحرا چھپ جاتا ہے۔ اور میرے
گریہ کے مقابل دریا اظہارِ غجز کرتا ہے۔

(۵) یعنی یہ تو نہ پوچھ کہ تیرے بھر میں مجھ پر کیا گزرتی ہے بلکہ یہ
دیکھ کہ موجودگی اور وصل میں تو کیا تلاقی کرتا ہے۔

(۱۰) یعنی تم جو مجھے خود بین و خود آرا کہتے ہو سچ کہتے ہو۔ کیوں مفروضہ خود بین نہ ہوں کہ ایسا معشوق آئینہ سیما میرے سامنے بیٹھا ہوا ہے۔

(۱۱) یعنی پھر دیکھئے میرے سنہ سے کیسے پھول بھڑکتے ہیں۔ ذرا جام شراب میرے سامنے رکھ دو کہ طبیعت بحال ہو جائے۔ (۱۲) یعنی لوگ اس کا نام لیتے ہیں اور مجھے رشک ہوتا ہے کہ اس کا نام یہ کیوں لے رہے ہیں۔ تاہم منع بھی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ نام سے نفرت تو ہے نہیں۔

(۱۳) یعنی میں دیوانوں کی طرح عشق نہیں۔ (۱۴) یعنی دھل میں خوش تو ہوتے ہیں۔ لیکن مرگِ شادی نہیں ہوتا۔ شب بھر کی تمنا گویا بڑا بول بھٹی۔

(۱۵) یعنی رونے میں ایک دریا خون رواں ہے۔ کاش اسی پر مصائب کا خاتمہ ہو جائے، ابھی نہ معلوم کن کن مصیبتوں سے سابقہ ہوتا ہے۔

کہوں جو حال، تو کہتے ہو مارغا کہئے	۱	تم ہی کہو کہ چہ تم یوں کہو تو کیا کہئے
نہ کہیو طعن سے پھر تم کہ ہم سنگر ہیں	۲	مجھے تو خود ہے کہ جو کچھ کہو بجا کہئے
وہ بیشتر سہی، پردل میں جب اتر جائے	۳	نگاہِ ناز کو پھر کیوں نہ آشنا کہئے
نہیں ذریعہ راحت جراحِت پر کیاں	۴	وہ زخمِ تیغ ہے جس کو کہ و لکشا کہئے
یہ دماغی بنے اس کے نہ ماری بنے	۵	جو تا سہرا کہئے اس کو نہ تا سہرا کہئے
دہن حقیقت جانکا ہی مرض لکھئے	۶	کہیں مصیبتِ ناساز دی دوا کہئے
ہا شکایتِ پنج گراہی نشیں کیجئے		کہیں حکایتِ صبر گرینہ پا کہئے

۸	رہے نہ جان تو قاتل کو جو نہا دیجئے	کئے زبان تو خنجر کو مرجھا کئے
۹	نہیں نگار کو الفت، نہ ہو نگار تو ہے	روانی روشنی وستی ادا کئے
۱۰	نہیں بہار کو فرحت، نہ ہو بہار تو ہے	طراوت پھل چمن و خوبی ہوا کئے

سفینہ جبکہ کنارے پہ آگیا غالب
خدا سے کیا ستم و جور نا خدا کئے

(۱۱) یعنی جب حال کہنا چاہتا ہوں تو آپ فرماتے ہیں کہ مطلب
کہئے۔ مدعا کہئے۔ عبارت مختصر۔ حاصل کلام۔ یعنی
کچھ نہ کہئے اب آپ ہی کہئے کہ جب آپ ہی ہمارا حال نہ سنیں تو
ہم کیا کریں۔

(۱۲) یعنی جو دل میں جگہ کر لے وہ دوست ہے۔ چاہے نشتر نگاہ
ناز ہی کیوں نہ ہو۔

(۱۳) یعنی تیرے زخم سے کچھ نہیں ہوتا۔ انشراح قلب تو تلو
کے زخم سے ہوتا ہے۔

(۱۴) یعنی لڑنے والے سے لڑائی مول نہ لو۔ جواب
نہ دو اور بڑا کہئے والے کی بھی سن لو۔

(۱۵) یعنی نشاۃ حوادث ہوں۔ کبھی مرض کی جانکاہی ہے
کبھی دوا کی ناموافقیت ہے۔ کبھی یار کی شکایت ہے۔ کبھی
رخصت صبر و ضبط کا اظہار ہے۔ غرض کہ یوں گزرتی ہے۔

(۱۶) یعنی اگر جان جائے تو قاتل کو بخش دو۔ اور زبان کہئے تو خنجر
کو مرجھا کہو۔ بہر صورت ظلم کی لذت اٹھاؤ۔

(۱۷) یعنی معشوق کو محبت نہیں، نہ سہی، یہ کیا کم ہے کہ وہ معشوق

ہے اُس کی سنگدلی سے اُس کے خرام ناز اُس کے حُسن گفتار و رفتار
اور اُس کے متواسے پن پر کب حرف آسکتا ہے۔

(۱۰) یعنی بہار کو اگر قیام و ثبات نہیں، نہ سہی، بہار تو ہے۔ چمن کی
شاواہلی اور ہموالی لطافت کیا کم ہے۔

(۱۱) یعنی گذری ہوئی مصیبت کا دہرانا بھی مصیبت کا تازہ
کر لیتا ہے۔

رہنے سے اور عشق میں بے پاک ہو گئے
دھوئے گئے ہم اتنے، کہ بس پاک ہو گئے

صرف بہائے سے ہوئے آلاتِ مے کشی

تھے یہی دو حساب، سوئیوں پاک ہو گئے

ہموائے و ہرگو ہوئے آوارگی سے تم
بارے، طبیعتوں کے تو چالاک ہو گئے

کشتاے کون نالہ بلبل کو بے اثر
پردہ میں گل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے

پوچھے مے کیا، وجود و عدم اہل شوق کا
آپ اپنی آگ کے خس و خاشاک ہو گئے

کرنے گئے تھے اُس سے تغافل کا ہم کلند
کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے

اس رنگ سے گل اُس نے اٹھائی است کی نیش
و شمس بھی جو کہ دیکھ کے غمناک ہو گئے

(۱۲) یعنی گردِ شمس سے است کا رنگ بھی اُس کی نیش سے غمناک ہو گیا۔

(۳) ”بہا“ قیمت آلات میکشی“ میٹوشی کے ظروف یعنی ساغرو مینا
 بیچ کر شراب پی لی۔ اب چون کہ شراب کی قیمت ادا کرنے کو کچھ
 نہیں رہا۔ گویا شراب کا جھگڑا مٹا۔ شراب گئی۔ ساغرو مینا
 باک گئے۔ قصہ پاک ہوا۔

(۴) یعنی یہ جگر ہی پھولوں کے لباس و صورت میں تھے جو نالہ
 بلبل سے چاک ہوئے یا پھولوں کا کھلنا بھی چاک جگر کے
 مماثل ہے۔

(۵) یعنی اہل شوق کے عدم وجود کے متعلق سوال ہی کیا۔ یہ
 سمجھو کہ اپنی ہی آگ میں آپ جل گئے یا خود ہی آگ تھے اور خود
 ہی جلنے والے۔ یا جن کے وجود میں عدم تھا اور جن کا عدم ہی
 وجود تھا۔

(۶) یعنی ہم تو ان سے تغافل اور کم نگہی کا شکوہ اور التفات و
 یگانگت کا مطالبہ کرنے گئے تھے۔ انہوں نے جو نظر ڈالی۔
 بجلی گری۔ خاک ہو گئے۔ کچھ تھا ہی نہیں۔
 (۷) یعنی کچھ ٹھوکریں لگائیں۔ الزام کر دیا۔ غرض کہ خوب گت
 بنائی۔

نشدہ شاداب رنگ و ساز و مست طرب
 شیشہ سے سرو سبز چہنبارہ نغمہ ہے
 ہم نشیں مدت کہہ کہ برہم کر نہ یزیم عیش دوست
 وای تو میرے نالہ کو بھی اعتراف نغمہ ہے
 (۱) نغمہ آواز کے مدد پر اور دریا روانی میں شاید ہے۔ ہی ہمارے

سے نغمہ کو جو ثبارِ نغمہ کہا ہے۔ پھر اس رعایت و ملازمہ سے شیشہ
 مئے کو سرو سے تشبیہ دی ہے۔ اور سرو کی تو صیغہ سبز ہے۔ اب
 شیشہ مئے سرو سبز جو ثبارِ نغمہ ہو گیا۔ اور جب شیشہ سرو سبز
 ہے تو یہ سر سبزی دلیل ہے کہ نشہ کما رنگ شاداب و تازہ ہے
 اور یا جیسا شادابی اور سر سبزی سے مست نصرت ہو کر
 نغمہ سنج ہو گئے ہیں۔

(۱۲) یعنی "نغمہ بن جانا ہے گردانِ نالہ میرا جائے ہے۔"

عرضِ نازِ شوخی و داناں، براۓ خندہ ہے

(۱)

دھوئے جمیعتِ احباب جاسے خندہ ہے

ہے عدم میں غنچہ جو عبرتِ انجمِ گل

(۲)

یک جہاں زانو تال در قہمانے خندہ ہے

کلفتِ افسردگی کو عیشِ بے تابی حرام

(۳)

ورنہ داناں و زولِ افشردن بجائے خندہ ہے

سوزشِ باطن کے ہیں احباب منکر و دنیاں

(۴)

دل محیطِ گریہ و لبِ آتشناکے خندہ ہے

(۱) "عرض" اظہار۔ "تازہ" خوبی۔ "داناں" اور جمیعتِ احباب میں

رعایت ملحوظ ہے۔ یعنی دانتوں کی خوبی کا اظہار ہنسی پر موقوف

ہے۔ یا ہنسی میں دانتوں کی خوبی ظاہر ہوتی ہے اور احباب

ہنسنے پر لڑنے کے لئے جمع ہوا کرتے ہیں گویا یہاں جمیعت کا

مقصود ہنستا ہوتا ہے اور وہاں ہنسی میں خوبی ظاہر ہوتی ہے

دونوں کی حقیقت ہنسی پر ہے۔ یعنی معنی کا استہزا اور ہج

یہ ہے کہ اس جہیت عالم پر تفریق ہنستی ہے۔

(۲) غنچہ جب کھل گیا۔ پھول ہو گیا۔ گویا غنچہ کا وجود نہ رہا۔ عدم میں ملا گیا اب اس جہان میں غنچہ پھول کے اس انجام پر کہ اب یہ کیفیت بھی نہ رہے گی اور نہ جھا کر خاک میں مل جائے گا۔ محو غیرت ہے۔ دوسرے مصرعہ میں زانو سے محویت کا اور مثال سے غیرت انجام کا اشارہ ہے۔ مطلب ہے کہ ہر مقدمہ ایش اور ہر متنہ مسرت ایک زانو سے فکر انجام اور ایک جہاں محویت غیرت رکھتا ہے۔ گویا بے قرار مصیبتوں کے بعد ایک معمولی اور فانی مسرت پیسر آتی ہے یا عالم عدم سے ایک ایسا وجود پیدا ہوتا ہے جو معدوم ہونے والا ہے اور یہ مثال ہے۔ ارکان بین العین کی۔

(۳) کلفت افسردگی "افسردگی کی تکلیف" عیش بیتابی۔ بیتابی کی راحت۔ یہ ظاہر ہے کہ افسردگی اور بے دلی کی کلفت سے بیتابی واضطراب کا ہنگامہ بہتر ہے۔ افسردگی کی پٹانا امیدی پر ہوتی ہے اور بیتابی کا جوش امی پر۔ عیش کی طلب خواہ بیتاب کر دینے والی ہی کیوں نہ ہو عیش ہے۔ اور نا امید ہی کی محرومی خواہ صورت سکون ہی کیوں نہ ہو کلفت ہے۔ ورنہ دل افسردن سے بیتابی مراد ہے۔ اور عقلی طور پر یہ کہ جب دل میں گٹھیں گے تو زخم ہو جائیں گے اور شکاف زخم کی تشبیہ ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ بیتابی جس کو زندان درد دل افسردن اور کلفت سے مراد ہے۔ اس سے عیش ہے۔ اور عیش بیتابی

کلفتِ افسردگی کو حرام ہے۔ یعنی کلفتِ افسردگی کو بیابانی اور غم بھی میسر نہیں ہوتے بلکہ یکسر الحام جاوید ہوتی ہے۔
(۴) ”سوزِش باطن“ سوزِ پنہاں۔ اس شعر میں لطیف یہ ہے کہ دل میں سوزِ پنہاں اور دل محیطِ گریہ میں ڈوبا ہوا دردِ خدیں جمع کر دی ہیں۔ مطلب ہے کہ سوزِ غم نے ہمارے دل کو بھر کر یہ نہیں ڈلو بکھا ہے گو ہماری صورتِ بشاشت ہے۔

۱	حسن بے پروا، خردار، متاعِ جلوہ ہے	آئینہ زانو کے فکرِ اشتراعِ جلوہ ہے
۲	تا کجا ہے آگہی رنگِ تماشا با خفق	چشم و اگر دیدہ آغوشِ دواعِ جلوہ ہے

(۱) ”حسن بے پروا“ معشوقِ بے پروا ”متاع“ جنس۔ خریدار کی رعایت ہے۔ جلوہ سے نمود و تجوئی ممانی مراد ہے۔ اور خودِ تنہائی بغیر خودِ آرائی کے ناممکن ہے۔ لہذا آئینہ میں بناؤ سنگھار ہو رہا ہے۔ زانو کو شعراء آئینہ لکھا کرتے ہیں۔ آرایش کی طلب اور آئینہ کی ضرورت کی مناسبت زانو کے ساتھ فکر کا اضافہ کیا ہے۔ گویا آئینہ کی احتیاج زانو کے فکر ہے مطلب ہے کہ وہ حسن بے پروا خودِ آرائی پر مائل ہوا ہے۔ اور آئینہ زانو نے نہ کر بن گیا ہے اور طرح طرح کے آرایش و نمود کے طریقے سوچتا اور ایجاد کرتا ہے۔

(۲) ”تا کجا“ کب تک۔ ”آگہی“ عقل۔ ”رنگِ تماشا با خفق“ بدل جانے والے رنگوں اور انقلاب پذیر صورتوں کا نظارہ تماشا مراد ہے۔ ”چشم و اگر دیدہ“ کھلی ہوئی آنکھ۔ ”آغوشِ دواعِ“ کی تشبیہ ہے مطلب ہے کہ اسے عقلِ نظارہ عالم میں کب تک مہلت دے

ہے گی۔ بس یہ سمجھ لینا چاہئے کہ عالم کو قیام و ثبات نہیں
اس پر آنکھیں کھولنا۔ بدل جانے والے منظروں کے لئے آغوش
و دل کے مثل ہے کہ دیکھتے ہی دیکھتے منظر بدل جاتا ہے۔

۱	جب تک وہاں زخم نہ پیدا کرے کوئی	۱	مشکل کہ تجھ سے راہ سخن ڈاکرے کوئی
۲	عالم بھاری وحشت بھریوں ہے سرسبز	۲	کب تک خیالی طرہ لیلہ کرے کوئی
۳	افسردگی نہیں طرب انشاء التفات	۳	ہاں درد بکے دل میں گر جا کرے کوئی
۴	روئے سے اسے نیم، ملاست نہ کر مجھے	۴	آخر کبھی تو عقدہ دل وا کرے کوئی
۵	چاک بگرے جب رہ پیش نہ وا ہوئی	۵	کیا فائدہ کہ حبیب کو رسوا کرے کوئی
۶	نحت بگریں سے ہے رگ ہر خار شاخ گل	۶	تا چند باغبانی صحر کرے کوئی
۷	تا کاغذی نگاہ ہے برق نظارہ سوز	۷	تو وہ نہیں کہ بھگوتنا شا کرے کوئی
۸	ہر سنگ وحشت ہے صدف گوہر شکست	۸	نقصان نہیں جنوں سے جو سودا کرے کوئی
۹	سر بر ہوئی نہ وعدہ صبر آنا سے عمر	۹	فرصت کہاں کی تیری تنہا کرے کوئی
۱۰	ہے وحشت طبیعت اسجاد یاں خیز	۱۰	یہ درد وہ نہیں کہ نہ پیدا کرے کوئی
۱۱	بیکار ٹی جنوں کو ہے سر پیچے کا شغل	۱۱	جب ہاتھ ٹوٹ جائیں تو پھر کیا کرے کوئی

حسن فرورغ شمع سخن دہر ہے اسد
پیلے دل گداختہ پیدا کرے کوئی

۱۲

(۱) یعنی جب تک تیغ عشق سے زخمی نہ ہو۔ یا جب تک غم عشق دل
کو زخمی نہ کر دے اس سے بات کرنی ناممکن ہے۔ گویا تجھ سے
بہم کلامی کے لئے یہ وہن نہیں بلکہ وہن زخم کی ضرورت ہے۔
(۲) مقصود کلام "طرہ لیلہ" کا استعارہ ہے، اسی کی رعایت تلخی
سے جنوں "استعمال کیا ہے رافقا "لیلہ" کا مفہوم محض معشوق حقیقی

ہے ”طرہ“ نہایت و آرایش کی چیز ہے، اور اضافات حسن نہیں ہے۔ بعض لوگ دنیا کو ”پرتو جمال الہی“ سمجھتے ہیں، گو یا ”لیلیٰ“ ذات اور ”طرہ لیلیٰ“ پرتو ذات۔ کائنات کی بے شبہاتی، اور اس کے تغیرات بدیہی امور ہیں۔ ”وحشت بھی گریز و فراری کی کیفیت ہے۔ اس کے موجد و ذات بے شبہات کو بالفاظ دیگر ”غبار وحشت“ کہنا چاہیے۔ طلب شاعر یہ ہے کہ اس عالم کے اشکال فانی اور آثاریے بود کو ”غبار وحشت“ سمجھیں، تو کہہ سکتے ہیں۔ لیکن اس کو تجلیات ذات باقی ”طرہ لیلیٰ“ کیونکر قیاس کر لیں؟

(۳) ”طرب انشاء التفات“ التفات سے مسرت حاصل کرنا۔ یعنی افسردگی اور غم سے ملبی سے مسرت التفات حاصل نہیں ہوتی ہاں درد کی کنجائش ضرور ہوتی ہے اور میرے دل افسردہ میں کوئی درد ہی بن کر جگہ کر سکتا ہے۔

(۴) یعنی جگر شوق ہوئے پر تو کسی نے پوچھا نہیں۔ محض جیت گیا پھاڑنے سے کیا فائدہ۔ معرفت کی رسوائی ہے۔

(۵) یعنی جگر کے ٹکڑے آنسوؤں میں نکل کر نوک خار میں چھب گئے ہیں اور ہر کانٹا شلخ اور لخت جگر پھول معلوم ہوتے ہیں۔ دیکھئے کہ کب تک یہ باغبانی صحرا ہوتی رہے گی۔

(۶) یعنی شدت نور کے بالمقابل آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔ کیا جال برق نظارہ سوز ہے۔ آفتاب سے کمال اشراق میں نگہ نہیں ملائی جاسکتی۔ اس لئے کمال ظہور کو کمال خفا کہا جاتا ہے۔ پس اس ذات انوار و تجلیات کو کون دیکھ سکتا ہے۔ یعنی خود آب و تاب جلوہ

- نگاہ کو دیر سے محروم کر دیتی ہے پھر سمجھ کو کون دیکھ سکتا ہے۔
- (۸) مقصود کو گوہر مقصود، عام طور پر کہا جاتا ہے، یہاں مقصود مخدوف کر کے محض گوہر استعمال کر دیا ہے اور شعر میں محض لفظی رعایت بھانٹے استدلال کے ہے۔ لڑکے دیوانوں کے پتھر مار رہے ہیں جس سے حاصل مقصود، شکست ہوتی ہے۔ یعنی یہ گوہر شکست صرف سنگ و خشت سے نکلتا ہے۔ تو گویا جنون سے معاملہ کرنے میں کوئی نقصان نہیں کہ ایٹم پتھر کے بدلے یہ موتی ہاتھ آتا ہے۔
- (۹) یعنی وعدہ صبر آزمائی مدت فرصت عمر سے طویل تھی۔ گویا زمانہ صبر طویل تھا اور عمر کم۔ پس اتنی فرصت کہاں کہ تیری کوئی تمنا کرے کیونکہ عمر تو آزمائش صبر ہی سے چلے ختم ہو جاتی ہے۔
- (۱۰) یعنی اس عالم ایجاد کی طبیعت میں یا ممکنات کے خاصہ میں وحشت و بیگانگی ہے اور اس سے توقع رکھنی عجبت ہے۔ اور یہ وحشت و بیگانگی ایسا درد نہیں ہے جو کوئی پیپا نہ کرے۔
- (۱۱) مفہوم یہ ہے کہ ایک ہٹلائے الم، مشاغل الم پورے رہے۔
- بھی بچھڑ رہو، تو پھر کیا کرے!
- (۱۲) یعنی کلام میں اثر نہیں ہوتا۔ جب تک کہ دل میں درد نہ ہو۔

۱	ابن مریم ہوا کرے کوئی	میرے دکھ کی دوا کرے کوئی
۲	شرع و آئین پر مار سہی	ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی
۳	چال جیسے کڑی کمان کا تیر	دل میں ایسے کے جا کرے کوئی
۴	بات پرواں زبان کھتی ہے	وہ کہیں اور سنا کرے کوئی
۵	پک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ	کچھ نہ سمجھ سنا کرے کوئی

نہ کہو گر بُرا کرے کوئی ۶ بخش دو گر خطا کرے کوئی ۷ کس کی حاجت روا کرے کوئی ۸ اب کسے منسا کرے کوئی ۹	نہ سُنو گر بُرا کہے کوئی ۶ روک دو گر غلط چلے کوئی ۷ کون سے جو نہیں ہے حاجتمند ۸ کیا کیا خضر نے سکنا رکھے ۹
جب توقع ہی اٹھ گئی غالب کیوں کسی کا نگہ کرے کوئی	۱۰
<p>(۱) یعنی ہمیں کیا کوئی اعجاز عیسوی رکھتا ہے تو رکھا کرے ہمارے درو کی لگر کوئی دوا کرے تو ہم اُس مسیحا سمجھیں۔ (۲) یعنی شرع اور قانون پر فیصلہ نہ ہو جائے لیکن جو قتل کرنے ہیں وہ آلات ہلکے ہی استعمال نہ کرتا ہو جو قانونی گرفت میں آسکیں تو ایسے قاتل کا کوئی کیا کر سکتا ہے۔ (۳) کڑی کمان کے تیرے سے تیر رفتار می کی تشبیہ دیتے ہیں۔ یعنی بے جھجک۔ بے مجاہد۔ زود خرام۔ جو گزر گاہ کے فریادوں کی فریاد بھی نہ سنتا ہو۔ اور جو سردار کے ہسلوں پر نظر بھی نہ ڈالتا ہو بلکہ مغرورانہ گزر جاتا ہو۔ ایسے کے دل میں کوئی کیا جگہ پیدا کر سکتا ہے یا ایسے کے دل میں جگہ پیدا ہو تو بات ہے۔ (۴) یعنی خود آبِ حیات پی لیا۔ اور سکنا رکھو محروم رکھا۔ جب خضر جیسے شخص نے یہ کیا تو کسی دوسرے رہنما سے کیا توقع ہو سکتی ہے۔ (۵) یعنی جب امید ہی نہیں تو شکایت کیسی۔</p>	
غلام ساقی کوڑھوں مجھ کو غم کیا ہے ۱ رقیب پر ہے اگر لطف تو ستم کیا ہے ۲	بہت سہی غم گیتی، شراب کم کیا ہے ۱ تمہاری طرزِ روش جانتے ہیں ہم کیا ہے ۲

سخن میں خامہ غالب کی آتشیں نشان
یقین ہے سکو بھی لیکن اب اس میں م کیا ہے

(۱) یعنی کتنا ہی غم روزگار کیوں نہ ہو ساقی کوثر کا غلام ہوں۔ شراب
جنت میں سرورِ خلد کی کیفیت ہوتی ہے) کا ایک کھونٹا سارا
افکار زمانہ کو بھلا دے گا۔

(۲) یعنی تمہاری عادت ہم خوب جانتے ہیں۔ کہ ہمیشہ جھوٹے
مذہبانِ عشق کی قدر کرتے ہو۔ یا ہمارے دکھانے اور ستانے کو اور
پر مہربانیاں کرتے رہتے ہو۔ پس رقیب پر اگر مہربانی ہے تو یہ
کوئی نئی بات نہیں۔

(۳) یعنی غالب کے کلام سے سوزِ عشق تو مترشح ہوا کرتا ہے مگر
اب وہ زمانہ سوز ہی کہاں۔

۱	باغ پاکر خفقانی یہ ڈراتا ہے مجھے	۱	سایہ شاخ گل، افعی نظر آتا ہے مجھے
۲	جو ہر تھن یہ سرچشمہ دیگر معلوم	۲	ہوں میں سبزہ کہ زہراب اگاتا ہے مجھے
۳	دعا محو تماشا شے شکستِ دل ہے	۳	آئینہ خانہ میں کوئی شے باتا ہے مجھے
۴	نالہ سراپہ یک عالم و عالم کفِ خاک	۴	آسماں بیضہ قمری نظر آتا ہے مجھے
۵	ننگی میں تو وہ محفل سے اٹھا دیتے تھے	۵	دیکھو اب مرگے پر کون اٹھاتا ہے مجھے

(۱) "سایہ شاخ" اور "افعی" میں تشبیہ ہے۔ مطلب ہے کہ باغ بھی
مجھے خفقانی سمجھ کر ڈراتا ہے اور سایہ شاخ گل افعی معلوم ہوتا ہے
"یہ" کا اشارہ بہت بے ساختہ ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ
"یہ سانپ" نکلا۔

(۲) "زہراب" آبِ حیات کا صن۔ جو ہر کو سبزہ سے تشبیہ دیتے ہیں۔

اور تلوار کو نہ ہر میں بچھایا کرتے ہیں۔ گویا نہ ہر آب تیغ پر سبزہ چہر
 اگتا ہے۔ مطلب ہے کہ جس طرح سبزہ چہر سواٹے نہ ہر آب
 تیغ کے کسی ہر چشمہ پر نہیں آگ سکتا۔ میری ہستی ممکنہ بھی
 ایسی ہے جس کی نشوونما سر زمین عارم و ملاکت پر ہوتی ہے۔
 (۴) دل کو آئینہ لکھتے ہیں۔ اس لئے ٹوٹے ہوئے دل کے ٹکڑوں
 سے آئینہ خانہ مراد ہے۔ اور دل ٹوٹنا ناکامی کے اعتبار پر ہے
 مطلب ہے کہ مقصد تو پورا نہیں ہوا دل ٹوٹ گیا اور اب وہی
 مدعاٹے محروم اس آئینہ خانہ کی سیر کر رہا ہے۔

(۵) آپرندہ کو مشیت پر کہتے ہیں۔ لیکن قمری کارنگ چوں کہ خاکی
 ہوتا ہے اس لئے اس کو کف خاک یا کف خاکستر لکھا کرتے ہیں
 مصرعہ اولیٰ میں جو کف خاک ہے اس سے عالم کے ہیج ہونے
 کا اشارہ ہے۔ اور اسی کف خاک کی رعایت سے قمری استعمال
 ہوا ہے۔ اور آسمان کو تنقیر بیضہ قمری کہا گیا ہے۔ مطلب ہے
 کہ اس دنیا بے پُر فساد کا حاصل غم ہے۔ دنیا ہیج و بے ثبات
 ہے اور یہ گنبد نیلی مسیری نگاہ میں بیضہ قمری سے نہ پاؤ
 وقوت نہیں رکھتا۔ جس سے فسادات غم پیدا ہوتے رہتے ہیں
 (۶) یعنی زندگی میں تو وہ محفل سے اٹھا دیا کرتے تھے۔ اب زبان
 سے تو کام چلنا نہیں دیکھتے نقش کون اٹھاتا ہے۔ کاش اب
 وہ ہاتھوں سے کام لیں۔

۱	موندی ہوئی ہے کو کیہ شہر یار کی
۲	جب اس کے دیکھنے کے لئے آئیں باؤں کی
۱	اتراٹے کیوں نہ خاک سیریاہ گذار کی
۲	لوگوں میں کیوں نمود نہ ہوا لہ زار کی

۳	بھوکے نہیں ہیں سیر گلستان کے ہم دلے کیونکر نہ کھائے کہ ہوا ہے بہار کی
---	--

(۱) کو کیہ گھوڑا۔

ہزاروں نواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پر دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان، لیکن پھر بھی کم نکلے

(۱)

ڈریے کیوں میرا قاتل کیا ہے گا اُس کی گردن پر

وہ خوں جو چشم تر سے عمر بھر یوں دمیدم نکلے

(۲)

نکلنا خلد سے آدم کا سُنتے آئے تھے لیکن

(۳)

بہت بے آبرو ہو کر ترسے کو چہ سے ہم نکلے

بھرم کھل جائے ظالم تیری قامت کی درازی کا

اگر اس طرہ پہنچ جسم کا ہیچ و خم نکلے

(۴)

مگر لکھو اٹے کوئی اُس کو خط، تو ہم سے لکھو اٹے

(۵)

ہوئی صبح، اور گھر سے کان پر رکھ کر قلم نکلے

ہوئی اس دور میں منسوب چھڑے سے بادہ آشاہی

پھر آیا وہ زمانہ جو جہاں میں حجام جم نکلے

(۶)

ہوئی جن سے توقع خستگی کے وادیاں کی

(۷)

وہ ہم سے بھی زیادہ خستہ تیغ ستم نکلے

محبت میں نہیں ہے فرق جیتنے اور مرنے کا

اُسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کا فریہ دم نکلے

(۸)

کساں میخانے کا دروازہ غائب اور کہاں واعظ

(۹)

ہر اتنا جانتے ہیں کل، وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

(۱) یعنی اب بھی ایسی ہزاروں خواہشیں ہیں جن پر جان جاتی ہے اور گویا بہت سی آرزوئیں پوری ہوئیں لیکن موجودہ خواہشوں کے مقابلہ میں کم پوری ہوئیں۔

(۲) یعنی قاتل کے ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ میرا خون اُسکی گردن پر کیا رہے گا یہ تو یوں بھی آنکھوں سے بہتا رہتا ہے۔ رونے میں نہ بہا قاتل نے بہا دیا۔

(۳) یعنی آدم کا غدر سے نکلنا سنا ہی کرتے تھے۔ یا اس کو ایک ماٹہ بعید ہو چکا ہے لیکن ہم پر یہ تازہ واردات ہے۔

(۴) یعنی آپ کو اپنی سروقامتی پر بہت ناز ہے۔ اگر زلف گرہ گیر کے بل نکل جائیں تب معلوم ہو کہ قامت وراثہ ہے یا زلف۔

(۵) یعنی اکثر لوگ اس کو نامہ ہائے شوق لکھواتے رہتے ہیں یہ معلوم کرنے کے لئے کہ کون کیا لکھواتا ہے ہم صحیح ہی قلم لے کر پھر کرتے ہیں تاکہ لوگ ہمیں سے ان کو خط لکھائیں۔

(۶) یعنی اس زمانہ میں مینوشی میں ہم مشہور ہو گئے ہیں اور اب پھر وہ زمانہ آیا ہے کہ حجام جیشیا کے دور ہوں۔

(۷) یعنی ہمیں جن سے اپنے حال پر ملال یا اپنے ستمہائے عشق کے واد کی اُمید تھی وہ غم زمانہ یا پورا فلاح سے ہم سے بھی زیادہ ستائے ہوئے نکلے۔

(۸) اہم سمجھتے ہیں اور مرتے ہیں دونوں محاورے ہیں جن سے اہل زبان واقف ہیں۔ شعر حسن بیان کے اعتبار سے عریح المثل ہے۔

(۹) یعنی یہ تو میں کہہ نہیں سکتا کہ زہار میخانہ میں تھا یا میخانہ کی

لئے جاری رہا تھا لیکن اتنا ضرور ہے کہ جب ہم میخانہ سے نکل رہے
تھے تو ذات شریف دروازہ پر ملے تھے۔

کوہ کے ہوں بار خاطر گہ صدا ہو جائیے
بے تکلف اسے شرابِ جستہ کیا ہو جائیے

(۱)

بیہوش آسانکب بال و پر ہے یہ کچھ قفس
از سر نو زندگی ہو گریہ ہو جاوے

(۱) کوہ اور شرابِ جستہ میں یہ رعایت ہے کہ کوہ پتھر ہے اور شراب
پتھر سے نکلتا ہے گو یا شراب پتھر کی سختیوں یا ٹکرائے کی مصیبت
سے نکلنے کے لئے پتھر سے جدا ہوتا ہے۔ مطلب ہے کہ اسے
شرابِ جستہ تو تو پتھر کے دل میں جگہ پائے ہوئے تھا اور اسی
چوٹ اور سختی سے کیسا صاف نکل گیا ہم تو اگر تجھ سے بھی زیادہ
تیز رفتاری اور غیر نمایاں صورت حاصل کر لیں جب بھی اتنی آسانی
کے ساتھ ان سختیوں اور صعوبتوں سے چھٹکارا نہیں پاسکتے
بلکہ جیسے ہمارے سے آواز کار جو عمل ہوتا ہے اور آواز واپس
آتی ہے ہم اگر مصائب سے نکلیں تو پھر انہیں کی طرف رجوع
ہونا پڑیگا۔ گویا کہ ہمارا بار غم ہمارے ہی نہیں اٹھا سکتا۔

(۲) ”کچھ قفس“ استعارہ ہے قفسِ عنصری یا جسمِ انسانی سے۔
بال و پر سے روح کی پرواز مبادیہ حیات کی طرف مراد ہے۔ مطلب ہے
کہ یہ قفسِ عنصری روح کے بال و پر کے لئے تنگ ہے اگر اس
سے رہائی مل جائے تو روح قصائے عالم ارواح کی طرف
پرواز کر جائے اور اپنے مبدیہ حیات میں پہنچ جائے۔ اس قفس

جسم سے نکلے تو از سر نو زندگی ہو جائے جیسے کہ پرند کی زندگی
انڈیے سے نکلنے کے ساتھ شروع ہوتی ہے۔

مستی بہ فوق غفلت ساقی ہلاک ہے ۱ | مروج شراب ایک مژدہ خوابناک ہے
جز زخم تیغ ناز نہیں دل میں آرزو ۲ | جیہ خیال بھی تیسے ہاتھوں سے چاک ہے

۳ | جوش جنوں سے کچھ نظر آتا نہیں اسے۔
ہمراہی آنکھ میں ایک مشت خاک ہے

۱۱ | مجرب کی چشم مخمور کو خوابناک بھی کہتے ہیں۔ یہاں غفلت کی
لفظی رعایت بھی ملحوظ ہے۔ غالباً ساقی ساقی گری کرتے
کرتے شہرت نشاط میں سونے لگا اور اس نیند نے ایسا خماری
پیدا کیا کہ مستی شراب سے بھی زیادہ دل فریبی پیدا ہو گئی گویا خود
مستی اس اداسے خواب پر شمار ہونے لگی اور مروج شراب
مژدہ خواب آلود بن گئی۔

۱۲ | یعنی سولے تیغ ناز سے زخمی ہونے کے دل میں کوئی آرزو
ہی نہیں ہے۔ اور گریبان خیال بھی زخم کی طرح چاک ہو گیا ہے۔
۱۳ | کچھ نظر نہیں آتا "میں دو پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ بڑی سے بڑی
چیز کی کوئی وقعت نہیں دو منبر سے یہ کہ جوش وحشت اس درجہ ہے
کہ وسعت صحرانا کافی ہے۔

لب عیسیٰ کی جنبش کرتی ہے گہوارہ جنبانی ۱ | اقبامت کشتہ لعل بتاں کا خواب نہیں ہے

۱۱ | یعنی ہم ایسے رشک مسیحا کے ہلاک کئے ہوئے ہیں کہ اس عجا
عیسوی ہم کو جلا نہیں سکتا۔ بلکہ ہمارے خواب سنگین کے لئے
جنبش لب عیسیٰ گہوارہ جنبانی کے مماثل ہے۔ کہ اور غفلت برپا ہے

آب سیلاب طوفان صرا سے آب ہے
 نقش پا، جو کان میں رکھتا ہے انگلی جادہ ہے
 (۱)
 بزم سے وحشتگرہ ہے کس کی چشم مست کا
 شیشے میں نبض پری نہاں ہے موج بادہ سے
 (۲)

(۱) سیلاب سے یہاں سیل حوادث مراد ہے۔ اور طوفان صرا سے
 آب سے بارش میں رات کی گرج وغیرہ مقصود ہے۔ یا خود پانی
 کے جوش و خروش کی صدا میں انہیں صداؤں سے حوادث کی شدت
 اور تصادم و تصارب وغیرہ کی تشبیہ دی ہے۔ اور بادل جب
 زور شور سے گرجتا ہے تو لوگ کانوں میں انگلیاں دے لیتے
 ہیں۔ یہاں جادہ کو انگلی سے اور نقش پا کو کان سے تشبیہ دی ہے۔
 مطلب ہے کہ تزلزل و حوادث ایسے زور شور سے ہو رہا ہے۔
 جیسے طوفان ابر و رہار آتا ہو یہاں تک کہ نقش پائے بھی خوف
 سے اپنے کانوں میں انگشت جادہ دے لی ہے۔

(۲) ہرن کی آنکھ اچھی ہوتی ہے اور اس کی وحشت مشہور ہے۔
 شاید اسی قیاس پر شعرا کے یہاں آنکھوں کی وحشت وصف میں
 داخل ہو گئی ہے۔ ”پسی“ ایک وجود بھی ہے جس کے متعلق حسن
 اور انسانوں سے چھینا یا ور کیا جاتا ہے مطلب ہے کہ محفل
 شراب خدا جانے کس کی چشم مست کا وحشت گرہ ہے کہ موج
 شراب نبض پری کی طرح شیشہ میں چھپ گئی ہے

ہیں میں بھی تما شائی نیرنگی تماشا | مطلب نہیں کچھ اس کو کہ مطلب ہی ہرگز

(۱) یعنی میں تو صرف تماشا کی دہچھپی اور دلفریبی سے لطف حاصل کرتا

ہوں۔ یہ غرض نہیں کہ تمنا پوری ہی ہو۔

سیاہی جیسے گر جائے دم تحریر کا غلہ پر ۱ مری قسمتیں یوں تصویر پر شہماں ہجر کی

(۱) یعنی میرے لہ شتہ تقدیر میں شب ہجران کا جو نقش ہے وہ ایسا ہے جیسے لکھتے لکھتے سیاہی قلم سے کاغذ پر گر جائے۔

ہجوم نالہ حیرت عاجز عرض یک افغان ہے

(۱)

خوشی زیشہ صد نیستاں سے خس بدنداں ہے

بکلف بر طرف ہے جانتاں تر لطیف بدخویاں

(۲)

نگاہ بے حجاب ناز، تیغ تیز غرباں ہے

ہوئی یہ کثرت غم سے تلعت کیفیت شادی

(۳)

کہ صبح عبید مجکو بار تر از چاک گرمیاں ہے

دل و دین نقد لا، ساقی سے گر سودا کیا چاہے

(۴)

کہ اس بازار میں ساغر ستایع دست گراں ہے

غم آغوش بلا میں پرورش دیتا ہے عاشق کو

(۵)

چراغ روشن اپنا قلزم صرصر کا مرجاں ہے

(۱) گویا ہر نالہ ایک نے ہے اور ہجوم نالہ صد نیستاں ہے۔ اب جو

نالہ لب تک آتا ہے ایک زیشہ صد نیستاں کی حیثیت رکھتا ہے۔

”خس بدنداں ہونا“ اظہار عجز کرنا۔ مطلب ہے کہ نالوں کا ہجوم بھی

ہے اور حیرت کہ نالہ کرنے میں عجز ہے۔ چونکہ حیرت خاموشی کی

مقتضی ہے پس خاموشی زیشہ صد نیستاں کا رنگاوانتوں میں

لیکا اظہار عجز کرتی ہے۔ اسی قسم کا ایک شعر اور گزشتہ کلام ہے۔

نہ آئی سطوت قاتل بھی رافع میر نالوں کو لیا دانٹوں میں چڑکا ہوا زیشہ نیستاں کا

وہاں سطوتِ قائل اور یہاں جو شجیرت کا مضمون ہے۔
 (۲) لطف و التفات میں نگاہیں چاہ ہوتی ہیں۔ نگاہِ محبوب کو تیغ لگاتے
 ہیں اس لئے بے حجاب نگاہ کو تیغ پیر عریان ہونا چاہیئے مطلب
 ہے کہ اُن کے ستم سے اُن کا کرم زیادہ اسبابِ قتل رکھتا ہے۔
 (۳) دوست گردان "علی سبیل الحب لیست۔ اس ہاتھ دو اُس ہاتھ کو۔
 یعنی ساقی سے اگر معاملہ سے خوشی کرنا ہے تو فقارِ دل و دین و
 کر سارِ شراب خریدے۔ کیونکہ بازارِ میخانہ میں جام سے ایسا
 سودا ہے جو یہی قیمت چاہتا ہے۔

(۴) تلامِ آب سے آندھی یعنی طوفانِ ہوا کو تشبیہ دی ہے اور
 چراغ سے مرجان کو۔ اور چراغِ روشن۔ غمِ عشق سے استعارہ ہے
 مطلب ہے کہ جس طرح تلامِ آب سے چراغِ مرجان گل نہیں ہوتا
 اسی طرح صحرِ حوادث و آلام سے چراغِ عشق نہیں بجھتا گویا
 آغوشِ غم ہی میں عشاق کی پرورش ہوتی ہے۔

۱	نغمہ نشیوں میں تماشا ادا نکلتی ہے	۱	نگاہِ دل سے تری سرمد سا نکلتی ہے
۲	نشارِ تنگیِ خلوت سے بنتی ہے شبنم	۲	صبا جو غنچہ کے پردہ میں جا نکلتی ہے
۳	نہ پوچھو سیسہ عاشق سے آبِ تیغِ نگاہ	۳	کز خمِ بددین در سے ہوا نکلتی ہے

(۱) نغمہ نشیوں سے یہاں ضبطِ آہ مراد ہے۔ یعنی آہیں رُک لی ہوتی
 ہیں۔ دہواں گھٹا ہوا ہے۔ اب جو معشوق کی نگاہِ دل میں اترتی
 ہے تو اس دھوئیں سے کاجل لگ جاتا ہے اور دل سے سرمد
 لگائے ہوئے نکلتی ہے۔ خموشی سے اسی ادا کے پیدا ہونے کی
 طرف شعر میں اشارہ ہے۔

(۲) غنچہ کی بستی کی تخیلی خلوت سے تشبیہ دی۔ دبے اور بچھے سے
پسینہ آجاتا ہے۔ مطلب ہے کہ صاحب خلوت خانہ غنچہ میں جا بھکتی
ہے تو پسینہ پسینہ ہو جاتی ہے۔ اور یہی پسینہ شبنم کہلاتا ہے۔
(۳) وہ زخم جو سانس دینے لگے بہت ہلک ہے۔ اس زخم کو
روزن در سے تشبیہ دی گئی ہے۔ مطلب ہے کہ تیغ نگاہ کی تیر
کہ کیا پوچھتے ہو جس نے زخم کو ہوا دار روزن بنا دیا ہے۔

۱	جس جا نسیم شانہ کشش زلف یا ہے	۱	نافہ دماغ آہوئے دشت تیار ہے
۲	کس کا سلاخ جلوہ ہے حیرت کو بجا	۲	آئینہ فریش شمش جوت انتظار ہے
۳	ہے ذرہ ذرہ تخی جاہ سے غبار شوق	۳	گر دام یہ ہے وسعت صحر آشکار ہے
۴	دل مدعی و دیدہ مستانہ عا غلیہ	۴	نظارے کا مقدمہ پھر رو بکا ہے
۵	چھڑ کے ہے شبنم آئینہ برگ گل پر آب	۵	اے عندلیب قمت و دارع ہمار ہے
۶	بیج آپڑی ہے وعدہ دلہا کی مجھے	۶	وہ آئے پانہ آئے یہ یاں انتظار ہے
۷	بے پردہ سوئے وادی عجیبوں گزرنہ کر	۷	ہر ذرے کے نقاب میں دل میقرار ہے
۸	اے عندلیب یک کف غص ہر آشیا	۸	طوفان آہ آید فصل ہمار ہے
۹	دل مرث گنوا، خبر نہ سہی سیر ہی سہی	۹	اے بے دماغ آئینہ تمثال دار ہے

غفلت کفیل عمر و اسد صفا من نشاط
اے مرگ نگہبان تجھے کیا انتظار ہے

۱۱ معشوق کی زلفوں میں نسیم کے سراپت ہونے کو شانہ کشی سے
تعبیر کرتے ہیں۔ مطلب ہے کہ جہاں نسیم زلفوں سے مشکبو ہو کر
چلتی ہو۔ وہاں شامہ آہو مشک بن جاتی ہے اور دماغ آہو نافہ۔
(۲) حیرت اور آئینہ کی رعایت نظر ہے مطلب ہے کہ اے خدا

حیرت کو کس کے جلوہ کی تلاش اور کس کا انتظار و سراغ ہے
کہ سارا عالم آئینہ بنا ہوا ہے۔

رسم اجوش شوق۔ دیوانگی کی حد تک پہنچ گیا ہے اور دیوانگی
شوق نے خاک اڑانی شروع کی ہے۔ صحرایں جگہ گم ہے اس
لئے غبارِ ذرہ کے برابر ہے۔ اور جگہ حلقہٴ دام کے برابر مطلب ہے
کہ اگر ایسی تنگی جا ہے تو اسی حلقہ میں تمام صحرائی وسعت شکار ہو
جاسکتی۔ گویا تمام صحرائی حلقہٴ دام ہو جائے گا۔ جن میں
دیوانگی شوق کی خاک اڑانے کی حسرت پوری نہ ہوگی۔

(۴) یعنی دل نے آنکھوں کو الزام دیا ہے کہ انہوں نے ویدار
کر کے اس مصیبت عشق میں پھنسا دیا۔

(۵) سفر کے وقت آئینہ پر پانی چھڑکنے کی کوئی رسم ہے۔ اُسی
تلازمہ سے آئینہ برگ گل پر آپ شبنم گویا بہار کی علامت سفر ہے۔
(۶) ہر ذرہ کے نقاب میں یا ہر ذرہ کے لباس و شکل میں ایک
ایک دل بیقرار ہے گویا ساری داوی جذبات عشق مجنوں سے
معمور ہے۔ لیلیٰ کو بے محابا اور بے پردہ نہ جانا چاہئے۔

(۷) یعنی اسے عنریب ایک کھنڈ خس لاکر آشیان بنائے ورنہ
جوش بہار سے بہر خس شاخ گل ہو جائے گا یا اسے عنریب تو
ایک کھنڈ خس کا آشیان بنا رہی ہے اور اس جوش بہار میں جبکہ
سارا نہ مانہ گلستان ہو گیا ہے تو نے شاخمائے گل سے اپنا
آشیانہ نہ بنایا۔

(۸) "خبر" یہاں بمعنی علم و معرفت ہے دل میں انوار و تجلیات کا پرتو

ہوتا ہے۔ دل کو آئینہ کہا جاتا ہے۔ اور اس پر تو تجلیات کو تمثال سے تعبیر کیا ہے۔ مطلب ہے کہ شکستہ خاطر نہ ہو اور آئینہ دل کو ضائع نہ کر۔ معرفت نہ سی۔ اسے کم عقل اور کم ذوق پر تو تجلیات کی سیر کر لے۔

(۱۰) عیش و غفلت یا مستی و بے خبری میں عمر طبعی کے ہی بھی اگر موت آئے تو مرگ ناگہاں معلوم ہوگی۔ یہی مطلب ہے کہ غفلت عمر سے وابستہ ہے۔ اور میں نشاط و مستی میں مجھ ہوں اسے مرگ ناگہاں اب تجھے کیا انتظار ہے۔ کیونکہ تیری ناگہانی کے اسباب جمع ہیں۔

۱	آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے	ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے
۲	حسرت نے لار کھا تری بزم خیال میں	گلا رستہ نگاہ سویدار کہیں جسے
۳	پھونکا ہے کس نے گوشِ محبت میں بچھا	افسوس انتظار تمنا کہیں جسے
۴	سر پہ بجوم در و غریب سے ڈالنے	وہ ایک مشت خاک کہ صحر کہیں جسے
۵	ہے چشمِ تری حسرت دیدار سے ٹہکا	شوقِ عشاں گسیختہ دریا کہیں جسے
۶	درکار ہے شگفتن گلائے عیش کو	صبح بہار بنسبتِ بدینا کہیں جسے

غالب بڑا زمانہ جو واغظ پڑا کہے

ایسا بھی کہی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

(۱) یعنی تجھ جیسا کوئی حسین تو ہے نہیں۔ آئینہ تیرے ہاتھ میں ویسے دیتا ہوں تاکہ تو خود حیران تماشا ہو جائے۔

(۲) دل کے نقطہ سیاہ کو سویدار کہتے ہیں۔ آنکھ کی پتلی اور سویدار میں تشبہ ہے۔ عاشق کا دل آئینہ عیاں ہوتا ہے جس میں محبوب

مستند نشین رہتا ہے۔ گلارستہ بھی لوازمِ بزم میں سے ہے سو یاد
چشمِ خیال میں سے سینکڑوں حسرت بھری نگاہیں شوقِ دیدار میں
بیکل رہی ہیں۔ جن کو گلارستہ سے تشبیہ دی ہے گیایا یہ گلارستہ
حسرت نے اس کے بزمِ خیال میں لا کر رکھ دیا ہے۔

(۳) ”کان میں افسوں پھونکنا“ محاورہ ہے جس کے معنی آمادہ
کرنے اور ہم خیال بنانے کے ہیں۔ مطلب ہے کہ خدا جاسنے یہ
افسون انتظار جس کو تمنا کہنا چاہئے محبت کے کان میں کس نے
پھونک دیا ہے کہ محبت یکسر انتظار و تمنا ہو گئی ہے۔

(۴) ”خاک بر سرِ گردن“ فارسی محاورہ ہے جس کے معنی بھلا دینے
کے ہیں۔ مطلب ہے کہ غربت اور آوارہ وطنی کے وغیرہ غم سے
سارے صحرائیں خوب خاک اڑائی۔ صحرابو و فور اور ہجوم غم
کے مقابلہ میں ایک مشیتِ خاک سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا
یہی مشیتِ خاک نے کر عزت کے سر پر ڈال دی ہے۔ یعنی غم
کے غم کو فراموش کر کے ہمیں گھر بنا دیتے۔ ”دن بھر پہلو پہ ہے کہ
ایسا ہجوم غم ہے کہ صحرائیں مشیتِ خاک معلوم ہوتا ہے جس
کی اپنے سر پر اس غم میں ڈالتا ہوں۔“

(۵) ”غنائ گسیختہ“ سے چلنے کے لئے پاک پھیر سے ہوسٹے یعنی تیار۔
شوقِ غنائ گسیختہ سے یہاں شوقِ مائل بگر رہا ہے۔ مطلب
ہے کہ حسرت دیدار سے ایک شوقِ گریہ بار آ نکھولیں میں موجزن
ہے۔

(۶) ”یعنی جس طرح پھولی کھلنے کے لئے صبح بہار کی ضرورت ہے۔“

اسی طرح گہرائی عیش کھلنے کے لئے سفید پنبہ بیٹا ضروری ہے۔
 (۱) یعنی واعظ کے بڑا کہنے کا بڑا نہ ماننا چاہیے۔ کیونکہ دنیا میں
 ایسا کوئی نہیں جس کو سب اچھا کہتے ہوں۔ اور اچھے سے اچھے
 شخص کو کوئی نہ بڑا کہنے والا ضرور ہوتا ہے۔

۱	شبیم پر گل لالہ نہ خالی زاد ہے	۱	داغ دل بیدار و نظر گاہ حیا ہے
۲	دل خوں شدہ کشمکش تیر تیر ویدار	۲	آئینہ بدست بت بدست حنا ہے
۳	شعلے سے نہ ہوتی ہو س شعلہ نے جلی	۳	جی کس قدر افسردگی دل پہ جلا ہے
۴	تمثال میں تیر ہی ہے وہ شوخی کہ بھڑک	۴	آئینہ باندا ز گل آغوش کشا ہے
۵	قمری کف خاکستر و بیل قفس رنگ	۵	اسے تالہ نشان جگر سوختہ کیا ہے
۶	خونے ترمی افسردہ کیا و حشت دل کو	۶	مشتوقی و بے جوہر طسوفہ بلا ہے
۷	بجوری و دعوائے گرفتاری الفت	۷	و دست نہ سنگ آبدہ پیمان و قاس ہے
۸	معلوم ہوا حال شہیدان گذشتہ	۸	پتہ ستم آئینہ تصویر نمنا ہے
۹	اسے پر تو خورشید جہاں تاباں و صحرایی	۹	سائے کی طرح ہم یہ عجیب وقت پڑا ہے
۱۰	نا کردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے	۱۰	یار پیا اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

بیگانگی خلق سے بیدل نہ ہو غالب
 کوئی نہیں پیرا تو مری جان خدا ہے

(۱) یعنی لالہ کے پھول پر شبیم، سب سے وجہ نہیں، بلکہ اس سے یہ ظاہر
 ہوتا ہے کہ یہ داغ جو درد نہیں رکھتا، اپنے بیدار ہونے پر
 مجبور ہے، اور شبیم قطرہ عرق شرم ہے!
 (۲) بدست حنا، نشہ رنگ حنا میں پور۔ یا۔ اپنے ہاتھ میں شوخی
 رنگ حنا، دیکھ کر مشرور ہو جانے والا۔ دل خوں شدہ، اور شوخی

رنگِ حنا میں، رنگِ وجہِ شبہ ہے۔ دل، اور آئینہ کی رعایت
 ظاہر ہے۔ مطلب ہے کہ ایک ہمارا آئینہ دل ہے، کہ کشاکشِ حیرت
 دیدار میں خون ہو رہا ہے، اور ایک وہ بھی آئینہ ہے جس کو وہ
 خود اپنے حنا لیدرہ ہاتھ میں لئے ہوئے دیکھ رہے ہیں یا
 (۳۱) یعنی اس افسردگی پر، کہ سوزِ عشق میں اشتعال و جوش نہیں،
 اور جی بجھ سا گیا، دل بہت ہی جلتا ہے، اتنا جلتا ہے کہ خود
 سوزِ عشق سے بھی شاید اتنا نہ جلتا!

(۳۲) یعنی تیرے عکسِ عارض، اور پر تو رخسار سے آئینہ گلابی ہو گیا
 ہے، اور ذوق و شوق، میں گل کی طرح آغوشِ کشا معلوم ہوتا، اور
 تیرا سراپا اس آغوشِ شوق میں نظر آتا ہے!

(۳۳) ناز سے عشق مراد ہے۔ قمری، بلبیل، اور جگر، تالوں کے مختلف
 پیکر ہیں۔ قمری کو فارسی والے بالعموم کفنِ خاکستر کہتے ہیں۔
 بلبیل قفسِ رنگ، یعنی بلبیل مبتلا ہے عشقِ نگل۔ رنگ سے رنگِ گل
 مفہوم ہے۔ مطلب ہے کہ۔ "عشق، یہی جو کفنِ خاکستر ہے
 اور بلبیل بس کو قفسِ رنگ کہنا چاہئے، تیرا آزاد، اور دل
 عشق میں مشغور ہیں، مگر ہمارا جگر جو رنگِ خون بھی رکھتا تھا، اور
 جس کو تو نے جلا کر خاکستر بھی کر دیا، اس کے محبوب و مطلوب کا
 کوئی نشان نہیں!

(۳۴) وحشتِ دل سے دیوانہ پن کی اُننگ مراد ہے۔ مطلب ہے
 کہ تیری بد خوئی اور برہمیِ مزاج نے دل بجھا دیا۔ اور یہی ہے۔
 معشوقِ شوق و عاشقِ دیوانہ چاہئے! ورنہ معشوق کی بے چوہگی

بڑی مصیبت ہوتی ہے!
 یعنی، عشق پر تو اختیار نہیں، کیونکہ یہ تو وہ آتش ہے کہ لگائے نہ
 لگے، اور بجھا دئے نہ بنے۔ اور دعویٰ یہ ہے کہ ہم محبت کرتے ہیں
 اور عہد وفا سے ہاتھ نہیں اٹھاتے، درآئیکہ پتھر کے پیچھے ہاتھ
 دب گیا ہے، اور فرماتے ہیں کہ ہم خود نہیں نکالتے!
 (۷) یعنی تیغ ستم آئینہ ہے، جس میں پچھلے مقتولین کی صورتیں نظر
 آتی ہیں۔

(۸) سایہ کی افتادگی سے وقت پڑنے کی تمثیل و تشبیہ ہے۔ آفتاب
 کے سامنے سایہ نہیں بھڑکتا، اپنے لمبے کرم، کو پر تو خورشید
 جہاں تاب کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔

منظور ہوتی یہ شکل تجلی کو نور کی	۱	قسمت کھلی تھے قد رخ سے ظہور کی
اک خوشچھا کفن میں کر ڈروں بناؤں میں	۲	پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ چور کی
واعظانہ تم پیو، نہ کسی کو پلاسکو	۳	کیا بات ہے تمہاری شراب ظہور کی
لڑتا ہے مجھ سے شہر میں قاتل کہ کیوں اٹھا	۴	گویا ابھی سنی نہیں آواز صویر کی
آبد ہمار کی ہے کہ بیل ہے نغمہ سنج	۵	اڑتی سی اک خبر ہے زبانی طیور کی
گوواں نہیں، پتہ اں کے نکالے ہوئے تو ہیں	۶	کعبہ سے ان بتوں کو بھی نسبت ہو دور کی
کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب	۷	آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طیور کی
گر می سہی کلام میں لیکن نہ اس قدر	۸	کی جس سے بات اُس نے شکایت ضرور کی

غالب گرا اس سفر میں مجھے ساتھ لے چلیں

حج کا ثواب نذر کروں گا حضور کی

(۱) یہ شکل کا اشارہ سراپائے حضور رسالت کی جانب ہے۔ ”تجلی“

جلوہ آرائی۔ مطلب ہے کہ مشوق حقیقی کو اپنے انوار کی جلوہ آرائی یا جمال تمنائی یا بنمود اس شکل اقدس میں منظر پیش اور آپ کے قدم زیبا اور روئے تاباں سے ظہور کی قسمت کھل گئی۔

(۴) کفن جیسا سادہ لباس اس پر خون شہادت کی افشاں اسی میں کریشوں بناؤ ہیں کہ تیرے شہداء پر حوروں کی لہجائی ہوئی ہو گئی ہیں پڑتی ہیں۔

(۵) کیا بات ہے، تمسخر اور استہزا کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ اوسے معنی بھی مترشح ہو گئے ہیں کہ ایسی شراب کھاؤ کہ ہی کیا جو نہ خود پیتے ہو نہ کسی کو پلاتے ہو۔

(۶) قاتل کا مزاج ایسا لاڈبالی ہے کہ صویر کی آواز بھی نہ سنی یا اس کے لاڈبالی پن پر طنز کیا ہے کہ ابھی تک قاتلانہ غرور باقی ہے کہ آواز نہ ضرور نہیں سنی۔ اور یہ نہیں معلوم کہ وقت داد و فریاد ہے خود اٹھ کر مجرم کی حیثیت سے خدا کے سامنے پیش ہونا ہے۔

(۷) بلبلوں کے نغمہ سنجی کی آواز جو کان میں آئی ہے اس کو اڑتی سی خبر زیبانی طیور کی کہا ہے اور خوب کہا ہے۔

(۸) یعنی یہ فرہن نہیں ہے کہ وہ سب سے ان ترائی فرماتے رہیں آؤ ہم بھی قسمت آزمائی کر لیں۔

(۹) یعنی زبان میں اتنی شوخی و طعاری نہ ہوئی چاہیے کہ جو منہ میں آئے وہ کہہ ڈالیں اس سے جو کوئی بات کرنا ہے اس کی باز نہ بانی کی شکایت ضرور کرتا ہے۔

- (۱) غم کھانے میں یو دا دل ناکام بہت ہے
یہ نہ رنج، کہ کم ہے منے گلفام بہت ہے
- (۲) کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے ورنہ
سے یوں کہ مجھے ورنہ جام بہت ہے
- (۳) نے تیرکماں میں سے نہ صبا اوکیں میں
گو شہ میں نفس کے مجھے آرام بہت ہے
- (۴) کیا زرد گویا نوں کہ نہ ہو، مگر چہ رہا
پا دا شیش عمل کی طبع حسام بہت ہے
- (۵) ہیں اہل خرد کس روش خاص پہ نازاں
پابستگی رسم و رو عام بہت ہے
- (۶) زمزم ہی پہ چھوڑو، مجھے کیا طوفانِ حرم سے
آلودہ یہ سے جامہ احرام بہت ہے
- (۷) ہے قہر گر اب بھی نہ بنے بات، کہ اُن کو
انکار نہیں اور مجھے ابرام بہت ہے
- (۸) خوں ہو گئے جگر آنکھ سے پکا نہیں لہر گ
پہننے دے مجھے یال کہ ابھی کام بہت ہے
- (۹) ہو گا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے
شاعر تو وہ اچھا ہے یہ بانام بہت ہے

(۱) یعنی دل غم کھانے میں بدست کمزور ہے۔ شراب کی کمی کا غم
بھی اس کے لئے بہت ہے۔

(۲) "درویش کش" اُن سے نوشوں کو کہتے ہیں جو پچھٹ تک نہیں

چھوڑ گئے۔

(۳۳) یعنی قفس گوشت عافیت تو ہے کہ نہ تیر کمان میں نظر آتے
ہیں نہ صیاد تاک میں۔

(۳۴) یعنی میں زہد کی وقعت کیا کروں۔ ریائی نہ بھی سہی اور لوگوں
کے لئے دام تزدیر نہ بھی ہو۔ پھر بھی اجر آخرت کا لالچ خلوص
کے منافی ہے۔

طاعت میں تا ہے نہ سے وانگیں کی لاگ

دو نرخ میں ڈال دو کوئی سے کر بہشت کو

(۳۵) یعنی وہ لوگ جن کو اس دنیا میں اپنی ہوسشیا رسی اور عقل کا
دعویٰ ہے نہیں معلوم کس روش خاص پر نازاں ہیں۔ کوئی
خصوصیت تو نظر نہیں آتی۔ سب کے سب رفتار زمانہ کے
پیرو اور رسم و رواج کے حلقہ بگوش ہیں۔

(۳۶) "ابرام" اصرار۔

(۳۷) یعنی ابھی گریہ میں جگر کا خون بہا دینے کا کام میرے ذمہ باقی ہے۔

مات ہوئی ہے یا کہ وہاں کئے ہوئے

(۱)

جوش قدح سے بزم چیراغاں کئے ہوئے

کرتا ہوں جمع پھر جگر لخت لخت کو

(۲)

عرصہ ہوا ہے دعوت مرثاں کئے ہوئے

پھر وضع احتیاط سے رکنے لگا ہے دم

(۳)

برسیوں ہوئے ہیں چاک گریباں کئے ہوئے

پھر گرم نالہ ہائے شہر بار ہے فلفس

(۴)

مدت ہوئی ہے سیر چراغاں کئے ہوئے

پھر پستیش چراغیت دل کو چلا ہے عشق
(۵) سامان صد ہزار نمکدان کئے ہوئے

پھر بھر رہا ہے خامہ مشنگاں بخون دل
(۶) سازچین طرازی داماں کئے ہوئے

باہم گر ہوئے ہیں دل و دیدہ پھر رقیب
(۷) نظارہ و خیال کا سامان کئے ہوئے

دل پھر طواف کوئے طامت کو جائے ہے
(۸) پستار کا صنم کدہ، ویراں کئے ہوئے

پھر شوق کر رہا ہے خیریدار کی طالب
(۹) عرض متاع عقل و دل و جاں کئے ہوئے

دوڑے ہے پھر سیر ایک گل و لالہ پر خیال
(۱۰) صد گلستان نگاہ کا سامان کئے ہوئے

پھر جاہتا ہوں نامہ دلدار کھولنا
(۱۱) جاں نذر و لفریبی عنوان کئے ہوئے

مانگے ہے پھر کسی کو لب بام پر ہوس
(۱۲) زلف سیاہ رخ پہ پریشاں کئے ہوئے

چاہے ہے پھر کسی کو مقابل میں آرزو
(۱۳) سرمہ سے تیز و تشبہ مشنگاں کئے ہوئے

اک لوبہا یہ ناز کو تاکے ہے پھر نگاہ
(۱۴) چہرہ فروغ سے سے گلستان کئے ہوئے

پھر جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑ سے ہیں
سرسبز بار منت و دریاں کئے ہوئے

(۱۵)

جی ڈھونڈھتا ہے پھر وہی فرصت کے برآمدن

بیٹھے ہیں تصور جاتاں کئے ہوئے

(۱۶)

غالب ہیں نہ چھپر کہ پھر جوش اشک سے

(۱۷)

بیٹھے ہیں ہم تہیہ طوفاں کئے ہوئے

(۱) جوش قدسیہ "ساغر کے متواتر دور: شراب کو آتش اور آتشین

کئے ہیں اس لئے ساغر کی چراغ سے تشبیہ ہے۔

(۲) یعنی جگر کے ٹکڑے جمع کر کے اب پھر مڑگان یا ر کی دعوت

کرتا ہوں۔

(۳) یعنی پاس وضع اور ضبط سے دم گھٹا جاتا ہے۔ طبیعت

الچلتی ہے۔ مدت سے گریبان چاک نہیں کیا۔

(۴) نالہ کا وصف شعرا کے یہاں شر ہاری مسلم ہے۔ چراغاں

اور نالہ میں شر ہاری مشترک و مشابہ ہے۔

(۵) یعنی عشق اس قدر استقام سے جراحیت دل کی پرسش کو چلاتا ہے

گو یا عشق کے پڑنے زخموں میں پھر تازگی اور لذت پیدا ہو رہی ہے۔

(۶) چمن طراز ہی "سے نقش و نگار بنانے مراد ہیں۔ یعنی مڑگان

خون فشاں سے دامن کو گلستان بنانے کی تیاری ہے۔

(۷) آنکھ نظارہ کا سامان کر رہی ہے اور دل وصل کا خیال کرتا

ہے۔ دونوں آپس میں رٹیب ہو گئے ہیں۔

(۸) "پندار" نیکی یا نیک کردار ہی سے نفس میں غور پیدا ہوتا ہے۔

لوگ اُس کو اچھا سمجھتے اور وہ خود کو اچھا جانتا ہے۔ اس کیفیت کو
 پندار کہتے ہیں۔ یہ غیریت اور خودی کے بتوں کا مجموعہ ہے۔ کیونکہ
 ہر وہ وجود جو خدا کے سوا ہو صنم ہے۔ اسی لئے پندار کا صنم کدہ
 لکھا ہے۔ اس کے برعکس جس سے لوگ نفرت کرتے ہیں اور
 جس کے عیوب پر نکتہ چینیاں ہوتی اور ملامت کی جاتی ہے
 اُس شخص کے دل میں شرمندگی انکسار اور رجوع و خشوع
 کے جذبات برانگیختہ ہوتے ہیں۔ پس صنم کدہ پندار کے
 بالمقابل کوئے ملامت یقیناً کعبہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ مطلب
 ہے کہ عاصیوں کا خانہ سیاہ پوش عصیاں جو کہ کوئے ملامت
 میں ہے صنم کدہ پندار ویدان کر کے دل اُسکی طرف جاتا ہے۔
 (۹) یعنی پھر عقل و دین اور دل فروشی کا بازار گرم اور شوق کسی
 خریدار طرح دار کا منتظر ہے۔

(۱۰) گویا ہر نگاہ میں ایک ایک سبز باغ تمنا کا سامان ہے اور خیال
 یار بار گل و لالہ (معتشوقوں سے ہتھارہ ہے) پر دوڑتا ہے۔
 (۱۱) یعنی معشوق کا ایسا خط کھولنا چاہتا ہوں، جس کا عنوان ہی
 ہرٹھہ کر جان نذر کردوں۔

(۱۲) ”گو بہار ناز“ جس کے حسن میں تازہ تازہ یا پہلے پہل بہار آئی ہو۔
 ”چہرہ فروغِ مے سے گلستاں کئے ہوئے“ یعنی سرورِ نشاط
 مے سے چہرہ شاداب و تاباں کئے ہوئے۔

(۱۵) یعنی دل چاہتا ہے کہ کسی معشوق کے دروازہ پر دربان کے
 قدموں پر سر رکھ کر خوشامد کرتے رہیں اور پٹے رہیں۔

(۱۶) یعنی دل ایسی فرصت کا طالب ہے کہ دن رات تصورِ جاناں کے سوا کوئی دوسرا شغلِ زندگی ہی نہ ہو۔
 (۱۷) یعنی جوشِ اشک سے ایک دریائے متلاطم بہا دینے کا ارادہ کئے ہوئے ہے۔

نویں امن ہے پیرا دوستِ ڈھان کے لئے
 (۱) رہی نہ طرزِ سسٹم کوئی آسماں کے لئے
 بلا ہے گر مشرۂ یارِ تشنہ خوں ہے
 (۲) رکھو کچھ اپنی بھی پیر کا خولقشاں کیلئے
 وہ زندہ ہم ہیں، کہ ہیں روشناسِ خلق اسے خضر
 (۳) نہ تم، کہ چورسینے غمِ جاوداں کے لئے
 رہا بلا میں بھی، میں مبتلائے آفتِ رشک
 (۴) بلائے جاں ہے ادا تیری اک جہاں کیلئے
 فلک نہ دور رکھ اُس سے مجھے کہ میں ہی نہیں
 (۵) دراز دستیِ قاتل کے امتحاں کے لئے
 مثال یہ مری کوشش کی ہے، کہ مرغِ اسیر
 (۶) کرے قفس میں فراہمِ خسِ آشتیاں کیلئے
 گدا سمجھ کے وہ چپ تھا، مری جو شامت آئے
 (۷) اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لئے
 یہ قدر شوق نہیں طرفِ تنگنائے غزل
 (۸) کچھ اور چاہئے دوستِ مرے بیاں کیلئے
 دیا ہے شسلی کو بھی تا اسے نظر نہ لگے
 (۹)

بنا ہے عیشِ تجملِ حسینِ خاں کے لئے
زباں پہ بارِ خدا یا، یہ کس کا نام آیا
(۱۰) کہ میرے لطف نے بوسے مری زباں کیلئے

نصیرِ دولت و دیں، اور معینِ ملت و ملک
(۱۱) بنا ہے چرخِ بریں جس کے آستان کے لئے

زمانہ عہد میں اُس کے ہے محو آرایش
(۱۲) بنیں گے اور ستارے اب آسماں کے لئے

ورقِ تمام ہوا اور مدح باقی ہے
(۱۳) سفینہ چاہئے اس بحرِ بیکراں کے لئے

ادائے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا
(۱۴) صلائے عام ہے یارِ ان نکتہ واں کیلئے

(۱) "نوید امن" مژدہ امن یعنی تمام ستمِ مشوق ہی ختم کئے دیتا ہے۔
اور فلک کو ظلم کرنے کا کوئی پہلو باقی نہیں رہتا اس لئے دوست کا
ظلم پیغام امن ہے۔ کہ جو چرخ سے مامون ہو گئے۔

(۲) یعنی اگرچہ معشوق کی مرثاں بھی خونِ دل کی پیاسی ہے۔ مگر
مجھے گریہ خونیں کے لئے خون بچا لینا ضروری ہے۔

(۳) یعنی چوری چھپے کا جینا ہی کیا۔ چاہے عمرِ جادواں ہی کیوں
نہ ہو۔ پس اے محضرِ زندہ تو ہم ہیں کہ ساری دنیا ہمیں پہچانتی
ہے اگرچہ عمر کم ہے۔

(۴) یعنی یہ دیکھنے کے لئے کہ قتال کس قدر بڑھ بڑھ کر
قتل کرتا ہے مجھ کو قاتل سے دور نہ رکھ دراز دوستی کا امتحان

دوسروں پر کر لے۔

(۵) یعنی رشاک ہے کہ تیرے ستم سارے زمانہ پر کیوں ہوں۔
مجھ ہی پر کیوں نہ ہوں۔

(۶) یعنی اس دنیا میں ہمارا دولت یا اسباب معیشت جمع کرنا
وہی حیثیت رکھتا ہے۔ کہ ایک طائر گرفتار قفس میں آشیائے
کے لئے تنگ جمع کرے۔

(۷) یعنی پہلے تو وہ مجھے فقیر جان کر خاموش تھا۔ قسمت میں جو
دھکے کھانے تھے میں پاسبان کے قدموں پر گر پڑا۔ وہ سمجھ گیا کہ
ان کا عاشق ہے۔ اور گھر میں جانے کی اجازت چاہتا ہے
بس پھر کیا تھا۔

(۸) "تنگ نائے" پانی کا وہ محدود حصہ جو ساحل میں سے دور دور تک
گزرتا ہو۔ مطلب ہے کہ شوق کے مقابلے میں غزل میں مضامین
نہیں سما سکتے۔ آپ قضیدہ کی روش اختیار کرتا ہوں۔

(۹) یعنی عیش بنا تو تھیل حسین خاں ہی کے لئے ہے۔ لیکن دور دور سے
لوگوں کو بھی کچھ پھر اس لئے مل گیا ہے کہ ان کے عیش کو نظر نہ لگے۔

(۱۰) شعرا سبق میں تھیل حسین خاں کا نام آچکا ہے۔ پھر جہانگیر نے
اظہار کے لئے استفہام استعمال کیا ہے کہ یہ کس کا نام ہے۔ جو میری
قوت گویا میری زبان کے بوسے لیتی ہے۔

(۱۱) نصیر و معین کے معنی مددگار کے ہیں اور یہ عمدہ نام سے سلطنت کے
مصطلح نام ہیں۔

(۱۲) اس کے زمانہ میں سارے جہان پر رونق چھا گئی ہے اور تمام

دنیا آرائشوں میں مصروف ہے۔ کچھ تعجب نہیں کہ خرخ پیر کو
نئے ستارہ میسر آجائیں۔

(۱۳) ”ورق“ تختہ کا غذا اور کشتی بھی تختوں کی ہوتی ہے۔
”بحر بیکراں“ وہ دریا جس کا کنارہ نامعلوم ہو یہ مطلب ہے کہ بحر
بیکراں مدح کے لئے تختہ کا غذا تو ختم ہو گیا سفینہ چاہئے۔
(۱۴) یعنی احباب کو اذن و صلا ہے کہ وہ بھی اس طرح طرح لکھا کریں
جس اواسطے خاص سے غالب نے نکتہ سرایاں اور مضمون
آفرینیاں کی ہیں۔

غزلیات تمام

۱/۲

قصائد قطعات

اور

متفرقات غالب

قصیدہ اول

در منقبت

- (۱) سار یک وزہ نہیں فیض چین سے بیکار
سایہ لالہ بے داغ سویدائے بہار
- (۲) مستی یاد صبا سے ہے بعرض بہرہ
ریزہ شیشہ سے جو ہر تیغ کسار
- (۳) بہر ہے جام زمر کی طرح داغ پلنگ
تازہ ہے ریشہ نایب صفت رشے شرار
- (۴) مستی ایر سے گلچیں طرب ہے حسرت
کہ اس آغوش میں ممکن ہے دو عالم کا فشار
- (۵) کوہ و صحرا ہمہ مملو رہی شوق بلبلسل
راہ خوابید ہوئی خندہ گل سے بیدار
- (۶) سوئے ہے فیض ہوا صورت مرغانِ قیوم
سر نوشت دو جہاں ابر بیک سطر غبار
- (۷) کاٹ کر پھینکے ناخن تو باندازِ ہلال
قوتِ نامیہ اس کو بھی نہ چھوڑے بیکار
- (۸) کف ہر خاک پر گردوں شدہ قمری پرواز
دام ہر کاغذ آتش زدہ طاؤس شکار
- میکرے ہیں ہو اگر آرزو سے گل چینی

بھول جایک قدح بادہ بہ طاق گلزار

موج گل ڈھونڈو بخت کدہ غنچہ بارغ
(۱۰) گم کرے گوشہ میخانہ میں گر تو دستار

کھینچے گرمائی اندیشہ چمن کی تصویر
(۱۱) سبزہ مثل خط نوخیز ہو خط پر کار

لعل سے کی ہے پتے زمزمہ مدحت شاہ
(۱۲) طولی سبزه کسار سے پیدا منتقار

وہ شہنشاہ کہ جس کی پے تعمیر سرا
(۱۳) چشم جہول ہوئی قالب شست دیوار

فلک العرش ہو م خم دوشن مزدور
(۱۴) رشتہ فیض ازل ساز طناب معمار

سبزہ تہ چمن و یک خط پشت لب نام
(۱۵) رفعت ہمت صد عارف و یک اوج حصار

واں کی خاکشاک سے جا مل ہو جسے یک پرکاش
(۱۶) وہ رہے مرہ سہ ہال پری سے یزار

خاک صحرائے نجف ہو ہر سیر
(۱۷) چشم نقش قدم آئینہ بخت بیدار

ذرہ اس گرد کا خورشید کو آئینہ تاز
(۱۸) گرد اس دشت کی امید کو احمر زار

آفریش کو ہے واں سے طلب بستی تاز
(۱۹) عرض تھیارتہ ایجا وہ ہے ہر موج غبار

مطلع ثانی

فیض سے تیرے ہے شمع شبستان بہار
(۲۰) دل پروانہ چراغان پر میل گلزار

شکل طاؤس کرے آئینہ حسنا نہ پرواز
(۲۱) ذوق میں جلوے کے تیرے ہو اسے دیدار

تیری اولاد کے غم سے ہے پرستے گردوں
(۲۲) سلک اختر میں مہ نو مشرۃ گوہریاں

ہم عبادت کو ترا نقش قدم در نماز
(۲۳) ہم ریاضت کو ترے حوصلے سے استظهار

نارح میں تیری تھاں زمزمہ نعت نبیؐ
(۲۴) جام سے تیرے عیاں بادۂ جوش اسرار

جو ہر دست دعا آئینہ یعنی تاثیر
(۲۵) یک طرف نازش مرثاں و دگر سو غم خار

مردمک سے ہو عزا خانہ اقبال نگاہ
(۲۶) خاک در کی تری جو چشم نہ ہو آئینہ دار

دشن آل نبی کو بطرب حسنا نہ دہر
(۲۷) عرض خمیازہ سیلاب ہو طاق دیوا

دیدہ تادل آئینہ یک پر تو شوق
(۲۸) فیض معنی سے خط سا غرراقم سرشار

(۱) یعنی فیض چین بہار نے کسی شے کو بے مصرف نہیں کھا۔ لالہ کا
سایہ بے داغ، دل بہار کا "سویدا" معلوم ہوتا ہے۔

(۲) سبزہ زار جن کو تشبیہاً جوہر تیغ کہہ سار سمجھنا چاہئے، باد صبا کی
جولانی سے لہلہانے میں ریزہ ہائے شیشہ سے معلوم ہوتا ہے۔

(۳) چیتہ کا داغ مثل جام زمرود ہے۔ اور شرر مثل ریشہ تارخ۔

(۴) ہجوم ابر سے حسرتِ دل گل چینی سرور کرتی ہے اور چھائے
ہوئے یاد دل پر خیال ہوتا ہے کہ اس آغوش میں دونوں جہان کا
فشار ممکن!

(۵) جنگل اور پہاڑ ترانہ ہائے عشق عنریبک معور ہو گئے ہیں اور
سنان راسخے پھولوں کے قہقروں سے آباد ہو گئے ہیں۔

(۶) یعنی زمین کو ایک سطر بخطِ خیال سمجھنا چاہئے، اور فیض ہوا،
جو ابر تیار کرتا ہے، وہ دو جہان کی خوش نصیبوں کی تحریر کے
پر ابر ہے، جس طرح شیم کی مڑگان خاک آلود کی خاک کے
یا مقابل اس کے اشک ہائے بیکسی کا سلسلہ!

(۷) یعنی اگر ناشن بھی کاٹ کر بھینکا جائے، تو قوتِ نامیہ اس کو
بھی بیکار نہ چھوڑے گی، بلکہ ہلال بنا دے گی!

(۸) کاغذِ آتشزدہ "جلا ہوا" کاغذ جس میں کچھ سوراخ اور کچھ سکڑاں
پیدا ہو جاتے ہیں۔ دام سے تشبیہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر مشیت
خاکِ قمری بنکر آسمان کی طرف پرواز کتا ہے، اور کاغذِ
آتشزدہ کا جمال بھی طاؤسِ رقصاں کو شکار کرتا ہے! اگلاؤں
شعلہ رقصاں سے مستعار ہو بجا جائے تو دام کاغذِ آتشزدہ طاؤس

شکلہ کا شکار کرنے والا کتنا چاہئے !

(۹) یعنی شراب خانہ میں بیٹھے بیٹھے، اگر بھول توڑے مقصود ہوں تو میخانہ کے نقش و نگار والے طاق پر ساغر شراب رکھ کر بھول جا تھوڑے ہی عرصہ میں طاق کے نقوش سبزہ و شاخ گل ہو جائیں گے اور ساغر گل بن جائے گا۔

(۱۰) یعنی اگر گوشہ میخانہ میں تیری دستار گم ہو گئی، تو آب تلامش دستار عبت ہے۔ کیونکہ فیض موسم نے گوشہ میخانہ کو توغیوں کے باغ کا خلوت کر دیا، اور دستار کو موج نکہت گل !
(۱۱) یعنی مصوّر خیال، اگر چمن کی تصویر کھینچے، تو پرکار تصورات کسی حسین کا سبزہ خط بن جائے !

(۱۲) سبزہ زار کوہ کو طوطی، اور لعل (پتھر) کو منقار طوطی کہا ہے، گویا یہ طوطی کہسار حضرت مولیٰ علی کی مدح کرتی ہے !
(۱۳) وہ شہنشاہ وہ عالیجناب ہے جس کی مجلس کی تعمیر کے لئے چشم جبریل کے سانچہ کی ڈھلی ہوئی اینٹیں تیار ہوتی ہیں۔

(۱۴) اس کی مجلس کی تعمیر کے جو مزدور ہیں وہ اس قادر عالی مرتبہ ہیں کہ فلک العرش، ان کے ہجوم خم دوش کے برابر ہے، اور رشتہ فیض ازل اس کے معمار کی طناب یا ڈوری ہے !

(۱۵) یعنی سبزہ نہ افلاک، اس کے پشت لب باہم کا ایک خط ہے اور چار دیواری کی بلندی سینکڑوں عارفوں کی ہمتی کی برابر ہے۔
(۱۶) وہاں کے خس و خاشاک میں سے اگر ایک تنکے کا ریشہ کسی کو ملے آجائے تو وہ بال پر ہی کے پنکھے سے بیزار ہو جائے۔

(۱۷) یعنی صحرائے نجف کی خاک، رہروانِ معرفت کے لئے
اکسیر سلوک ہے، اور خود راہرو کا نقش قدم اُس کے بخت
رسان کا آئینہ ہے۔

(۱۸) سرزمینِ نجف کا ایک ایک ذرہ آفتاب کے لئے آئینہ ہے
جس میں خود بینی کرتا ہے اور اس جنگل کی خاک، امیر کے لئے
احرام ہے، کہ کعبہ مقصود بہار کا طواف کرے!

(۱۹) زمین کی گردی شکل کو موجِ غبار سے تعبیر کیا ہے اور تشبیہ
خمیازہ ایجاد کیا ہے "خمیازہ" خواہش و طلب سے اُٹھتا ہے
سے ہے مطلب ہے، کہ ایجاد "موجِ غبار" سے انگریز اُٹھتا ہے
ہے اور حمار ظاہر کرتی ہے، یعنی عالم خلقت کو اس سرزمین سے
آخر نیش پرنا کر کے کیستی مطلوب ہے!

(۲۰) یعنی اُسے آرام گاہ ہمارے شمعِ اُتیرے فیض سے پروانہ کا دل
چراغوں بنا ہوا ہے اور پیلے سیل گوار، یعنی اُس کے دل میں
چراغ ہائے عشق شمعِ روشن ہیں، اور اس کا پہلو و سیل
گل سے معمور!

(۲۱) "پروانہ" محاورہ کے طور پر استعمال ہوا ہے جس کے معنی اُترائے
اور ناز کرنے کے ہیں، اور لفظی رعایت سے، طاؤس سے تشبیہ ہے
مطلب ہے کہ تیرے جلوہ کے ذوق میں آئینہ خانہ اُڑنے لگے۔

اور دیدار کی خواہش اُس کو طاؤس پران بنا دے!
(۲۲) یعنی، غمِ ابا میں سے، ستاروں کی لڑی، چشمِ ہلال کی ہنرہ شکوہ
معلوم ہوتی ہے!

(۲۳) بے شک! عبادت کے لئے، تیرا نقش قدم سجدہ گاہ ہے
یا فرمانِ قبولیت کی مہر، اور ریاضت کے لئے تیرا حوصلہ،
پشت پناہ!

(۲۴) تیری تعریف میں سرورِ کائنات کی توصیف کی صدا ہے، اور
تیرے جہام سے ہادۂ اسرارِ معرفت الہی پر جوش ہے!

(۲۵) تیرا دستِ دعا آئینہ ہے، اور تاثیرِ واجابت اُس کا جوہر، پھر یہ
جوہر ایک طرف توحینوں کی مڑگاں کے لئے سستہ سرمایہ بنا رہے،
دوسری طرف خار کے لئے باعثِ غم ہے، کہ مڑگاں کی معشوقانہ
ناوکِ سنگنی اور چھین اس سے زیادہ پرتاثر ہے!

(۲۶) جو آنکھ تیرے خاکِ درپر فرش نہ ہو، اُس کی سیاہ پوشِ مہتابی،
نحت نگاہ و بصر کے لئے ماتم خانہ بن جائے۔

(۲۷) آلِ بئی کے دشمنوں کے لئے عشرت خانہ، دہر کا ہر طاق
نھیازہ طوفانِ حوادث ہو جائے!

(۲۸) آنکھوں سے دل تک پر تو شوق نے، ایک آئینہ لگایا ہے
اور معنی کے فیض نے، خطِ جہامِ شعر کو سرشار و مست
کر دیا ہے۔

قصید دوم

۱	دہر چڑ جلوہ یکساںی معشوق نہیں	۱	ہم کہاں ہوتے اگر حسن ہوتا خود میں
۲	بید لہیا تے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ فوق	۲	بیکسی ہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں
۳	ہرزہ ہے لقمہ زیر و بزم ہستی و عدم	۳	لغو ہے آئینہ فسق جہنم و تمکین
۴	نقش معنی ہمہ خمیسا زہ عرض صورت	۴	سخن حق ہمہ پیسا نہ ذوق تمکین
۵	لاف دالش غلط و تفع عبادت معلوم	۵	در دیک ساغر غفلت ہے پیرہ نیا و چہر
۶	مثل مضمون وفا با دبدست تسلیم	۶	صورت نقش قدم خاک بفرق تمکین
۷	عشق بے ربطی شیرازہ اجڑائے حواس	۷	وصل رنگار رخ آئینہ شمس یقین
۸	کوہ کن گرسنہ مزو و رطب گاہ رقیب	۸	بے ستوں آئینہ خواب گراں شیریں
۹	کس نے دیکھا نفس اہل وفا آتش خیز	۹	کس نے پایا اثر نالہ و لہائے حزیں
۱۰	سامع زمزمہ اہل جہاں ہوں لیکن	۱۰	نہ سرو برگ ستایش نہ دماغ لہریں
۱۱	کس قدر ہرزہ سرا ہوں کہ عیاذاً باللہ	۱۱	یک قلم خارج آداب وقار و تمکین
۱۲	نقش لاجل لکھائے خامہ ہدیایاں تحریر	۱۲	یا علی عرض کر اے فطرت و سواس قرین
۱۳	منظر فیض خدا جان و دل ختم رسل	۱۳	قبایر آل نبی کعبہ ایجاب یقین
۱۴	ہو وہ سرمایہ ایجا و جہاں گرم خرام	۱۴	ہر کف خاک ہو واں گرد و تصویریں
۱۵	چلوہ پرواز ہو نقش قدم اس کا جس جا	۱۵	وہ کف خاک ہے ناموس و عالم کی امیں
۱۶	نسبت نام سے اس کی ہے یہ تہیہ کہ ہے	۱۶	ابداً پشت فلک خم شدہ ناز زمین
۱۷	فیض خلق اس کا ہشی حال ہے کہ ہوتا ہے سدا	۱۷	لوئے گل سے نفس باد صبا عطر آگین
۱۸	پریش تیغ کا اس کی ہے جہاں میں چرچا	۱۸	قطع ہو جائے نہ سر رشته ایجا و دین

۱۹	کفر سوز اس کا وہ جلوہ ہے کہ جس سے لوٹے	رنگ عاشق کی طرح رونق بخاندہ ہیں
۲۰	جاں پناہ دل و جاں فیض رسانا شاہ	وصی ختم رسل تو ہے بقول اے یقیں
۲۱	جسم اطہر کو ترے دوش پیہر منسب	نام نامی کو ترے ناہیہ عرش نگین
۲۲	کس کے ممکن ہے تری طرح بغیر از واجب	شعلہ شمع مگر شمع پہ باندھے آئین
۲۳	آستان پر ہے ترے جو ہر آئینہ سنگ	رقم ہند کی حضرت جبریل امین
۲۴	تیرے در کے لئے اسباب نثار آمادہ	خاکیوں کو جو خدا نے دیئے جان لادین
۲۵	تیری مدحت کیلئے ہیں لہجہ کا مژباں	تیری تسلیم کو ہیں لوح و قلم دست جہاں
۲۶	کس سے ہو سکتی ہے مداحی حمد و تحسین	کس سے ہو سکتی ہے آرایش فردوس بریں
۲۷	جہاں بازار معاصی اسدا اللہ اسد	کہ سوا تیرے کوئی اس کا خریدار نہیں
۲۸	شوخی عرض مرطالبتیں گستاخ طلب	ہے ترے حوصلہ فضل پہ زبکہ یقیں
۲۹	خسے دعا کو مری وہ مرتبہ حسن قبول	کہ اجابت کے ہر حرف پہ سو بار آئین
۳۰	غم شبیر سے ہو سینہ یہاں تک لبریز	کہ رہیں غم جگر سے طری آنکھیں رنگین
۳۱	طبع کو الفت دل میں یہ سرگرمی شوق	کہ بہا تک چلے اس قدم اور مجھ سے جہاں
۳۲	دل الفت نسب و سینہ تو حید فضا	نگہ جلوہ پرست و نفس صدق گزین

صرف اعداد اثر شعلہ دو و دو زخ

۳۳

وقف اجاب گل و سنبھل فردوس بریں

۱۱۱ سو فیاض کرام کا عقیدہ ہے کہ تخلیق کائنات سے پہلے خدا نے اپنے جمال کو دیکھنا چاہا تو اس منشا سے دیدہ سے یہ عالم ظہور پذیر ہوا شعر میں یہی تلخیص ہے کہ اگر حسن کو اپنی خود بینی متصور نہ ہوتی تو ہمارا وجود

کہاں ہوتا..... جو کہ
 بمنزلہ آئینہ..... تجلیات
 کے ہے۔

(۲) یعنی، تماشا، و نظارہ سے دل ایسا اچاٹ ہو گیا ہے، کہ نہ عبرت
 کی غرض سے نظر اٹھتی ہے نہ دلچسپی مناظر کا شوق دیدار پیدا
 ہوتا ہے۔ اور تمنا کی بیکسی اور پیہ بسی کا یہ عالم ہے کہ نہ کوئی
 دین کی تمنا ہے، نہ دنیا کا ارمان!

(۳) وجود اور عدم کے مباحثہ بیکار ہیں۔ اور عقل و جنون کے
 امتیازات عبث ہیں۔

(۴) یعنی جن نقوش پر معنی چسپاں کئے جاتے ہیں یا جن اعتبارات پر
 حقیقت آشنائی کا دعویٰ ہوتا ہے وہ سب لفظی اور ظاہری
 بھول بھلیاں اور آلٹ پھیر ہیں اور دنیا میں حق کوئی کے لئے
 نہیں بلکہ داد طلبی کے لئے ہے۔

(۵) یعنی عقل پر گھمنڈ یا عقلمنداری کی شیخیاں غلط عبادات سے
 نفع کی توقع ہی کیوں۔ دنیا و دین ساغر عشق کی تلچھٹ ہیں۔ یا دنیا و
 دین کو غرقِ مئے عشق الہی کر دینا بہتر ہے۔ عبادت معاوضہ اور
 اجرت کے لئے نہ کرنی چاہئے اور معاملات و علاقہ کی آلودگی میں
 عقل پر گھمنڈ نہ ہونا چاہئے۔

(۶) یعنی طاعت و بندگی بھی وفا کی طرح برباد ہیں اور غرور و تمکنت
 نقشِ قلم کی طرح خاک بسر ہیں۔ یعنی نہ عجز کا رآمد ہے نہ غرور کا
 انجام بخیر۔

(۷) یعنی عشق خلل حواس ہے۔ اور وصل آئینہ الفت کو مکر کر دینے والا ہے۔

(۸) یعنی فرما دے عشرت گاہ خسرو کا محض مزدور ہے۔ چونکہ تو غافل شیریں کو بے ستون کی طرح ناقابل جنبش ہے۔ اگر کوہ کن مزدور محض نہ ہوتا بلکہ جذبہ کامل و صادق بھی رکھتا ہوتا تو غافل شیریں قائم نہ رہتا۔

(۹) یعنی اہل وفا و عشق کی آہوں میں تاثیر گداز باقی نہ رہی، اور دل غمگین کے نالے بے اثر ہو گئے!

(۱۰) یعنی ہم تو اہل زمانہ کے پیچھے مسن لیتے ہیں، اور نہ، نہ اُن سے توقع تحسین رکھتے ہیں، نہ اُن کی نفیریں پر دماغ دارانہ شکایت! (۱۱) خدا کی پناہ! کس قدر بیہودہ گوئی کر گیا، آداب توقیر و تعظیم سے گذر گیا!

(۱۲) یعنی اسے قلم ہدیان تحریر یا۔ اسے قلم پریشان رقم لاکھول لکھ، اور اسے خیال و سوئے قریں، یا علی! پکار دے تاکہ لاکھول لکھنے سے، وساوس، ماسوسے سے نجات ہو، اور جو لکھنا چاہتا ہوں وہ لکھ سکوں، اور آداب وقار و تمکین سے بعید نہ ہو جاؤں!

(۱۳) یعنی حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ فیض الہی کے منظر و پس منظر حضور رسالت پناہ کے جان و دل، آل رسول کے قبلہ اور عالم ایجاد و امکان کے کعبہ ہیں!!

(۱۴) یعنی وہ حاصل عالم ایجاد، جہاں قدم رکھے، گویا اُس کے نقوش قدم سے، تمام عالم امکان کا مرتفع پیش ہو جاتے۔

